URDU NOVELS MAG

خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

واٹس ایپ 03172266944

بانی ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیر خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی
نفسیات ——— ادارہ
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈوکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

URDU NOVELS MAG

کہنی سُنی، مدیر 6
کرن کرن روشنی، ادارہ 7
ہمارے نام، نادرہ خاتون 24

آپ سے کیا پردہ

باندھ سہرا کر شادی، انشاجی 12

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 203

مجھ سے ملئے

باتیں علی عباس سے، شاہین رشید 14

انٹرویو

نعیمہ ناز سے ملاقات، شاہین رشید 18

ناول

انگنا پھول کھلیں گے، راحت جبیں 32

مکمل ناول

اجارہ نشین، آسیہ رئیس خان 58
مالا، نمرہ احمد 174
پردیس، سمیرا حمید 118
احد، صوفیہ بٹ 148

ناولٹ

سامنے والی کھڑکی، فرح بخاری 96

افسانے

راستہ، نعیمہ ناز 52

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ کرن اور ماہنامہ شعاع میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

digestlibrary.com URDU NOVELS MAG

لاڈلی، حنا بشریٰ 141

پھوپھو کی بہو لبنیٰ آصف 56

اُترن، شمائلہ ذوالعباد 90

تماتے تی، آسیہ ساجد علی 116

نظمیں غزلیں

غزل، ام اسامہ امجد 199

غزل، انجم رہبر 199

پکوان

موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 205

آپ کا باورچی خانہ، نبیلہ گلزار 207

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ سجاد 200

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے، روحیلہ خان 202

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، ادارہ 208

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37-اردو بازار کراچی

دسمبر 2024

جلد 52 شمارہ 07

قیمت 150 روپے

زرسالانہ بذریعہ ڈاک

پاکستان (سالانہ) —— 1,200 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

ایڈیٹر و پبلشر آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

URDU NOVELS MAG

کہی سنی

خواتین ڈائجسٹ دسمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا، ایک اور سال کی مسافت تمام ہونے کو ہے۔ گزرتا وقت ماضی کا حصہ بنتا جاتا ہے کبھی خوشیاں دامن میں ڈال کر، کبھی غم دے کر اور کبھی کبھی یہ گزرتا وقت ہمیں ایسے سبق دے جاتا ہے جو ہماری اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔۔

کہتے ہیں ماضی کو بھلا دو، آگے بڑھو بس۔ آگے ضرور بڑھیں پر سب کچھ بھول کر نہیں۔ ماضی میں ہم سے جو دانستہ یا نادانستہ غلطیاں ہوئیں، کوتاہی ہوئی۔ اس کی تلافی یا مداوا بھی ضروری ہے، یہ طے کرنا بھی ضروری ہے کہ اپنی غلطیوں کو دہرانا نہیں ہے۔ ان سے سبق سیکھنا ہے۔

ماضی میں دسمبر کے مہینے میں دو سانحات ایسے گزرے ہیں جو بہت گہرا زخم دے گئے۔ ایک سانحہ جو پچاس سال پہلے پیش آیا اور ہمارا ایک حصہ ہم سے جدا ہو گیا، دوسرا دسمبر 2014 میں آرمی پبلک اسکول میں پیش آنے والا دہشت گردی کا واقعہ جس میں معصوم بچوں کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

وقت کے ساتھ دنیا بدل گئی لیکن نہ ہم بدلے نہ ہماری سوچ میں کوئی تبدیلی آئی۔ نہ ہی ہمارے حالات بدلے ہیں، ایک بار خود فریبی سے نکل کر حقائق کو دیکھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی بے لوث، پرعزم اور شخصیت اور مخلص قیادت میں برصغیر کے مسلمان ایک علیحدہ نظریاتی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کی بنیاد کلمہ توحید پر تھی اور جو دنیا کی واحد نظریاتی ریاست تھی۔

25 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

سال نو نمبر.....قارئین سے سروے

جنوری کا شمارہ سال نو نمبر ہوگا۔ سال نو نمبر میں حسب روایت قارئین سے سروے شامل ہوگا۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ بھاگتے دوڑتے یہ سال بھی بیت گیا، خواب کون نہیں دیکھتا مگر زندگی کی برق رفتاری میں بہت سے خواب پورے نہیں ہو پاتے۔ آپ کا کوئی ایسا خواب جو اب بھی ادھورا ہے، کیا نئے برس میں اس کی تکمیل کا ارادہ ہے؟

2۔ زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہیں، کچھ ہماری زندگی میں ٹھہر جاتے ہیں۔ کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کچھ ایسے خوب صورت دن، جو ایک خوش گوار یاد بن کر ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں کہتے ہیں سرد شاموں اور خنک راتوں میں بیتے دن اور بچھڑے لوگ یاد آتے ہیں، آپ کو کیا یاد آتا ہے؟

3۔ گزرے سال کا کوئی تلخ تجربہ۔ کوئی زخم، کوئی ایسی تکلیف دہ بات جسے آپ بھول جانا چاہتی ہوں؟

ان سولات کے جواب اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 25 دسمبر تک موصول ہو جائیں۔

Digest Novels Lovers Group

URDU NOVELS MAG

ادارہ

کافی ہوجائیں گی

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رات کو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کو کافی ہوجائیں گی۔" (بخاری و مسلم)

بعض نے کہا ہے کہ "کافی ہوجائیں گی" کا مطلب ہے: اس رات کو ناپسندیدہ چیزوں سے اسے کافی ہوجائیں گی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیام اللیل سے کافی ہوجائیں گی۔ (یعنی یہ دونوں آیتیں قیام اللیل کے ثواب کو متضمن ہیں)

فوائد و مسائل:

(1) کافی ہوجانے کا مطلب ہے سرکش شیاطین کی شرارتوں وغیرہ سے انسان بچ جاتا ہے۔

(2) دوسرا مفہوم یہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے بھی دوسرا قول نقل فرمایا ہے کہ یہ دونوں آیات تہجد کے قائم مقام ہوجائیں گی۔ سورۃ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں آمن الرسول بما انزل الیہ سے آخر سورۃ تک ہیں۔

سورۃ بقرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔" (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں جس طرح مردے پڑے ہوتے ہیں اور کوئی عمل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اسی طرح اگر تم بھی گھروں میں نفل نماز اور تلاوت قرآن کا اہتمام نہیں کروگے تو تمہارے گھر بھی قبرستان اور تم خود مردوں کی طرح ہوجاؤ گے۔ علاوہ ازیں اس میں گھروں سے شیطان کو بھگانے کا نسخہ بھی بتلا دیا گیا ہے اور وہ ہے سورۃ بقرہ کی خصوصی تلاوت۔

آیت الکرسی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابو منذر! کیا تو جانتا ہے کہ تیرے پاس کتاب اللہ کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے (تیرے سینے میں محفوظ ہے؟)"

میں نے کہا: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "ابو منذر! تجھے علم مبارک ہو (قرآن کی عظیم ترین آیت معلوم ہونے کا علم۔) (مسلم)

فوائد و مسائل:

(1) اللہ لا الہ الا ھو سے مراد پوری آیت الکرسی ہے۔ اس میں اللہ کی صفات جلیلہ اور قدرت عظیمہ کا بیان ہے، اس لیے اس آیت کی بڑی فضیلت ہے۔

(2) علم مبارک ہو، کا مطلب ہے: تیرے لیے نافع اور عزت و سرفرازی کا باعث ہو۔ اس علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے جو یقیناً دنیا و آخرت میں سرخ روئی کا باعث ہے۔

(3) اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد اگر سوال کا جواب درست دے تو اسے دعا دینے کے ساتھ ساتھ

اس کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔

حفاظت کرنے والی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان (صدقہ) کی حفاظت میرے سپرد کی۔ چنانچہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور کھانے کے غلے میں سے لپ بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا:

"میں یقیناً تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

اس نے کہا: "میں ضرورت مند اور عیال دار ہوں، مجھے سخت ضرورت ہے۔"

چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی (تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابو ہریرہ! گزشتہ رات کو تیرے قیدی نے کیا کیا؟"

میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اس نے اپنی ضرورت مند اور عیال داری کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس نے تجھ سے جھوٹ بولا ہے اور وہ دوبارہ آئے گا۔"

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ وہ دوبارہ آئے گا، چنانچہ میں اس کے انتظار میں رہا۔ چنانچہ وہ آیا اور غلے میں سے لپ بھرنے لگا تو میں نے کہا:

"میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جاؤں گا۔"

اس نے کہا: "مجھے چھوڑ دے، میں ضرورت مند اور عیال دار ہوں میں آئندہ نہیں آؤں گا۔"

مجھے اس پر ترس آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"اے ابو ہریرہ! تیرے رات کے قیدی نے کیا کیا؟"

میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اس نے حاجت اور عیال داری کی شکایت کی تو مجھے اس پر ترس آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس نے تجھ سے جھوٹ بولا ہے اور وہ پھر آئے گا۔"

میں تیسری مرتبہ اس کے انتظار میں رہا۔ چنانچہ وہ آیا اور غلے میں سے لپ بھرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا:

"میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ تیرا یہ آنا تیسری مرتبہ ہے۔ تو (ہر مرتبہ) یہی کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا اور پھر آ جاتا ہے۔"

اس نے کہا: "مجھے چھوڑ دے، میں تجھے چند کلمات سکھا دیتا ہوں، ان کے ذریعے سے اللہ تجھے فائدہ پہنچائے گا۔"

میں نے کہا: "وہ کیا کلمات ہیں؟"

اس نے کہا: "جب تو اپنے بستر کی طرف قرار پکڑے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کر، (اس کی وجہ سے) صبح تک تجھ پر اللہ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہے اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔"

تو میں نے (پھر) اسے چھوڑ دیا۔

چنانچہ جب میں نے (اللہ کے فضل سے) صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"تیرے رات کے قیدی نے کیا کیا؟"

میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اس نے مجھے یہ یقین دلایا کہ وہ مجھے ایسے کلمات سکھلائے گا جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ پہنچائے گا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "وہ کلمات

کون سے ہیں؟''

میں نے عرض کیا: اس نے مجھ سے کہا: ''جب تو اپنے بستر کی طرف قرار پکڑے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کر۔ اول سے آخر تک اور اس نے (یہ بھی) کہا کہ اللہ کی طرف سے تجھ پر ایک نگران رہے گا اور صبح تک شیطان ہرگز تیرے قریب نہیں آئے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آگاہ رہو! یقیناً اس نے سچ کہا حالانکہ وہ خود بڑا جھوٹا ہے۔ اے ابوہریرہ! تو جانتا ہے تین راتوں سے تو کس سے مخاطب رہا ہے؟''

میں نے کہا: ''نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شیطان تھا۔'' (بخاری)

فائدہ:

دونوں ہتھیلیوں سے کسی چیز کو سمیٹنا اور لینا۔ اسے لپ بھرنا کہتے ہیں۔ اس آیت میں آیت الکرسی کی فضیلت اور رات کو سوتے وقت پڑھنے کی ترغیب ہے۔

سورۃ کہف

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص سورۃ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرلے گا وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔''

اور ایک روایت میں ہے: ''سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں (یاد کرلے گا۔)'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

(1) دجال کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا۔ اسے اللہ تعالیٰ بعض خارق عادت امور پر قدرت دے گا جنہیں دیکھ کر بہت سے کمزور ایمان والے لوگ متزلزل ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ فتنہ بہت ہی سخت اور نہایت صبر آزما ہوگا، اسی لیے ہر پیغمبر نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا اور ہمارے پیغمبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو اس فتنے سے خبردار کیا ہے اور اس سے بچنے اور پناہ مانگنے کی تاکید و تلقین فرمائی ہے۔

(2) اس حدیث میں بھی دجال کے دام میں پھنسنے سے بچاؤ کے لیے نسخہ بتلایا گیا ہے۔

(3) سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات دونوں کو یاد کرنا اور صبح و شام ان کی تلاوت کرنا اس کام کے لیے مفید ہیں۔ تاہم شیخ البانی رحمتہ اللہ نے دوسری روایت کو شاذ اور پہلی روایت ہی کو محفوظ قرار دیا ہے۔ یعنی پہلی دس آیات کی تلاوت فتنہ دجال سے بچاؤ کے لیے مفید ہیں۔

سورۃ البقرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی۔ انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:

''یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا اور اس سے ایک فرشتہ اترا ہے۔''

حضرت جبریل نے فرمایا: ''یہ فرشتہ جو زمین پر اترا ہے آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ چنانچہ اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا اور کہا:

''آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کیے گئے۔ آپ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دیے گئے: (ایک) سورۃ فاتحہ اور (دوسرا) سورۃ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان میں سے جس ایک حرف کی بھی تلاوت کریں گے (مضمون کی مناسبت سے) وہ چیز آپ کو عطا کر دی جائے گی۔'' (مسلم)

فائدہ:

اس میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے آخری سورۃ تک کی فضیلت ہے۔ جو انہیں اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے وہ ہدایت و سعادت عطا فرما دے گا جن پر یہ آیات مشتمل ہیں۔

قرآن کریم پڑھنے کے لیے جمع ہونے کے استحباب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

digest library.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تکرار کرتے (یا درس دیتے) ہیں تو ان پر (اللہ کی طرف سے) سکینت (تسکین) نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

(1) ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کو درست دیتے ہیں۔ یعنی قرآنی علوم و معارف پر مذاکرہ و مباحثہ کرتے ہیں۔ دوسرا مفہوم ہے کہ قرآن مجید کا باہم دور کرتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کو قرآن کریم سناتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم ہی صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں ہی کام محمود و مستحسن ہیں اور اللہ کی خصوصی رحمت و رضامندی کا باعث بھی ہیں۔

(2) اس حدیث سے دور حاضر میں گھروں میں قرآن خوانی کرنے کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں درس و تدریس مراد ہے نہ کہ قرآن خوانی کیونکہ اس کا ثبوت سلف سے نہیں ملتا۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ثقیف اور بنی عقیل میں حلف کے ساتھ دوستی تھی تو ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو صحابیوں کو قید کر لیا اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ نے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور عضباء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی) کو بھی اس کے ساتھ پکڑا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور وہ بندھا ہوا تھا اس نے کہا۔

"یا محمد! یا محمد!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب گئے اور پوچھا کہ کیا کہتا ہے؟"

وہ بولا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کس قصور میں پکڑا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "بڑے قصور ہے اور میں نے تجھے تیرے دوست ثقیف کے قصور کے بدلے میں پکڑا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اس نے پھر پکارا۔ "یا محمد! یا محمد"

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہایت رحم دل اور مہربان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کی طرف لوٹے اور پوچھا کہ "کیا کہتا ہے۔"

وہ بولا۔ "میں مسلمان ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو اپنے کام کا مختار تھا۔ (یعنی گرفتار نہیں ہوا تھا) تو بالکل نجات پاتا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے تو اس نے پھر پکارا۔

"یا محمد، یا محمد!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئے اور پوچھا۔

"کیا کہتا ہے؟"

وہ بولا۔ "میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلائیے اور میں پیاسا ہوں، مجھے پانی پلائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ لے۔" (یعنی کھانا، پانی اس کو دیا)

پھر وہ ان دو شخصوں کے بدلے چھوڑ گیا جن کو ثقیف نے قید کر لیا تھا۔

خیر کامل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے اور انہیں اپنے باغوں میں سب سے زیادہ محبوب بیر حا باغ تھا جو کہ بالکل مسجد نبوی کے سامنے تھا اس کا پانی بہت عمدہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے۔ جب (سورۃ آل عمران آیت 92) نازل ہوئی۔

ترجمہ: "تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے، یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔"

تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک تم اپنی پیاری چیز خرچ نہیں کرو گے۔ اس وقت تک تم نیکی کے کمال کو نہیں پہنچ سکتے اور مجھے اپنے سارے مال میں سے سب سے زیادہ محبوب بیرحا باغ ہے۔ میں اسے اللہ کے لیے صدقہ کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی پر مجھے جنت عطا فرمائیں گے اور اس کے اجر کو میرے لیے ذخیرہ بنا کر رکھیں گے جو مجھے قیامت کے دن کام آئے گا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مناسب سمجھیں، اسے خرچ فرما دیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: "واہ واہ! یہ بڑے نفع والا مال ہے۔ یہ بڑے نفع والا مال ہے۔"
(اخرجہ الشیخان کذا فی الترغیب ۲/۱۴۰)

بخاری میں اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔"
حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کروں گا۔"
چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔
"جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ایک گھوڑی لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا نام سبلہ تھا اور انہیں اپنے مال میں سے کوئی چیز اس گھوڑی سے زیادہ محبوب نہیں تھی۔ عرض کیا۔
"یہ گھوڑی اللہ کے لیے صدقہ ہے۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما کر ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواری کے لیے دے دی (حضرت زید بن حارثہ کو یہ اچھا نہ لگا کہ ان کی صدقہ کی ہوئی گھوڑی ان کے بیٹے کو مل گئی (یوں صدقہ کی ہوئی چیز اپنے ہی گھر واپس آ گئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ناگواری کا اثر ان کے چہرے پر محسوس فرمایا تو ارشاد فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ تمہارے اس صدقہ کو قبول کر چکے ہیں (لہٰذا اب یہ گھوڑی جسے بھی مل جائے، تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی)
(اخرجہ سعید بن منصور عبد بن المنثور ۲/۵۰)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک شخص کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک گھوڑا دے دیا، چنانچہ جس کے پاس وہ تھا۔ اس نے اسے ضائع کر دیا (اس کی دیکھ بھال نہیں کی۔) میں نے اسے اس سے خریدنے کا ارادہ کیا اور میرا خیال تھا کہ وہ اسے معمولی سی قیمت پر بیچ دے گا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کی بابت) پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ "اسے نہ خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو۔"
اگر وہ تمہیں ایک درہم میں دے دے، اس لیے کہ اپنا صدقہ واپس لینے والا شخص کی طرح ہے جو اپنے قے کو چاٹتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:
اس سے معلوم ہوا کہ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کو قیمتاً خرید کر بھی واپس لینا جائز نہیں۔

شہرت کے لیے لباس پہننا (گناہ ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ پھر اس میں آگ بھڑکا دے گا۔"

☆☆

URDU NOVELS MAG

باندھ سہرا کر شادی

انشا جی

ایران میں آذربائیجان کے گورنر نے منادی کرادی ہے کہ ملک بادشاہ کا، خلقت خدا کی اور حکم میرا۔ آج کے بعد سے ان پڑھ کو دلہن نہیں ملے گی۔ اگر کوئی شخص ناخواندہ ہے تو بیوی کی طرف سے بھی درماندہ رہے گا۔

ہمیں معلوم نہیں یہ حکم کس نیت سے جاری کیا گیا ہے۔ نیت نیک ہی ہوگی لیکن ہمیں تو پڑھ کر کرشن چندر کی کہانی ''بدصورت راجکماری'' یاد آئی۔ کہانی کی ہیروئن لاڈوں پلی راجکماری ویسے تو گنوں کی گتھلی تھی، پانچ انگلیاں پانچوں چراغ۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ شکل وصورت میں بس آدمی کا بچہ تھی۔ بڑا بڑا راجکمار ہمہ تن اشتیاق تھا اور راجکماری کے رخ زیبا کی ایک جھلک دیکھ کر پہلی گاڑی یا پہلی رتھ یا پہلے گھوڑے سے واپس چلا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ضرورت رشتہ کا اشتہار دینے کا رواج نہ تھا، کیونکہ اخبار ہی نہ تھے۔ لہٰذا یا تو عقل کے اندھے گانٹھ کے پورے راجکمار طوطے مینا سے یا کسی آتے جاتے سے کسی راجکماری کے حسن کا شہرہ سن کر غائبانہ عاشق ہوجایا کرتے تھے یا راجے مہاراجے سوئمبر رچایا کرتے تھے اور یاران نکتہ داں کو صلائے عام دیا کرتے تھے۔ شاید سیتا کا سوئمبر تھا جس میں یہ شرط تھی کہ جو شخص نیچے پانی میں عکس دیکھ کر اوپر گھومتی ہوئی مچھلی کی آنکھ میں تیر مارے گا، اسے سیتا کا ڈولا اٹھانا ہوگا۔ رام جی نے آگے چل کر اپنی زندگی میں اور کوئی تیر مارا یا نہ مارا، اس امتحان میں ضرور پاس ہوگئے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں راجکماروں کو مداری کے کرتب بھی سیکھنے پڑتے تھے۔ سیدھی سیدھی شمشیر زنی اور گھوڑے کی سواری کافی نہ تھی۔

خیر ہم کہانی کہتے کہتے پٹری سے اتر گئے۔ ہاں تو ان راجکماری صاحبہ کے ابا حضور یعنی راجہ صاحب نے بھی بیٹی کا سوئمبر رچایا۔ امیدوار کو ایک سوال کا جواب دینا ہوتا تھا اور گھوڑے کی سواری کرکے دکھانا ہوتا تھا۔ بہت سے لوگ جنہوں نے شہزادی کی جھلک دیکھ لی تھی، انٹرویو میں آئے ہی نہیں۔ ایک بے چارہ تاب گریختن نہ رکھتا تھا۔ پکڑا آیا۔ راجہ جی کے مہامنتری نے اس سے سوال پوچھا کہ ''وہ کون سا جانور ہے جس کی ایک دم اور چار ٹانگیں ہیں اور جو بھونکتا ہے؟'' امیدوار، جس کی نظروں میں راجکماری کا جمال جہاں افروز بسا ہوا تھا بہت دیر سوچ کر بولا۔ ''کبوتر۔''

درباریوں نے جو شہزادی سے گلوخاصی کرانے پر تلے ہوئے تھے، واہ واہ، سبحان اللہ کے ڈونگرے

digestlibrary.com
URDU NOVELS MAG

برسائے۔ اب اس غریب نے گھوڑے پر چڑھتے وقت دانستہ نیچے گرنے کی کوشش کی لیکن درباریوں نے اٹھا کر کاٹھی پر بٹھادیا بلکہ باندھ دیا۔ وہ بھی ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہنے کی کوشش کررہا تھا لیکن شادیانے اس زور سے بجنے شروع ہوگئے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

لوگ اپنی شخصی آزادی کے تحفظ کے لیے کیا کیا نہیں کرتے اور اب شادی کی ہتھکڑیوں، بیڑیوں سے بچنے کے لیے کیا کیا نہ کریں گے۔ یہاں پھر ہمیں ایک قصہ یاد آتا ہے۔ ایک ماسٹر جی دو بچوں کو حساب پڑھایا کرتے تھے۔ بہت کوشش کی لیکن ان برخورداروں کو تعلیم کی جونک نہ لگی۔ ایک روز ماسٹر جی نے چھوٹی بچی سے کہا کہ یہ بتاؤ اگر تمہارے ابا بازار سے دس سیب لے کر آئیں اور چار خود کھالیں تو باقی کتنے بچے؟ بچی منہ کھولنے کو تھی کہ بڑے بھیا بولے۔

''مت بتانا، مت بتانا۔ ماسٹر جی اس بہانے تمہیں حساب سکھادیں گے۔''

لہٰذا ہماری تصور کی آنکھیں یہ منظر دیکھتی ہیں کہ آذربائیجان میں پڑھے لکھوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی ہے کہ چلو باندھو سہرا، کرو شادی۔ تمہاری یہی سزا ہے۔ لوگ ہزار عذر کرتے ہیں کوئی مسموع نہیں ہوتا۔

ایک پروفیسر پکڑے جاتے ہیں۔ فرد جرم لگتی ہے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور شادی نہیں کرتا۔ وہ بے چارا صفائی پیش کرتا ہے کہ جناب میں تو فٹ پاتھ کا پروفیسر ہوں، فلسفہ نہیں پڑھاتا۔ نمیرے کا سرمہ بیچتا ہوں اور پڑھنے کے نام سے انگوٹھا لگاتا ہوں۔ ان کے بعد ایک اخبار نویس کی پیشی ہوئی ہے۔ وہ بھی اپنی جان بچانے کو عذر کرتا ہے کہ حضور اخبار نویسی تو مشینی کام ہے۔ آپ سے کس نے کہا کہ اس کے لیے پڑھا لکھا ہونے کی قید ہے۔ عذر معقول تھا لہٰذا یہ چھوٹے۔ اب ایک اسکول ماسٹر لائے گئے اور ان سے ایک عبارت پڑھنے کو کہا گیا۔ انہوں نے کتاب الٹی پکڑی اور آنکھیں جھپک کر کہنے لگے کہ ''جناب، بے گناہ پکڑا آیا ہوں۔ میں تو بالکل کندہ ناتراش ہوں۔ پڑھا لکھا ہوتا تو اسکول ماسٹری کیوں کرتا۔ دنیا میں اور کوئی کام نہیں کیا؟''

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ لوگ شادی سے اسی طرح بھاگنے لگے جس طرح امریکا میں ویت نام کے لیے بھرتی ہونے سے بھاگتے ہیں۔ تو کیا عجب جابجا ناخواندگی پھیلانے کے مدرسے قائم ہوجائیں جن میں لوگوں کو ان پڑھ بننا سکھایا جائے۔ ان کے ذہن سے کھرچ کھرچ کر تمام علم نکالا جائے۔ یہ بات ناممکن نہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ جو ڈگری اور نوکری پانے کے بعد کتاب اور اخبار کے سائے سے بھی بھاگتے ہیں اور ہمارے کالم تک بیویوں سے پڑھوا کر سنتے ہیں، ایسے ہی ہوجاتے ہیں۔

ہم آذربائیجان کے گورنر کی خدمت میں عرض کریں گے کہ بھائی جان، اتنی سختی مت برتیے۔ پڑھے لکھوں کے لیے کوئی نرم تر سزا مثلاً خالی سزائے قید تجویز کیجیے، بامشقت کی شرط نہ رکھیے۔ وہ چاہیں تو شادی کریں، چاہے نہ کریں۔ زبردستی نہ کیجیے ورنہ کوئی دن میں آپ کے صوبے میں ایک بھی آدمی پڑھا لکھا نہ ملے گا اور آپ کو خط پڑھوانے کے لیے ہمارے پاس آنا پڑا کرے گا۔

معروف اداکار

علی عباس سے باتیں

شاہین رشید

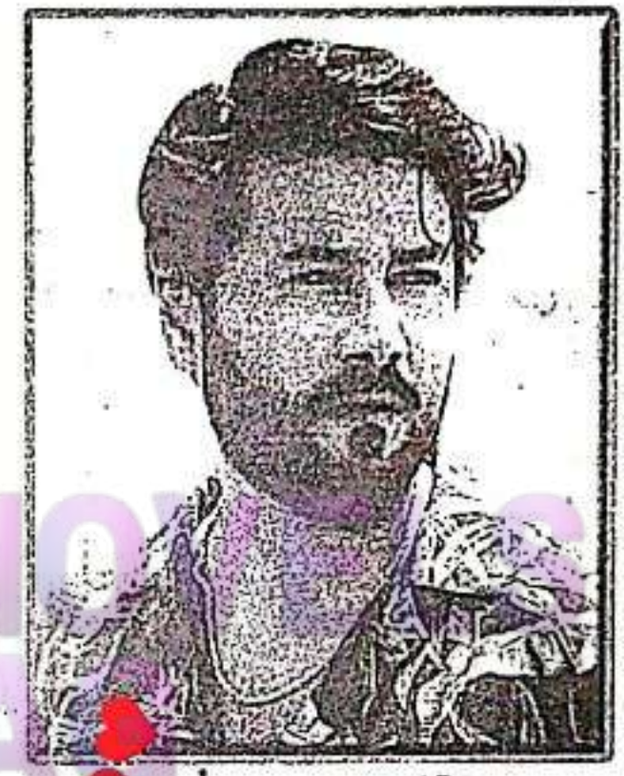

1۔ ''اصلی نام؟''
''علی عباس''
2۔ ''پیار سے پکارتے ہیں؟''
''بنٹی''
3۔ ''تاریخ پیدائش/شہر؟''
''11 فروری 1986 / لاہور''
4۔ ''قد/ستارہ؟''
''پانچ فٹ دس انچ/ دلو''
5۔ ''بہن بھائی/ آپ کا نمبر؟''
''دو بہنیں اور ایک بھائی۔/ میرا نمبر پہلا ہے۔''
6۔ ''تعلیمی قابلیت؟''
''ایل ایل بی/ سی ایس ایس اور کچھ کورسز'' این سی اے'' سے کیے۔''
7۔ ''شادی؟''
''الحمدللہ ہو چکی ہے۔''
8۔ ''آج کل کیا آن ایئر ہے؟''
''آفت'' ''وہ ضدی سی'' آن ایئر ہے۔''
9۔ ''فیلڈ میں کس نے متعارف کرایا؟''
''میرے ٹیلنٹ نے۔''
10۔ ''آپ کے علاوہ کون ہے اس فیلڈ میں؟''
''میرے والد صاحب'' وسیم عباس۔''
11۔ ''فیلڈ میں آئے ہوئے کتنے سال ہو گئے؟''
''اب تو کافی سال ہو گئے ہیں..... تقریباً سولہ سترہ سال تو ہو ہی گئے ہیں۔''
12۔ ''فیلڈ کی خاص بات جو یاد ہے؟''
''بہت سی باتیں ہیں جو یاد ہیں..... کسی ایک کے بارے میں تو کچھ نہیں بتا سکتا۔''
13۔ ''پریکٹیکل لائف میں آئے تو کیا کمایا؟''
''مجھے یاد ہے فیصل رحمٰن کو اسسٹ کیا تھا..... پانچ ہزار دو دن کے ملے تھے..... دو ہزار والدہ کے ہاتھ میں رکھے اور تین ہزار سے اپنے لیے شاپنگ کر لی۔''
14۔ ''گھر میں کس کا حکم نہیں ٹال سکتے؟''
''اپنے والد صاحب کا۔''
15۔ ''شوبز کی بڑی برائی؟''
''اس معاشرے کے ہر ادارے میں برائیاں ہیں..... صرف شوبز کا ہی ذکر کیوں؟''
16۔ ''کیونکہ آپ اس سے وابستہ ہیں؟''
''شوبز کے فنکاروں کو لوگ پسند بہت کرتے

URDU NOVELS
digest library.com

ہیں۔ مگر دل سے قبول نہیں کرتے۔"

17۔ "کون سے تہوار اہتمام سے مناتے ہیں؟"

"اب وہ دور ہی کہاں رہا ہے اہتمام سے تہوار منانے کا۔ پہلے شب برات دھوم دھام سے مناتے تھے اب نہیں۔ بسنت کا اہتمام ہوتا ہے اب یہ تہوار ہوتا نہیں۔ اب تو عید کا بھی چارم پہلے جیسا نہیں رہا۔"

18۔ "آنکھ کھلتے ہی دل چاہتا ہے؟"

"کہ آنکھیں بند کرکے دوبارہ سوجاؤں ہاہاہا۔"

19۔ "صبح کب ہوتی ہے آپ کی؟"

"عموماً" آٹھ ساڑھے آٹھ بجے..... اور اس طرح رات بھی میں دیر تک نہیں جاگ سکتا..... تھکن بہت ہوجاتی ہے۔"

20۔ "وقت پر کھانا نہ ملے تو؟"

"طبیعت میں چڑچڑا پن آجاتا ہے اور غصہ بھی۔"

21۔ "دوستوں کا حلقہ وسیع ہے یا لیے دیے رہتے ہیں؟"

"میں لیے دیے ہی رہتا ہوں..... میرے زیادہ دوست نہیں ہیں اور نہ ہی ڈھیر سارے دوست بنانے کا شوق ہے۔"

22۔ "تھکن دور کرنے کے لیے کہاں جاتے ہیں؟"

"کہیں نہیں..... تھکن میں اپنا کمرہ بہت سکون دیتا ہے۔"

23۔ "مطالعے کا شوق ہے؟"

"جی بالکل ہے..... تمام اچھے ادیبوں کو پڑھتا ہوں۔"

24۔ "آج کل آپ کا ایک ڈرامہ وہ ضدی سی آن ایر ہے۔ آپ بچپن میں کیسے تھے؟"

"میں ضدی تھا مگر پوزیٹو وے میں نیگٹو نہیں اور پوزیٹو ضد آپ کو بہت کامیاب کرتی ہے۔"

25۔ "اپنی اچھی عادت جس پر شکر کرتے ہیں۔"

"ویسے تو سب ہی اچھی عادتوں پر شکر کرنا چاہیے..... مگر مجھ میں یہ کوالٹی بھی ہے کہ میں "ضبط" بہت کرتا ہوں۔ یعنی کنٹرول کرنے کی عادت ہے۔"

26۔ "اچھی بری خبر پہلے کس کو سناتے ہیں؟"

"اپنے ابا کو۔"

27۔ "غصہ آئے تو؟"

"چلاتا بہت ہوں۔"

28۔ "خدا کی حسین تخلیق؟"

"عورت..... خواہ وہ ماں ہو، بہن ہو یا بیوی۔"

29۔ "گھر میں کس کا غصہ تیز ہے؟"

"ابا" کا۔"

30۔ "زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟"

"الحمدللہ..... اللہ نے بہت دیا ہے..... اچھی بیوی، اچھی اولاد، ڈھیر ساری کامیابیاں..... بہن بھائی ماں باپ..... بہت کچھ۔"

31۔ "کون سا ملک بہت پسند ہے؟"

"آسٹریلیا..... بہت پسند ہے....."

32۔ "شاپنگ انجوائے کرتے ہیں؟"

"بالکل..... سچ بتاؤں..... فیملی کے لیے شاپنگ کرکے بہت خوشی ہوتی ہے لیکن اپنے لیے ونڈو شاپنگ کرتا ہوں مطلب زیادہ تر۔"

33۔ "تعریف تو سب ہی پسند کرتے ہیں تنقید کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سچ پوچھیں تو مجھے تعریف سے زیادہ تنقید پسند ہے کیونکہ تنقید سے آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔"

34۔ "فضول خرچ ہیں؟"

"مجھے آپ درمیانہ کہہ سکتی ہیں۔ کنجوس نہیں ہوں، فضول بھی نہیں ہوں۔"

35۔ "آج کے لیے زیادہ سوچتے ہیں یا کل کے لیے؟"

URDU NOVELS MAG

digest library.com

"آج کی فکر تو ہوتی ہی ہے مگر آنے والے کل سے بھی غافل نہیں ہوتا۔"

36۔ "چھٹی کا دن کہاں گزارتے ہیں؟"

"اپنے بستر پر..... اور بیدار ہونے کے بعد اونگھنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔"

37۔ "ٹی وی پروگراموں میں کیا پسند ہے؟"

"بہت سی چیزیں پسند ہیں۔ ڈرامے بہت شوق سے دیکھتا ہوں اور ان سے بہت کچھ سیکھتا بھی ہوں۔"

38۔ "کون سا سیاست دان پسند ہے؟"

"کوئی بھی نہیں..... بلکہ میرا بس چلے تو سارے سیاست دانوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بیچ دریا میں چھوڑ آؤں بلکہ ڈبو آؤں۔"

39۔ "گھر میں سکون ملتا ہے یا دوستوں میں؟"

"گھر میں اور وہ بھی اپنے کمرے میں۔ میں نے زیادہ دوست نہیں بنائے۔"

40۔ "ایس ایم ایس کا فوری ریپلائی کس کو کرتے ہیں؟"

"اپنی بیگم کو۔"

41۔ "چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"بالکل ہے..... اپنے لیے تو جوتے جمع کرتا ہوں۔"

42۔ "بزرگوں کی نصیحت جو اچھی لگتی ہے؟"

"اپنا خیال رکھا کرو۔"

43۔ "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں..... ایسا ہے....."

"جی بالکل ایسا ہے..... بہت کوشش کرتا ہوں کہ وقت پر پہنچ جاؤں مگر دیر ہو ہی جاتی ہے۔"

44۔ "کیا گھر میں اہتمام کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں؟"

"بالکل..... اپنے بیڈ پر بیٹھ کر مزے لے لے کر کھانا کھاتا ہوں۔"

45۔ "اپنے لیے کس چیز کی خریداری زیادہ کرتے ہیں؟"

"جوتوں کی۔"

46۔ "سوشل میڈیا سے لگاؤ۔"

"بہت زیادہ نہیں ہے صرف ضرورت کے تحت استعمال کرتا ہوں۔"

47۔ "ایک خواہش جس کے خواب دیکھتا ہوں؟"

"کہ اپنے بچوں کو بہت اعلا تعلیم دلواؤں۔"

48۔ "کھانے کس طرح کے پسند ہیں؟"

"دیسی..... بہت لذت ہوتی ہے اپنے کھانوں میں۔"

49۔ "آپ کیا کچھ پکا لیتے ہیں؟"

"ہاہاہا..... کچھ بھی نہیں۔"

50۔ "دل کس کا نرم ہوتا ہے عورت کا یا مرد کا؟"

"میرے خیال میں مرد کا۔"

51۔ "صحت کے معاملے میں کانشیس ہیں؟"

"بہت زیادہ..... بیماری سے ڈرتا ہوں۔"

52۔ "محبت کے بارے میں آپ کی رائے؟"

"اس کا جو محاورہ مشہور ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے؟"

53۔ "افسوس ہوتا ہے؟"

"جب کوئی محنت و جدوجہد کو تسلیم نہ کرے۔"

54۔ "شادی انجوائے کرتے ہیں؟"

"شادی میں ہونے والی رسمیں مجھے پسند نہیں..... میں ان کے خلاف ہوں اس لیے اکثر شریک نہیں ہوتا۔"

55۔ "گفٹ میں کیا دیتے ہیں لفافہ یا بکس؟"

"میں کیش دینے کا قائل ہوں۔ اور اگر تحفہ دینا ہو تو پھر پوچھ کر دیتا ہوں۔"

56۔ "کون سا ملک بہت اچھا لگتا ہے؟"

☆

"سوئزر لینڈ۔"

57۔ "ناشتا پسند ہے؟"

"بیگم کے ہاتھ کا۔"

58۔ "کس تاریخی شخصیت سے ملنے کی خواہش ہے؟"

"سعادت علی منٹو۔"

59۔ "گھر سے نکلتے وقت کیا چیزیں لازمی لے کر نکلتے ہیں؟"

"گھڑی، والٹ اور فون۔"

60۔ "فون نمبر کتنی بار تبدیل کیا؟"

"نہیں تبدیل کیا...... مگر سب کو دیتا بھی نہیں ہوں۔"

61۔ "خوشی کا اظہار آسانی سے کر لیتے ہیں؟"

"بالکل بہت آسانی سے...... بہت خوشی کے ساتھ...... مگر لوگ ذرا ایسے موقع پر ریزرو رہتے ہیں...... پتا نہیں کیوں؟"

62۔ "کیا سوری کرنا آسان ہے؟"

"اگر آپ سے کچھ غلط ہو گیا ہے تو سوری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

63۔ "دل صحیح مشورہ دیتا ہے یا دماغ؟"

"میرا تو دل اچھے مشورے دیتا ہے۔"

64۔ "اکثر نقصان اٹھاتے ہیں؟"

"سچ بول کر......"

65۔ "کب کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں؟"

"جب بہت غصے میں ہوتا ہوں۔"

66۔ "ٹی وی کا کون سا پروگرام بند ہو جانا چاہیے؟"

"میرے خیال سے ٹی وی کے مارننگ شو بند ہو جانے چاہئیں۔"

67۔ "کبھی شہرت نے پریشان کیا؟"

"نہیں کبھی نہیں...... لیکن اگر آپ لوگوں سے چھپیں گے کہ ہائے کوئی دیکھ نہ لے تو پھر شہرت آپ

کے لیے مسئلہ بن جائے گی۔"

68۔ "اپنے سرہانے کیا کیا چیزیں رکھتے ہیں؟"

"کوئی خاص نہیں صرف والٹ اور فون۔"

69۔ "نیند جلدی آ جاتی ہے؟"

"ارے نہیں...... کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"

70۔ "کس چیز کے بغیر کھانا نامکمل لگتا ہے؟"

"ہری مرچ کے بغیر۔"

71۔ "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"

"کوئی بات نہیں آسانی سے اٹھ جاتا ہوں۔"

72۔ "اپنی شخصیت میں کیا تبدیلی لانا چاہتے ہیں؟"

"میں اپنے غصے کو کم کرنا چاہتا ہوں۔"

73۔ "گھر آ کر پہلا کام؟"

"بچوں سے ملتا ہوں۔"

74۔ "اگر موبائل کی سہولت چھین لی جائے تو؟"

"سکون تو آ جائے گا...... مگر مشکل بھی ہو گی۔"

75۔ "اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟"

"اللہ نہ کرے...... آئے گا تو دیکھیں گے۔"

☆☆

URDU NOVELS MAG

URDU NOVELS MAG
digest library.com

معروف مصنفہ

نعیمہ ناز سے ملاقات

شاہین رشید

یوں تو ہر مصنف کا اپنا ایک اسلوب اور اپنا انداز بیاں ہوتا ہے لیکن نعیمہ ناز کی تحریریں اس لحاظ سے سب سے منفرد مقام رکھتی ہیں کہ جو بامحاورہ زبان وہ لکھتی ہیں، وہ لکھنے والے بھی اب خال خال ہی رہ گئے اور بولنے والے بھی۔ ان کی تحریریں جس خاص تہذیب کی نمائندہ ہیں وہ بھی اب کم کم گھرانوں میں نظر آتی ہے۔ شرافت وضع داری، شائستگی، لحاظ، مروت، رشتوں کا پاس اور بزرگوں کا احترام نعیمہ کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔

وہ تہذیب اور کلچر تیزی سے غائب ہو رہا ہے۔

وہ عام طور پر معاشرتی موضوعات پر لکھتی ہیں لیکن کچھ کہانیاں جو انہوں نے تاریخ کے پس منظر میں لکھی ہیں۔ اس میں ان کا فن عروج پہ نظر آتا ہے۔

نعیمہ ناز کی ایک خاص بات جو بہت کم نظر آتی ہے۔ وہ ان کی شخصیت ہے ان کی شخصیت میں وہی بے ساختگی، سادگی اور سچائی ہے جو ان کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ ہر طرح کی بناوٹ اور تصنع سے بے نیاز، وہ جب بھی ملتی ہیں، مل کر پہلے سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔

"کیا حال ہیں؟"

"الحمدللہ۔"

"نعیمہ ناز..... آپ کے نام کا کوئی بیک گراؤنڈ ہے تو بتایئے؟"

"میرے نام کا کوئی ایسا بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ اور یقیناً میرا یہ نام میرے اماں ابا میں سے کسی نے رکھا ہوگا۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے نام کے ساتھ "ناز" کس نے لگایا۔ کیوں لگا لیا ..... میرے چچا کی فیملی بھی ہمارے ساتھ ہی رہتی تھی تو ان کی بیٹیوں کے نام کے ساتھ بھی "ناز" لگا ہوا تھا۔ تو شاید اس لیے میرے نام کے ساتھ بھی "ناز" لگا لیا ہوگا۔ ہاں میری جو دو بڑی بہنیں ہیں جن میں ایک کا نام نسیمہ ہے اور دوسری کا راحت سیما ہے ان کے نام کے ساتھ "ناز" نہیں ہے۔

تو جناب نعیمہ میرا نام جو کہ شادی کے بعد نعیمہ ناز سلطان ہو گیا تو کبھی پورا نام لکھ لیتی ہوں تو کبھی صرف نعیمہ ناز ہی لکھتی ہوں۔"

"آج کل آپ کی مصروفیات؟"

"آج کل کی مصروفیات تو شاعر کے حوالے سے کہوں گی کہ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ میں شادی شدہ ہوں اور میری تین بیٹیاں ہیں ماشاءاللہ جو بالترتیب چودہ، بارہ، اور دس سال کی ہیں۔ چھوٹا سا کنبہ ہم میاں بیوی، بچے اور میرے سسر..... چھ افراد کا کنبہ ہے ہمارا..... تو بس صبح سے شام تک گھر کے کاموں میں ہی مصروف رہتی ہوں۔ میری کوئی ہیلپر نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے یہاں رواج ہے۔ لہٰذا سارے کام خود ہی کرتی ہوں۔ البتہ بیٹیاں اب مدد کروا دیتی ہیں۔ سسر صاحب تھوڑا بیمار رہتے ہیں تو ان کی تیمارداری میں بھی مصروف رہتی ہوں۔"

"فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟"

"میرا تعلق پورے برصغیر سے ہے۔ میری اماں بنگلہ دیش کی ہیں۔ اور ابا انڈیا سے آئے تھے اور اماں ابا کی اولادیں، پاکستان میں پیدا ہوئیں۔ اماں مشرقی پاکستان کے ضلع ہیمن سنگھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا چاند پور، اس گاؤں میں بھی جا چکی ہوں۔ اس گاؤں سے میری اماں میرے ماموں کے ساتھ 1951 یا 52 میں کراچی آئی تھیں۔ اس وقت اماں خاصی چھوٹی تھیں اور پڑھنے کے شوق میں کراچی آئی تھیں۔ ابا میرٹھ کے ایک گاؤں حسن پور سے آئے

تھے اور ابا 1948 میں آئے تھے کہ قائد اعظم کا پاکستان دیکھنا ہے۔ وہ پاکستان آکر اپنی بہن کے پاس رہے جو کہ پنجاب میں تھیں۔

پھر ابا نے پورا پاکستان دیکھا اور جب وہ واپس لاہور آئے تو وہاں دادی کے ماموں رہتے تھے وہ حکیم تھے اور حکیم یامین کے نام سے مشہور تھے ان کی ایک ہی بیٹی تھی اور اس کی شادی کے لیے انہیں ''حسن پور'' کا لڑکا چاہیے تھا۔ تو ابا کو جب پتا چلا تو وہ کراچی آگئے کہ میں کسی کا گھر داماد نہیں بنوں گا۔

خیر اماں، ابا اپنی ہجرت کی اور دیگر باتیں بتاتے رہتے تھے تو میں نے ان پر ایک کتاب لکھی ہے جو تکمیل کے مراحل میں ہے۔ 1958 میں ابا کی شادی ہوئی۔ اور اسی اکلوتی لڑکی سے جس سے بھاگ کر کراچی آئے تھے۔

شادی بہت سادگی کے ساتھ ہوئی۔

والد صاحب میں ''حسن مزاح'' بہت تھا اور بہت زندہ دل تھے ان کی ذات سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ جبکہ اماں حساس اور سنجیدہ مزاج کی تھیں اور مذہبی رجحان رکھتی تھیں۔ ننھیال اور ددھیال دونوں خاندانوں میں میری اماں واحد خاتون تھیں جنہیں پڑھنے کا شوق تھا۔ شادی سے پہلے انہیں پڑھنا لکھنا نہیں آتا تھا، وہ بنگلہ زبان جانتی تھیں۔

اردو بولنا انہوں نے سیکھ لیا تھا اور شادی کے بعد انہوں نے ابا سے اور دادی سے کہا کہ میں نے قرآن پاک دہرانا ہے تو دادی نے ،ایک امام صاحب کو کہا تو وہ اماں کا قرآن پاک سنتے تھے تو پھر اماں نے ان سے کہا کہ مجھے اردو پڑھنا بھی سکھائیں۔

اماں کے پاس مولانا اشرف علی تھانوی کا قرآن پاک تھا جس میں شروع میں اردو میں تفسیر لکھی ہوئی تھی تو ان سے اماں نے اردو پڑھنا اور تھوڑا بہت لکھنا بھی سیکھ لیا۔

اماں کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اس زمانے میں شاید 1962ء میں ریڈیو سے شاہنامہ اسلام سنا انہیں شوق ہوا پڑھنے کا تو ابا نے انہیں ''شاہنامہ اسلام'' لاکر دیا۔ اماں ابا کی کتابوں کا سارا خزانہ میرے پاس آج تک محفوظ ہے۔ تو پڑھنے لکھنے کا شوق اماں کی طرف سے آیا ہے۔

اماں ابا کی اتنی ساری باتیں کہ میں بتاتے بتاتے تھک جاؤں گی مگر باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ ابا نے پی آئی اے میں بھی جاب کی اور اس جاب کی بدولت وہ اماں کو بنگلہ دیش تین چار بار لے گئے اور ایک بار تو میں بھی جا چکی ہوں، وہاں کی بھی بہت یادیں ہیں میرے دل میں۔ ان شاء اللہ آپ کو بتاؤں گی۔''

''بچپن کیسا گزرا؟''

''میں بچپن میں بہت شرارتی، بہت کھلنڈری اور بہت باتونی تھی۔ سکھڑ میں کبھی بھی نہیں تھی اور آج بھی نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ سے زیادہ سکھڑ تو میرے میاں ہیں۔ زیادہ صفائی پسند، زیادہ نفاست پسند۔

کھیل کود بہت کیا، چچا کی فیملی بھی ہمارے ساتھ تھی اور ان کی ماشاء اللہ سات بیٹیاں تھیں اور ہمارے سامنے جو فیملی تھی ان سے بھی رشتے داری تھی تو خوب کھیل کود ہلا گلا رہتا تھا، میری شرارت یہ ہوتی تھی کہ میں اپنے گھر کی چھت پر بڑے آرام سے چڑھ جاتی تھی دیواروں پر چڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ اور ہاں درخت پر بھی بہت آرام سے چڑھ جاتی تھی۔ البتہ ایسی کوئی شرارت نہیں کی جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو۔

ابا نے پی آئی سے ریٹائرمنٹ کے بعد، ایک چھوٹا سا جنرل اسٹور کھول لیا تھا، ہماری دکان یا جنرل اسٹور کے پیچھے مسجد تھی میں اور میری دیگر ساتھی دیوار کود کر مسجد کی سیڑھیوں پر کود کر مسجد کی چھت پر پہنچ جاتے تھے۔ میں نے لڑکوں کے ساتھ مل کر لڑکوں والے گیم کھیلے اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر لڑکیوں والے، کنچے، گلی ڈنڈا اور کرکٹ بھی خوب کھیلی۔ لڑکیوں کے ساتھ ''پٹھو گرم'' کوڑا جمال شاہی، برف

بازی، آنکھ مچولی اور اس وقت کے سارے مشہور گیم کھیلے۔

پڑھائی میں نارمل تھی اور انگریزی سب سے زیادہ مصیبت لگتی تھی، پانچویں جماعت تک جتنا پڑھا اس میں انگریزی کا کوئی نام ونشان نہیں تھا اور چھٹی کلاس سے انگریزی شروع ہوئی، نویں دسویں میں فزکس، کیمسٹری، میتھس اف سب بہت مشکل مضامین تھے۔ ہاں میری سہیلیاں اکثر کہتی تھیں کہ تم زندگی میں کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور انجام دوں گی۔

میرے والد کا نام سمیع اللہ خان تھا اور میری امی کا نام شادی سے پہلے لیلیٰ تھا، شادی کے بعد زاہدہ خاتون ہوگیا۔ گھر میں والدین سب سے زیادہ پیار کس سے کرتے تھے یہ تو پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ کیونکہ سب کے ساتھ مساوی سلوک ہوتا تھا۔ بھائی بڑے تھے اور ایک بہن تو ان کے ساتھ ایک الگ ہی سلوک تھا اور چھوٹی بہن کے ساتھ بھی ایسا کچھ نہیں تھا۔ ابا لڑکیوں کو کام نہیں کرنے دیتے تھے۔

میری باہر کی مصروفیات بہت تھیں، میں جماعت اسلامی کی کارکن تھی، میں اسکول میں بھی پڑھاتی تھی اور شام کو ایک اکیڈمی میں پڑھاتی تھی جماعت کے کام بھی کرتی رہتی تھی۔ چھوٹی بہن گھر کے کاموں میں ماہر تھی۔

ہمارے ابا کی گفتگو میں سیاسی ٹچ ضرور ہوا کرتا تھا، وہ سمجھاتے بھی تھے تو جب ایران عراق کی جنگ ہو رہی تھی تو کہتے تھے ہم دونوں بہنوں سے کہ ایک صدر بش اور دوسری ٹونی بلیئر بنی ہوئی ہو۔

بچپن سے ہی میرا دل بڑے بزرگوں کے ساتھ لگتا تھا اور میں ان سے ان کے بچپن کی باتیں شادی سے پہلے کی باتیں یعنی ان کے ماضی کے بارے میں کریدکرید کر پوچھا کرتی تھی۔ تو بس مجھے ان باتوں سے دلچسپی تھی مجھے اچھا لگتا تھا جو وہ باتیں بتایا کرتے تھے ان کا منظر میری آنکھوں میں ہوتا تھا۔

ابا کو ریڈیو پروگرام اور بی بی سی نیوز سننے کا بہت شوق تھا، وہ شام کے وقت ''فوجی بھائیوں کے لیے'' پروگرام ضرور سنا کرتے تھے۔ اس وقت تفریح کا واحد ذریعہ ریڈیو ہی ہوتا تھا اور بی بی سی تو بہت تیز آواز میں سنتے تھے۔ آدھا محلہ سن رہا ہوتا تھا۔ تو بس بڑی یادیں وابستہ ہیں ماضی کی۔''

''لکھنے کا شوق کب ہوا؟''

''ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق ہمیشہ سے رہا، میں نے ''سسپنس'' سب رنگ ڈائجسٹ اور جاسوسی ڈائجسٹ بہت پڑھے۔ الف لیلیٰ کی کہانیاں ''سندھ باد کا سفر'' ہمارے پڑوس میں ایک صاحب تھے جن کو ہم ماموں کہتے تھے، ان کی بیٹی کی اپنی لائبریری تھی تو تمام بڑے رائٹرز کی کتابیں موجود تھیں جو میں ان سے لے کر پڑھا کرتی تھی۔

شاعری سے بہت شغف رہا تو شاعری کی کتابیں پڑھیں اور پڑھنے کا شوق اس وقت ہوا جب میں نویں، دسویں جماعت کی طالبہ تھی عصمت چغتائی، قرۃ العین، اسد محمد خان، مستنصر حسین تارڑ اور عبدالستار قاضی کو بہت پڑھا۔ قدرت اللہ شہاب، بانو قدسیہ، اشفاق احمد کو بھی پڑھا۔ کسی کو چھوڑا نہیں میں نے۔

تو ان بڑے لوگوں کو پڑھ پڑھ کر ہی مجھے لکھنے کا شوق ہوا۔

اور جب میں نے لکھنا شروع کیا تو کسی سے چوری چھپے نہیں لکھا بلکہ سب کو معلوم تھا کہ مجھے پڑھنے کا اور لکھنے کا شوق ہے تو میری پھوپھو کہا کرتی تھیں کہ اپنی کہانیاں مجھے بھی سنایا کرو اور گھر میں سب میری کہانیاں پڑھتے ہیں، صرف بھائی لوگ نہیں پڑھتے، وہ دیکھ کر ہی خوش ہوجاتے ہیں اور مجھے اچھے اچھے مشورے دیتے ہیں کہ تم ڈرامے بھی لکھا کرو۔ میری ایک کزن ہیں ان کی نند مجھے بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور ہاں میری پہلی تحریر ''شعاع'' میں شائع ہوئی تھی۔ وہ ناولٹ تھا اور اس کا مجھے پندرہ سو معاوضہ ملا تھا۔ پھر مجھے اس ادارے سے فون آیا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے آپ کچھ اور بھی لکھ کر بھیجیں۔ نومبر میں ناولٹ بھیجا جنوری میں شائع ہوا اور مجھے پتا

اس وقت چلا جب مجھے اعزاز یہ ملا تھا۔ اعتل صاحبہ نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ اور انہی کی وجہ سے میں نے اتنا کچھ لکھ لیا اور انہی کی وجہ سے آج میری ایک پہچان ہے۔

میں نے ڈیڑھ سو یا دو سو کے قریب افسانے اور ناولٹ لکھے ہیں۔ شروع شروع میں افسانے اور ناولٹ لکھے ہیں اور اب کئی سالوں سے میں ''ناول'' لکھ رہی ہوں۔ ابھی تک کتابی شکل میں کچھ بھی شائع نہیں ہوا۔ بس اگر کتابی شکل میں کچھ شائع ہوگا تو وہ میرے اماں ابا کی سوانح عمری ہوگی جو میں لکھوں گی۔

''اور ہاں مجھے 'کالم' لکھنے کا بہت شوق تھا اور ابھی بھی ہے کسی زمانے میں بہت خواہش تھی کہ میں کالم نگار بنوں۔ مگر بن نہ سکی اور اس کا مجھے افسوس رہے گا۔''

''پلاٹ کب ذہن میں آتا ہے اور کس مخصوص جگہ پر آتا ہے؟''

''پلاٹ تو کسی بھی وقت ذہن میں آجاتا ہے کوئی مخصوص جگہ یا ٹائم نہیں ہے۔ ہاں زیادہ تر پلاٹ ''سفر'' کے دوران ہی آتے ہیں اور سفر سے مراد جیسے کسی کے گھر جارہی ہوں۔ یا ویسے کہیں جارہی ہوں تو کہیں بھی جاتے ہوئے آتے ہوئے پلاٹ ذہن میں آجاتا ہے اور دلچسپ بات یہ کہ گھر کے کام ہوں یا کوئی بھی کام کررہی ہوتی ہوں تو پلاٹ ذہن میں آجاتا ہے۔ کام کے دوران تو جب پلاٹ ذہن میں آتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لکھنے بیٹھ جاؤں۔ ہماری امی ایک لفظ استعمال کرتی تھیں ''دل گلابی ہونا'' تو ایسا دل گلابی ہوتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ابھی کے ابھی لکھنا شروع کردوں، لیکن کام کے دوران یہ سب ممکن نہیں ہوتا، واش روم میں کبھی پلاٹ ذہن میں نہیں آیا۔ کیونکہ ایک ہی واش روم ہے اور وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی۔ (قہقہہ) اور ہاں نماز کے دوران بھی پلاٹ صاحب ضرور وارد ہوتے ہیں اور مطالعہ کے دوران بھی، اور کوئی خوب صورت منظر دیکھ کر بھی پلاٹ ذہن میں آتا ہے۔

لوگ عموماً موبائل میں پوائنٹ نوٹ کرلیتے ہیں جب کوئی ٹاپک ذہن میں آتا ہے۔ لیکن میں موبائل زیادہ استعمال نہیں کرتی۔ بس رات کو دیکھ لیتی ہوں کہ کسی کا میسج آیا ہے۔ فیس بک سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور انسٹاگرام تو استعمال کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ ہاں میری ایک پرسنل ڈائری ہے تو میرے ذہن میں جو پلاٹ جو ٹاپک آتا ہے اس کے پوائنٹ میں ڈائری میں لکھ لیتی ہوں۔

مجھے قلم کی دنیا سے وابستہ ہوئے تقریباً 20، 21 سال ہوگئے ہیں 2004 جنوری میں شعاع ڈائجسٹ میں میری پہلی تحریر شائع ہوئی تھی۔ شروع شروع میں تو بہت کم کم لکھا کرتی تھی، مگر مس اعتل کی بدولت میں نے آہستہ آہستہ کرکے زیادہ لکھنا شروع کیا اور مس اعتل کی کوششوں کی بدولت میری غیر مستقل مزاجی مستقل مزاجی میں بدل گئی اور اتنی حوصلہ افزائی نے مجھے رائٹر بنایا ہے۔''

دعائے مغفرت

ہماری ساتھی واصفہ سہیل کے بہنوئی مبارک حسین قریشی طویل بیماری کے بعد اس دارفانی کو الوداع کہہ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم مبارک حسین امریکہ میں مقیم تھے وہ نہایت اچھے اخلاق اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ ایک طویل عرصہ کی رفاقت کے بعد ہم سفر کا بچھڑ جانا ان کی اہلیہ سائرہ قریشی اور ان کے بچوں کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔

سائرہ قریشی اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

''کیا لکھنا زیادہ پسند ہے۔ ہلکا پھلکا، رومینس، مزاح یا سنجیدہ؟''

''مجھے ہلکا پھلکا لکھنا زیادہ پسند ہے میں بہت زیادہ سنجیدہ یا ثقیل قسم کی تحریر نہیں لکھ سکتی۔ کیونکہ میرا مزاج بھی ایسا نہیں ہے۔ میرا مزاج بھی اپنے ابا کی طرح ہی ہے یعنی ہلکا پھلکا اور مزاح وغیرہ، ہاں میری تحریر میں میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ مقصد ہو اور اس میں کوئی نہ کوئی پیغام ضرور رہو تا کہ پڑھنے والے کچھ نہ کچھ سیکھیں، میرے جو مکالمے ہوتے ہیں اس میں مزاح کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔ رومینس بھی کھول کر نہیں لکھ سکتی۔ اپنی کہانیوں میں نہ تو میں نے ہیرو ہیروئن کا ہاتھ پکڑوایا ہے اور نہ ہی رومینس کروایا ہے۔ میرے ہیرو ہیروئن کا رومینس بھی ڈائیلاگ کی صورت میں ہی ہوتا ہے اور ذرا محتاط قسم کا ہوتا ہے۔ نہ ہی میں نے رومینٹک کہانیاں لکھی ہیں اور نہ ہی میں لکھ سکتی ہوں۔''

''میکے اور سسرال سے حوصلہ افزائی ملی؟''

''سسرال میں پڑھنے والا اور خصوصاً ڈائجسٹ پڑھنے والا ماحول نہیں تھا۔ پھر میری سسرالی فیملی بھی بہت مختصر سی تھی۔ جب میں بیاہ کر آئی تو ساس سسر تھے اور دو نندیں تھیں جو کہ شادی شدہ تھیں میرے شوہر اور ایک ہماری نند کی بیٹی تھی، جو بچپن سے ہی ننھیال میں پلی بڑھی تھی۔ دلچسپ بات یہ کہ میں نے ایک کہانی میں اپنے سارے گھریلو حالات لکھ دیے اور وہ کہانی اتفاق سے سب نے پڑھ لی۔ اس پر میرے بڑوں نے کافی ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجھ پر لکھنے پر پابندی لگادی تھی۔ مگر وہ تو غصے والی پابندی تھی۔ لیکن پھر میں اپنے کمرے میں سب سے چھپ کر لکھا کرتی تھی۔

لکھنے کے معاملے میں میرے شوہر نے مجھ سے بہت تعاون کیا، جب لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے لائٹ چلی جاتی تھی تو انہوں نے کچھ لائٹیں لاکر رکھی ہوئی تھیں تا کہ مجھے لکھنے میں مشکل نہ ہو۔

شادی کے بعد ہی میں نے باقاعدگی سے لکھا ہے اس کی دو تین وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ جو پیسے ملتے تھے میں انہیں اپنے استعمال میں لے آتی تھی کبھی اخراجات کے لیے نہ شوہر پر اور نہ ہی سسرال والوں پر کوئی بوجھ ڈالا تھا۔ میں چھوٹی موٹی ضرورتیں خود پوری کرلیا کرتی تھی۔ پھر اپنے آپ کو مصروف رکھنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بھی لکھا کرتی تھی کیونکہ حالات کچھ ایسے تھے۔ جبکہ مصروفیات بھی تھیں۔

2009ء میں میری شادی ہوئی اور 2010 میں پہلی بیٹی، پھر 2012 اور پھر 2015 میں بیٹیاں ہوئیں۔ مگر اس کے باوجود میں لکھنے کے لیے ٹائم نکال لیتی تھی۔ میرے شوہر کا تعاون اس طرح رہا کہ وہ بچوں کے معاملے میں بھی اور گھر کے معاملے میں بھی میرا ہاتھ بٹادیا کرتے تھے، میاں صاحب کو شروع سے ہی عادت تھی گھر کے کاموں کی، سسر کے ساس کے ساتھ ہاتھ بٹادیا کرتے تھے۔

اور اب بھی میرا ہاتھ بٹاتے ہیں جیسے کہ میرے ساتھ کپڑے دھلوا لیتے ہیں، صفائی ستھرائی کا جو تفصیلی کام ہوتا ہے اس میں بھی تعاون کرتے ہیں۔ اور جب میں کبھی میکے جاؤں یا کبھی اپنی بہن کے گھر جاؤں تو واپسی پر مجھے ہمیشہ اپنا گھر صاف ستھرا اور چمکتا ہوا ہی ملتا ہے۔ کوئی پھیلاوا نہیں ہوتا کہ میں کہوں کہ گھر کی کیا حالت بنادی ہے۔ بلکہ جو چیزیں عجلت میں، میں پھیلا کر جاتی تھی وہ بھی سمٹی ہوئی ہوتی تھیں۔''

''اب پہلے جیسا مطالعہ کا شوق نہیں رہا لوگوں میں کتابیں خریدنے کا رجحان نہیں رہا۔ کیا کہیں گی آپ؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب رجحان موبائل پر یا فیشن پر یا پھر کھانے پینے پر ہوگیا ہے اور اب چونکہ موبائل پر ڈاؤن لوڈ کرکے بھی اپنی پسندیدہ تحریریں پڑھی جاسکتی ہیں تو لوگ کتابیں کیوں خریدیں گے۔ لیکن کتاب پڑھنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ مگر اب گھر کے ماحول بھی پہلے جیسے نہیں رہے۔ میری بھی ایک ہی بیٹی کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہے باقی دو کو نہیں یعنی بڑی کو ہے دو چھوٹیوں کو نہیں۔''

''اپنے مزاج کے بارے میں بتائیں؟''

ہنستے ہوئے ''مجھے تو خود ہی نہیں معلوم کہ میرا مزاج کیسا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ انسان کا مزاج

بدلتا رہتا ہے۔ جیسے اب سے پندرہ بیس سال پہلے جیسی تھی۔ اب نہیں ہوں۔ یا دس سال پہلے جیسی تھی اب نہیں ہوں۔ میرے مزاج میں تیزی طراری یا چالاکی نہیں ہے۔ غصہ پہلے اتنا نہیں تھا مگر اب حالات کچھ ایسے ہوجاتے ہیں کہ مجھے غصہ بھی آجاتا ہے اور جھنجلاہٹ بھی ہوجاتی ہے تو غصہ بچوں پر اترتا ہے یا پھر کبھی کبھار میاں پر اترتا ہے۔

فیشن کا شوق نہ شادی سے پہلے تھا نہ بعد میں ہوا اور نہ ہی اب ہے۔ اس معاملے میں اپنی اماں پر گئی ہوں وہ بہت سادگی پسند تھیں میں بھی ایسی ہی ہوں۔ بازار وغیرہ جانے کا بھی شوق نہیں ہے بس بہنیں جاتی ہیں بازار اور وہی لاتی ہیں اور وہی سلائی کر کے بھی دے دیتی ہیں۔ میاں صاحب کے ساتھ بھی اگر کبھی بازار جاتی تو بچوں کی شاپنگ کرتی تھی۔ میک اپ کا بھی کوئی شوق نہیں تھا۔ شادی کے بعد تھوڑا بہت ہوا مگر حالات نے اس کو بھی ختم کر دیا۔

میری بڑی بیٹی کو بہت شوق ہے فیشن کا، میک اپ کا اس معاملے میں وہ اپنی پھوپھو پر گئی ہے سجنے سنورنے کا شوق میری بیٹی کو ہے۔ شادی کے بعد میاں صاحب مجھے کاجل اور دیگر میک اپ کی چیزیں لالا کر دیتے تھے میں نے خود کبھی نہیں خریدی تھیں۔ جب وہ آتے تو میں لپ اسٹک لگا لیا کرتی تھیں۔

گھر سجانے کا شوق تھا۔ مگر سر کہتے تھے کہ جو چیز جہاں پڑی ہے اسے پڑے رہنے دو ادھر ادھر نہ کرو۔ تو بتائیں کہ پھر کیا کرتے تو پھر یہ شوق بھی ماند پڑ گیا۔ بس اپنے کمرے کی حد تک تھوڑا بہت ردوبدل کر لیتی ہوں۔

شادی سے پہلے بھی مجھے کوکنگ کا شوق تھا اور شادی کے بعد بھی برقرار رہا۔ ہمارے میکے میں مہمان داری بہت ہوتی تھی اور مہمانوں کو کھانا کھلائے بغیر بھیجنے کا رواج نہیں تھا، اسی طرح سسرال میں بھی بہت مہمان داری ہوتی تھی۔

شوہر کے ساتھ میں کبھی آؤٹنگ کے لیے باہر نہیں گئی کیونکہ یہاں رواج نہیں تھا اور کوئی پسند بھی نہیں کرتا تھا ہنی مون تو بہت دور کی بات ہے۔ میکے بھی اپنے میاں کے ساتھ کبھی نہیں گئی یہاں رواج یہ تھا کہ اگر مجھے اپنے میکے جانا ہے تو میرے میکے سے مجھے کوئی لینے آئے گا البتہ رات یا کبھی واپسی پر میاں لینے آتے تھے اور ان کے ساتھ بھی سیدھے سسرال ہی آتے تھے کہیں اور نہیں جاتے تھے شادی کے شروع کے دن بس ایسے ہی گزر گئے اور پھر بچوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تو بس.....

بچوں کے ساتھ بھی جانا نہیں ہوتا تھا، ان کو بھی تفریح کے لیے لے جاتی تھی تو اپنی بہن اور ان کے بچوں کے ساتھ..... تو بس یونہی پابندیوں میں زندگی گزری۔

پھر ساس ہماری رخصت ہوئیں۔ اللہ زندگی رکھے سسر ہیں مگر وہ بھی بیمار رہتے ہیں تو اب تو بالکل بھی ان کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتے اور گھر میں سے کوئی ایک ہی جاسکتا ہے میں یا پھر میرے شوہر۔ تو سیاحت والے سوال کا جواب تو یہی ہے کہ "ملا" کی دوڑ مسجد تک" اور ہماری دوڑ سسرال سے میکے اور میکے سے سسرال تک ہوتی ہے۔ البتہ بچپن میں بنگلہ دیش گئی تھی اور ایک بار لاہور گئی تھی۔

مجھے میرے لکھنے پر کبھی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میں نے ایک ناول لکھا تھا "ادا فروش" تو وہ ناول اجل کو بہت پسند آیا تھا تو مس اجل کا مجھے فون آیا اور انہوں نے مجھے کہا کہ "نعیمہ یہ تم نے اتنا اچھا لکھا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ چوم لوں۔" اور مس اجل کے یہ الفاظ مجھے آج تک انرجی دیتے ہیں۔

مجھے اپنی تحریروں میں سب ہی پسند ہیں اولاد کی طرح لیکن کچھ اولادیں بہت لائق فائق ہوتی ہیں اور کچھ نالائق ہوتی ہیں تو "جنت دوزخ"، "رزق زوال"، "طلوع وغروب"، "یزدان"، "کاوش بے سود" جو کہ سب میں نے بہت دل سے لکھے تھے اور ہاں "نسخہ ہائے وفا" یہ بھی مجھے بہت پسند ہے۔"

(جاری ہے)

☆☆

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

فرخندہ سلیم......ملتان

کرن شعاع خواتین ہمارا میکہ ہیں جہاں ادارے کی خواتین، رائٹرز اور ساری قارئین ایک دوسرے کی بے لوث ساتھی ہیں۔

خواتین کا سرورق اچھا ہے۔ نفیس سا ماڈل ابھی ابھی نماز پڑھ کر آئی تو سوچا، حجاب میں تصویر بہت باوقار تصویر آتی ہے۔ اداریہ کی پرفکر باتیں ہم اچھی اور فرماں بردار بہنوں کی طرح خوب توجہ سے پڑھتے ہیں۔

خطوط میں پیاری جویریہ حیدر! ڈائجسٹ تم سے اچھے نہیں، چاہے لے لو ہاں شعاع میں افسانہ نایاب لوگ اس ماہ معیاری و پرفکر خوب لکھتی رہو۔

پیاری صائمہ گل آپ کا پچھلے ماہ کا خط پڑھ کر مجھے آپ پر رشک آیا کہ کتنی پیاری جگہ پر رہتی ہیں اور تعارفی سلسلے میں اس بار خوب اچھے سے شرکت کی اور صدف ناصر اور ناہید اسماعیل کے سنگ زرینہ باجی سمیت باقی سہیلیوں کی باتیں خوب تھیں۔

غزلیں تمام خوب تھیں جو پسند آئیں۔ رنگا رنگ پھول مجھے بہت پسند ہیں کہ سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ خاتون کی ڈائری میں زرینہ اور ناہید باجی کے ساتھ روحیلہ خان کا انتخاب عمدہ رہا، کیا یہ مصنفہ روحیلہ خان ہیں؟

پکوان تمام اس قدر لذیذ تھے کہ منہ میں پانی آ گیا۔ عدنان بھائی کا سلسلہ پڑھ کر دکھ ہوا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ خاموشی کو بیان میں صائمہ گل کی شاعری خاص کر فوزیہ فرخ والا طویل اقتباس بہت پسند آیا۔ فوزیہ فرخ سے ملاقات بہت پسند آئی انٹرویو اگرچہ چھوٹا سا تھا مگر پھر بھی بہت اچھا لگا۔ صائمہ نور اور عنبرین ابدال سے بھی اس سلسلے میں ملاقات کروائیں کہ یہ دونوں مجھے بہت پسند ہیں۔ راشدہ رفعت تو ہر بار ہی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ کاش راشدہ تم کبھی کوئی سلسلے وار بھی لکھ ڈالتیں۔ ناول گھریلو سا بہت عمدہ رہا جس میں ہمیں جہاں خونی رشتوں کی محبت نظر آئی وہیں ہر ایک کو اس کے نصیب کا بہتر ملا بس دادی کی وفات پر افسوس ہوا کہ دادا اکیلے رہ گئے ہاں ناول کا نام بھی بہت پیارا سا تھا۔

میمونہ صدف نے بھی کتنا اچھا لکھا اور پلاٹ تو بہت ہی پراثر اور تعمیری تھا۔ میمونہ صدف سے بھی شاہین ہماری ملاقات خواتین میں کروادو۔ راحت جبین کی کہانی تو ٹاپ پر جا رہی ہے ثانیہ کا کردار بہت ہٹ ہوا ہے۔ ثنا شاآ گئی ہے سب کو سیٹ کرنے اور دادی کی بیماری پر افسوس ہوتا ہے پہلے جیسی بھی تھیں مگر اب کسی کو اس حال میں انسان نہیں دیکھ سکتا۔ عقیلہ ہاشمی کے اصلاحی افسانے میں دادی کا کردار بہت مثبت رہا۔ کنزور سائبان عمدہ افسانہ تھا اور واقعی ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ صدف کا افسانہ منفرد سا تھا جو اچھا رہا۔ دعا ایوب کا افسانہ معاشرے کی ایک تلخ حقیقت تھا مگر سب سبق آموز تھا۔ شازیہ الطاف کا افسانہ بہت معیاری الفاظ میں لکھا گیا تھا اور افسانے میں گہرا سبق پوشیدہ تھا۔ احد بھی خوب

صورت انداز میں اپنی منازل طے کر رہا ہے اور صوفیہ نے کمال کا پلاٹ اور ناول لکھا ہے تعریف کے الفاظ کم ہوں گے۔

ج: پیاری فرخندہ! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی اور تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔ کوشش کریں گے کہ آپ کی پسندیدہ مصنفین سے ناول لکھوائیں۔ جی یہ مصنفہ روحیلہ خان ہیں۔

خدیجہ عبداللہ.....قصور

آپی کیا حال ہے، آپی ہمارے یہاں خواتین بہت مشکل سے ملتا ہے میں نے ایک افسانہ بھیجا تھا (نند نامہ) کے نام سے کیا وہ قابل اشاعت ہے یا ناقابل اشاعت۔

ج: پیاری خدیجہ! آپ کی صرف کہانی (مرد بے چارہ) موصول ہوئی ہے۔ جو ناقابل اشاعت ہے آپ کا کہانی لکھنے کا انداز اخبار کی خبر جیسا ہے۔ آپ کہانی کے انداز میں لکھیں۔

حنا جاوید.....کراچی

بقرعید سے اس لمحے تک خط نہ لکھ سکی۔ سوچتی ہی رہ گئی۔ زندگی ایک دم سے کچھ بدل سی گئی۔ کچھ معاشی مسائل کی وجہ سے اپنا پیارا سا گھر چھوڑ کر اسے کرائے پر دے کر ہم پہلی بار خود کسی کے کرائے دار بن گئے۔ ابھی شفٹنگ کو اٹھارہ دن ہی ہوئے اور ہمارا آدھا سامان بھی سیٹ نہ ہو سکا تھا کہ اچانک ابو کا انتقال ہو گیا۔ آٹھ سال سے میرے ساتھ رہتے تھے، شفٹنگ کی وجہ سے بہن کے گھر چلے گئے تھے۔ میں ملنے گئی۔ رات ان کے پاس رکی۔ صبح بالکل ٹھیک مجھ سے باتیں کیں اور کہا۔

''میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' ان کو صرف میرے ساتھ میرے بچوں اور میرے گھر میں رہنے میں سکون ملتا تھا۔

میں نے کہا۔ ابو ابھی میرا سامان ایسے ہی پڑا ہے سیٹنگ ہو جائے، پنکھے وغیرہ لگ جائیں پھر میں لینے آؤں گی۔ مجھے نہیں معلوم تھا آج رات ہی وہ ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں۔ ورنہ ان کے پاس ہی رک جاتی۔ بس چلے گئے میرے بہادر، خوددار، بردبار اور سب سے پیارے ابو۔ آپ سب قارئین سے دعا ہے میرے امی ابو کے لیے بہت دعا کیجئے گا۔

آپی میں نے پچھلے سال ستمبر میں ایک اصلاحی افسانہ ''وائرس'' بھیجا تھا۔ اور اس کے ساتھ خط بھی لکھا تھا۔ آپ نے میرا خط شائع کیا مگر افسانے کی بابت کچھ ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کی رسید ابھی شفٹنگ میں مجھ سے گم ہو گئی۔ پیاری آپی پلیز بتا دیں کہ اس کا کیا بنا؟ (افسانے کا) اس کے بعد مجھے انتظار رہا کہ شاید لگ جائے مگر ہر بار مایوسی ہوئی۔ آپی میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں اور ''یہ بھی ابو نے سکھایا تھا۔'' اصل میں لکھنے کو اور شائع کروانے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔ آپی میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ درس و تدریس سے وابستہ ہوں۔ اکیڈمی جاتی ہوں۔ پڑھ بھی رہی ہوں۔ پڑھاتی بھی ہوں۔ بچپن میں بچوں کے رسائل میں خوب لکھا۔ لکھ کر رکھ لیتی تھی۔ ٹائم ہی ٹائم ہوا کرتا تھا۔ نوک پلک سنوار سنوار کر بھیج دیا کرتی تھی۔ اب نہ وہ فراغت رہی نہ وہ دن مگر ولولہ اور شوق ویسے ہی اپنی جگہ برقرار ہے سو اسی لیے خواتین کے لیے لکھنے کو قلم اٹھا لیا۔ اور ایک دن ''ہمارے نام'' میں آپ مجھے کہیں گی کہ آپ کا افسانہ یا ناولٹ پڑھ لیا ہے شائع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب ہم تبصرہ کی طرف آتے ہیں۔ کرن کرن روشنی نے ہمیشہ کی طرح ہمارے قلب و ذہن کو منور کیا۔

فرح بخاری کا انٹرویو پڑھا۔ انہوں نے باتوں ہی باتوں میں کتنے ہی اسرار و رموز نئے لکھاریوں کو سکھا دیئے۔ (جزاک اللہ فرح)

اس سے آگے چلے تو میں نے عدنان بھائی کے مشوروں سے ہمیشہ کی طرح سیکھا۔

افسانوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا ''جادوگرنی'' اور اس کے بعد ذرا سی حساس لڑکی نے متاثر کیا۔ ناول ابھی صرف ''پردیس'' پڑھا۔ اجالا جیسی لڑکیاں ہمارے معاشرے میں بھی بکثرت

موجود ہیں جو اپنا گھر، گرہستی اور بھرم قائم رکھنے اور والدین و خاندان کی عزت بچانے کے لیے رل رہی ہیں مگر اجالا جس وقت بے بسی کے عالم میں بارش میں بھیگتی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں جارہی تھی، اس کی حالت اور اس منظر کے تصور نے رلا دیا اور جب وہ دوسروں کے گھر میں صفائیاں کرتی نظر آئی جب اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر شہریار سے پٹتی اور اپنے جذبات کو کچلتی نظر آئی اس وقت سب کی بیٹیوں کے اچھے نصیب کی دعائیں لب پر آ گئیں۔

یہ ناول ان لوگوں کو ضرور پڑھنا چاہیے جنہیں اپنے ملک میں صرف خرابیاں نظر آتی ہیں اور جو یہاں سے بھاگنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

ابھی تک صرف افسانے اور پردیس ہی پڑھ سکی۔ باقی شمارے پر تبصرہ محفوظ۔

ج: پیاری حنا! آپ کی تحریر میں روانی ہے اور آپ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں بس تھوڑا سا کہانی پر توجہ دیں۔ ہمیں تلاش کرنا پڑے گا کیونکہ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ آپ کی ایک بات بہت اچھی لگی کہ آپ ہار ماننے والوں میں سے نہیں۔

آپ کے والد کی وفات پر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

فرحانہ مہناز..... گوجرہ

پچھلے خط میں کوثر خالد صاحبہ کی وفات کا پڑھا، (افسوس) بہت اچھی، نیک سیرت، منکسر المزاج خاتون تھیں یہ ان کی تحریروں سے پتا چلتا ہے۔ بس یہی سلسلہ ہے زندگی کا گھر وہی رہتے ہیں۔ مکین بدل جاتے ہیں۔

آگے بڑھتے ہیں کرن کرن روشنی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ثمرہ بخاری سے ملاقات اچھی رہی مگر ثمرہ تھوڑی ریزرو۔ انٹرویو سے نہیں لگا کہ ثمرہ آپی اتنی مزاحیہ تحریریں لکھتی ہیں۔ جو مزاحیہ تحریریں لکھنے کا مزاج رکھتے ہیں، وہ اندر سے ایسے ہی ہوتے ہیں یہ میرا تجزیہ ہے۔

ایک دفعہ افسانہ شائع کریں تو دیکھیے میں کیسے انگڑائی لے کر بیدار ہوتی ہوں۔۔ ''انگنا پھول کھلیں گے'' اس بار خاص تاثر نہیں چھوڑا۔ ''پردیس'' میں روشن کے حالات بھی اجالا جیسے ہی مگر اجالا میں اعتماد ہے جبکہ روشن تو مکھی بھی نہیں مار سکتی۔ ''وہی راہ مقدر تھی'' آسیہ رئیس نے بہت اچھا لکھا۔

''احد'' کھل کر سامنے ہے اس ماہ سب سے اچھی بات امثل کے لاکر میں باپ کی جائیداد کے کاغذ۔ زیورات۔ ملبوسات سب تھا لیکن وہ بھائی کی لائی ہوئی بالیاں پہن کر گئی (یہ ہے محبت) اسود اور امثل اچھی جوڑی ہے لیکن کہانی کافی مختصر تھی۔ اور آخر میں ''مالا'' جنے تو شروع کی اقساط سے یہ کیل ہو رہا تھا عبدالمالک کشمالہ کے قادر ہوں گے۔ اس قسط میں لگ رہا ہے ان میں خاص ریلیشن ہے۔ آپی جان گوجرہ آ کر رسالہ منگوانا، پڑھنا لکھنا خط پوسٹ کرنا سب بہت مشکل ہے۔

ج: پیاری مہناز! آپ کی اب تک ایک کہانی سوتیلی گڑیا موصول ہوئی ہے جو ''قابل غور'' کی لسٹ میں ہے آپ میں صلاحیت ہے آپ کچھ اور لکھیں۔ ہمیں اپنی قارئین کی مجبوری کا اندازہ ہے اس لیے ہم تاخیر سے موصول ہونے والے خطوط اگلے شمارے میں شامل کر لیتے ہیں۔

اجالا میں اعتماد اس لیے تھا کہ اسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ اس کو اپنی نند کی حمایت حاصل تھی جبکہ روشن گھر میں قید تھی اور ساس نندوں کے تشدد کا بھی شکار تھی۔

گوشی جمال..... منڈی یزمان

نومبر کی شروعات میں شمارہ روحانی پیرہن اوڑھے، گلابی باربی ڈول کا نمونہ پیش کرتے مقررہ تاریخ میں آن پہنچا۔ اسی دن ہماری نٹ کھٹ زوباریہ کی سالگرہ کا واقعہ بھی وقوع پذیر ہوا۔ بڑی فلورل فراک، حدود اربعہ جتنے بڑے گلاب کے پھولوں سے آراستہ لباس زیب تن کیے۔ کیک کاٹنے میں مشغول، عنایہ بڑے پھول سمیت کیک میں سے اپنا حصہ پہلے وصول کرتی ہے۔

"کہنی سنی" سبق آموز اور حقائق سے آراستہ لفظوں سے فیض یاب ہوئے۔ ناول، ناولٹ اور افسانہ تینوں کی الگ الگ اپنی انفرادیت ہے۔

"کرن کرن روشنی" سے مستفید ہوئے۔

"فوزیہ فرخ" کو میں نے اتنا پڑھا نہیں۔ ملاقات میں دلچسپی برابر برقرار رہی۔ شکریہ شاہین آپا۔

"ہمارے نام" میں کچھ نئے نام اس بار دیکھنے کو ملے، بہت اچھا لگا۔ "ماں" کے حوالے سے ایک بہن کا خط دل افسردہ کر گیا۔ "انگنا پھول کھلیں گے" ان شاء اللہ آگے پھول ہی کھلنے کی امید ہو رہی ہے۔ اجالا بہترین کردار ہے۔ "مالا" کی دلچسپی جوں کی توں برقرار ہے۔ "کہانی خود کو دہراتی ہے، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ میمونہ صدف کی بہترین کاوش۔ عقیلہ ہاشمی چنچل شوخ موضوع کے ساتھ۔ زرینہ خانم لغاری آپ کے باورچی خانہ میں حاضری لگواتے ہوئے۔ بہت اچھا لگا۔ دسمبر میں پکوان موسم کی مناسب سے سوپ اور مچھلی کی نت نئی تراکیب سے ترتیب دیں۔

شاعر حضرات کے حساب کتاب کا موسم آ گیا۔ ہمیں دسمبر کچھ نہیں کہتا۔ بھئی ہم تو خوشی خوشی آج کل گڑ اور گنے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، کھیتوں میں ہر طرف گنے کے پلانٹ چل رہے ہیں خوب صورت مناظر سے فیض یابی ہمارا مقدر ہے۔

ج: گوشی جی! آپ سردی کے مزے لیں گنے کا رس انجوائے کریں۔ کراچی میں تو اب تک اے سی اور پنکھے چل رہے ہیں۔ پچھلے سال تو موسم سرمانے جھلک بھی نہیں دکھائی تھی۔ دیکھیں اس سال سردی کتنے دنوں کے لیے مہمان بنتی ہے۔

خواتین آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔ نمرہ کا کوئی ناول ٹی وی پر نہیں آ رہا ہے۔

آسیہ ساجد علی.....شیخوپورہ

تقریباً بائیس یا تئیس سال کے بعد کسی کو خط لکھنے بیٹھی ہوں تو بہت عجیب لگ رہا ہے موبائل کی آمد کے بعد تو خط لکھنا تقریباً موقوف ہو چکا ہے۔ خواتین ڈائجسٹ سے رشتہ بہت پرانا ہے تقریباً تب سے پڑھنا شروع کیا جب سے اردو پڑھنا لکھنا سیکھا یعنی دس سال کی عمر سے تب کچھ کہانیوں کی سمجھ آتی تھی کچھ کی نہیں۔ تب میری باجی پڑھتی تھیں اب میں تقریباً 42 کی ہوں۔ جیسے جیسے شعور کی منزلیں طے کیں خواتین سے دلچسپی بڑھتی گئی اسکول پھر کالج تک تو خواتین کا ساتھ مسلسل سے رہا۔ عمیرہ احمد۔ نمرہ احمد۔ راحت جبیں فاخرہ جبیں۔ فائزہ افتخار اور بشریٰ سعید فیورٹ تھیں پیر کامل کے بعد میری شادی ہو گئی اور خواتین سے رابطہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع ہو گیا۔ کیونکہ سسرال کے جھنجھٹ بچوں کی ذمہ داریاں پھر رشتہ جڑا آب حیات کو دیکھ کر جو ہمیں گھسیٹتا ہوا الف تک لے آیا۔ پھر لمبا وقفہ آیا لیکن فیورٹ رائٹرز کو پڑھتے ہی رہے اب ماشاء اللہ سے بچے بھی بڑے ہو گئے ذمہ داریاں بھی کم ہو گئی ہیں شیخوپورہ میں شفٹ ہو گئے ہیں میں اور میری بیٹی دونوں تقریباً چار سال سے باقاعدہ پڑھ رہے ہیں۔ مالا موسٹ فیورٹ ہے۔ اردو ادب سے کافی لگاؤ ہے پولیٹیکل سائنس اور اردو لٹریچر میں ماسٹرز کر رکھا ہے۔ کبھی کبھار افسانے بھی لکھتی ہوں کبھی چھپوانے کا خیال نہیں آیا۔ لکھ کر سکون ملتا ہے۔ اپنی بیٹی کے کہنے پر دو افسانے بھیج رہی ہوں اگر معیار پر پورے اتریں تو چھاپ دیجئے گا۔ ویسے شیخوپورہ والوں کو بھی موقع دیں پچھلے تین سال کے شماروں میں شیخوپورہ والوں کا کوئی بھی خط شامل نہیں ہے۔

ج: پیاری آسیہ! بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے دوبارہ لکھنا شروع کیا ہے آپ کے دونوں افسانے قابل اشاعت ہیں۔ ایک افسانہ تو اسی ماہ شامل ہے۔ دوسرا افسانہ آئندہ ماہ شامل ہوگا۔

شیخوپورہ والوں کے ہمارے پرچے میں بھی جگہ ہے اور دل میں بھی۔ ویسے داد دیں گے آپ کی باریک بینی کی کہ آپ نے یہ بات نوٹ کی کہ پچھلے تین سال سے شیخوپورہ والوں کو جگہ نہیں دی۔ شیخوپورہ والو! جاگ جاؤ اور ہماری محفل کو رونق بخشو تاکہ آسیہ کی شکایت دور ہو سکے۔

ام ہادیہ.....لاہور

پہلے تو آپ سے شکوے شکایتیں ہو جائیں دو ماہ سے میرا خط شائع نہیں ہو رہا۔ لکھنے سے میرا عشق دیکھیں اور میرا جنون جو منع کرنے کے باوجود ہر دفعہ پھر لکھ کر بھیج دیتی ہوں میں بہت محنت کرتی ہوں۔ اس ماہ کا ٹائٹل بھی شاندار، بہت خوب صورت لگ رہی ہے ماڈل دوپٹے میں دیکھیں۔ کیا اس کی خوب صورتی دوپٹہ سر پر لینے سے کم ہوئی، نہیں ناں پر بندہ کیسے سمجھائے۔ انشاء جی کو پڑھ کر ہمیشہ بہت اچھا لگتا ہے، فوزیہ جی سے ملاقات پسند آئی،، انگنا پھول کھلیں گے زبردست تھا اب آئی اونٹنی پہاڑ کے نیچے نتاشا خوب کسر نکال رہی ہے۔ بے چاری دادی پہ بہت ترس آتا ہے فرخ کی نیت ٹھیک نہیں اور یہ اچھا ہوا کہ عبید اپنے والدین سے ملنے لگا ہے۔ مالا اچھا جا رہا ہے، ملک صاحب کو بچالیں، پردیس پڑھتے کتنی دفعہ آنکھیں بھیگیں آہ روشن کا حال دیکھ کر بے اختیار ہاتھ بلند کیے دعا کے لیے۔ اللہ کرے روشن اپنی اماں جی تک پہنچ جائے، احد کی کیا ہی بات ہے شکر ہے عبدالہادی کے گھر والے بچ گئے۔ سویرا، اجالا اور روشنی بھی مزے کا تھا۔ کہانی خود کو دہراتی ہے، دل دکھی کر گئی کمزور، سائبان دل چھو گیا سچی آج کل جس کے پاس پیسہ ہے، اس کی عزت ہے موسم کے پکوان پسند آئے باقی سلسلے بھی اچھے تھے ہمیشہ کی طرح کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں۔ کیا کروں کھائے بغیر رہ سکتی ہوں لکھے بغیر نہیں۔

ج: پیاری ہادیہ! معذرت کہ آپ کے پچھلے دو خط شائع نہ ہو سکے۔ یقین کریں، ہمیں خود بھی بے حد افسوس ہے کہ آپ نے اتنی محنت سے خط لکھے اور پوسٹ کرائے اور وہ شائع نہ ہو سکے۔ تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔

کہانیاں مل گئی ہیں، ابھی پڑھی نہیں گئیں۔

صدف ناصر.....گوجرانوالہ

نومبر 2024ء کا شمارہ گلابیاں سمیٹ ہوئے دلکش لگا۔

''کہنی سنئی'' میں گئے تو حیرت کا جھٹکا لگا۔ یہ پڑھ کر ''گرمی کی شدت عروج پر ہے۔'' نہیں جناب! ہمارے شہر میں اکتوبر کے وسط ہی سے پنکھے بند ہو چکے ہیں۔ البتہ ملکی حالات۔ نہ بدلے تھے نہ ہی بدلیں گے۔ ''کرن کرن روشنی'' نے روشنیاں ہی بکھیر دیں۔ ''تازہ کھانا'' تناول فرما کر ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم'' نے اتنا شکر ادا کیا، اور ہم ناشکرے لوگ تین وقت تازہ کھانا کھا کر بھی روتے ہیں۔ سلام ہے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' پر۔

''فوزیہ فرخ'' سے تپاک سے ملے۔ بہت اچھی ملاقات رہی۔'' شاہین رشید'' افسانہ نگاروں سے بھی ملاقات فرمائیں۔

''ہمارے نام'' میں بڑے بڑے نام بہاریں دکھا رہے ہیں۔''

''جویریہ حیدر'' کو دلی مبارک باد'' افسانہ نگار'' بننے پر جویریہ پر لازم ہے سردیوں کی مناسبت سے۔'' اخروٹی حلوہ'' سب کو کھلا دیں۔

''خامشی کو زبان'' صائمہ گل نے دل شاد شاد کیا۔ صائمہ کی محبتوں کا شکریہ۔

''انگنا پھول کھلیں گے۔'' سوچ رہی ہوں کہ ''راحت'' نے کس آنگن اور کن پھولوں کی بات کی ہے۔ ہنسنے کی بات تو یہ ہے کہ ہر قاری بہن اپنے تبصرے میں راحت کو ''تڑیاں'' (دھمکیاں) لگا رہی ہے کہ خبردار ثانیہ کے ساتھ یہ نہیں کرنا، وہ نہیں کرنا، ایسے کرنا، ویسے کرنا۔'' (ہاہاہا) مگر سچی بات ہے تحریر بہت مزے دار مراحل سے گزر رہی ہے۔ ''ثانیہ'' اپنے کھودے گڑھے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ نتاشا، اور عبید شامت بن کر ٹوٹ پڑیں گے اس فساد کی جڑ پر۔

''اجالا۔ سویرا۔ روشنی'' ہر طرف اجالا ہی محسوس ہونے لگا۔ تحریر حسب سابق رشتوں اور محبتوں سے گندھی ہوئی ہے۔ ''بڑے ابا'' اور ''بڑی اماں'' بہت پسند آئے، سب کو جوڑ کر رکھا۔ ''صفی'' اور ''روشنی'' کا کپل پرفیکٹ جبکہ ''آفاق بھائی'' کی زوجہ

"صالحہ بی بی" ایک آنکھ نہ بھائیں۔ ہر وقت نمازیں، وظیفے، تسبیحات جبکہ حقوق العباد میں، "پردیس" کی طرف بڑھے تو چند صفحات پڑھ کر ہی واپسی کی راہ لی۔ پہلے "اجالا" اور اب "روشن" پر ظلم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہ ہمارے نازک اعصاب پر بہت بھاری ہے بھئی۔ راحت جبیں، راشدہ رفعت، نعیمہ ناز جیسا ٹھنڈا میٹھا اور پرسکون سا لکھیں سب۔

"کہانی خود کو دہراتی ہے" مکافات عمل کو یاد کرواتی ہوئی تحریر۔ "معیز" نے "صائم" کو وہی کچھ لوٹایا جو اس نے دوسروں کو دیا تھا۔

"شازیہ الطاف" کی "چغل خور" پسند آئی۔ صائمہ کی بدفطرتی اس کی بیٹی کے آگے آ گئی۔ کیونکہ تربیت تو "ماں" ہی کرتی ہے ناں۔

"قرۃ العین خرم" کمزور سائبان لے کر آئی ہیں۔ "وقار" کی حالت زار اور "حمزہ" کی بے حسی پر دل دکھ سے بھر گیا۔

وقار کی بہن بھی پتھر دل ہی نکلی۔ بھئی جو تھیلے گھروں سے بھر بھر کر ہم ملازموں، ہمسائیوں اور بھکاریوں کو دے سکتے ہیں، وہ گھر اور خاندان میں موجود مستحق رشتہ داروں کو کیوں نہیں۔ اس میں تو صلہ رحمی کا بھی ثواب ہے۔

"دعا ایوب" کی "دھتکار" نے تو دل ہی دہلا دیا۔ "قیصرہ" کے ساتھ اس کے شوہر نے نہیں درحقیقت اس کی ماں نے درندگی کی انتہا کی۔ اگر چار بیٹیاں اور بھی بیٹھی تھیں تو اس کا کیا مطلب کہ بڑی بیٹی کو پھانسی گھاٹ چڑھائے رکھتی۔

دعا ایوب! آپ تحریر میں یہ ضرور لکھ دیتیں کہ "ماں سوتیلی تھی"۔ کیونکہ سگی مائیں ایسی نہیں ہوتیں۔

"صدف" ایک کہانی بڑی پرانی کے ساتھ پہلی تحریر لے کر حاضر ہوئی ہیں۔

"مالا" پڑھنا چاہتی ہوں مگر پڑھ نہیں پاتی، عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے "نمرا احمد" نے۔ تحریر کی ہر سطر پیچ و خم کا شکار ہے۔

"مستقل سلسلوں" کو منتظر پایا تو مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف بڑھے۔

ج: پیاری صدف محفل میں شرکت اور تفصیلی تبصرے کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔

زرینہ لغاری..... مظفر گڑھ

سر پر دوپٹا لیے سادہ سی ماڈل دل کو بہت بھائی۔ خاموشی کو بیاں ملے میں بہن نور فاطمہ نے اپنی تعریفوں کے پل باندھ دیے، صائمہ گل نے نارمل انداز میں لکھا، انگنا پھول کھلیں گے۔ واقعی؟ ابھی تو کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ سوہنے مکھ میں دادی کا کردار لاجواب تھا۔ پہلے پوتی کو بدنامی سے بچایا پھر بربادی سے بچایا واقعی بزرگ رحمت ہوتے ہیں کہانی خود کو دہرانی واقعی لاجواب کہانی تھی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ کہانی پرانی یہ تو ہر گھر کی کہانی ہے۔

دھتکار اتنی معتبر ہستی والا نام عمل اتنے برے۔ دل دکھتا ہے۔ بہت ہی گھٹیا کردار تھا، آہا احد۔ اصل زندہ ہے دل خوشی سے بھر گیا مٹھائی کھانے اور بانٹنے کو دل چاہا۔ میری بیاض میں ناہید اسماعیل کا شعر لاجواب تھا، خاتون کی ڈائری میں ہم بھی براجمان تھے، شکریہ شکریہ ہمارا باورچی خانہ دیکھو بہنیں کیا کہتی ہیں۔ نفسیاتی الجھنیں اف ایس کے حالات پڑھ کر دل برا ہوا، لوگ کیسے کیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اللہ بچائے بھائی عدنان نے خوب اچھا مشورہ دیا۔

ج: زرینہ جی! آپ شامل نہ ہوں تو ہمیں یہ محفل سونی لگتی ہے۔ بہت شکریہ آپ نے اس محفل کو رونق بخشی، تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی منہ سے بے ساختہ واہ نکلا۔ کہنی سنی میں محترم مدیر کا مختصر و جامع تجزیہ قابل فکر ہے لیکن ہماری قوم کے پاس سوچنے کا وقت کہاں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، یہاں تو کسی کی زیادتی کا احساس دلانے کی کوشش کریں۔ وہ الٹا ردعمل کا نام دے کر موردالزام ٹھہرا دیتا ہے۔ مزے کی بات یہ کہ ایسے لوگوں کی اپنی ہی باتوں سے ان کا غلط ہونا ثابت

digest library.com

بھی ہو جائے تب بھی ڈھٹائی سے مظلومیت کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ کرن کرن روشنی موضوع اور معلومات دونوں اہم ترین ہیں۔

انگنا پھول کھلنے کے انتظار میں ثانیہ کا انجام جلد از جلد دیکھنے کی خواہش زور پکڑ رہی ہے، میرے ساتھ صدف اور فرخندہ بھی یہی رائے رکھتی ہیں بلکہ مجھے ہنسی آئی جب فرخندہ سلیم نے یہ جملہ لکھ کر میرے دل کی بات کہہ دی کہ ثانیہ کا برا انجام محض آخر میں نہیں بلکہ زیادہ عرصہ کا دکھانا چاہیے۔

مالا حیران کن رستے پر گامزن یوں جیسے کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، امیزنگ منظر تھا وہ جب کشمالا اور ماہرنم آنکھیں لیے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

احد اختتام کی جانب گامزن پر امتل کے بارے میں تجسس اب تک برقرار ہے۔

پردیس کی قسط اس بار بھی روشن پر آ کر رکی اور ہماری دھڑکنیں پھر تیز ہوئیں، سمیرا حمید نے رونگٹے کھڑے کر دینے والی حقیقت سے روشناس کروا دیا۔

راشدہ رفعت کا نام وہ بھی مکمل ناول کی فہرست میں۔ سچی دل گارڈن گارڈن ہو گیا۔ واہ کیا عنوان ہے تین بہنیں نام بھی ہم معنی۔ بڑی پھپھو کا ماضی اور بڑی اماں کا دنیا سے جانا دونوں چیزیں تکلیف دہ تھیں باقی خیر ہی رہی۔ ہماری پیاری مصنفہ نے کہانی کے تانے بانے اس خوبی سے جوڑے کہ ہر کردار انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہو گیا ہم یونہی تھوڑا ہی کہتے ہیں، راشدہ جی کی تحریر دل کو سکون بخشتی ہے۔

میمونہ صدف کی دل گداز تحریر..... سچ ہے دنیا مکافات عمل ہے۔

عقیلہ ہاشمی کے مختصر افسانے نے رنگ جما دیا کنزا کا گھر سے بھاگنا ایک خطرناک مسئلہ جو بعد میں دردناک ہی ہونا تھا پھپھی آنٹی نے بروقت بڑے اچھے انداز میں نمٹا دیا۔

قرۃ العین خرم ہاشمی کی ایک اور خوب صورت تحریر کمزور سائبان۔ جہاں رشتوں کی بے حسی نے دل دکھی کیا۔ آخری جملے نے تو جیسے تحریر کی خوب صورتی میں مزید رنگ بھر دیا کہ ماں کتنی کمزور ہو اس سے مضبوط سائبان کوئی نہیں ہوتا۔ ایک کہانی بڑی پرانی روزمرہ کی عام زندگی۔

ہم تو پردیس جانے والیوں کی ذلت و خواری پڑھ کر افسردہ تھے مگر دھتکار کی کہانی نے ثابت کر دیا کہ اگر نصیب میں خرابی ہو تو دیس پردیس برابر ہے۔

دھتکار، دعا ایوب کی تحریر قیصرہ کی ماں ابوبکر سے بڑھ کر ظالم نکلی کیونکہ انہوں نے ماں ہو کر بھی بیٹی کے دکھ کا احساس نہیں کیا۔ شازیہ الطاف نے چغل خور میں زندگی کے اسٹیج کا ایک اور تلخ کردار پیش کیا۔

زرینہ خانم کا باورچی خانہ اچھا اور الگ سا لگا۔ نور فاطمہ اور صائمہ گل نے خوب صورت انداز و بیان میں خاموشی کو گویائی عطا کی۔ صائمہ گل کا پسندیدہ اقتباس دل کو چھو گیا۔ فوزیہ فرخ سے ملاقات کافی مختصر تھی لیکن بہت پسند آئی ہماری اتنی اچھی رائٹر نے لکھنا چھوڑ کر ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ پلیز ان سے دوبارہ لکھوائیں۔ بیوٹی بلس کے مشورے ہمیشہ ہی مفید ہوتے ہیں اور موسم کے پکوان لاجواب، کھجور اور انجیر کا حلوہ بنانے کا موڈ بن گیا ہے۔ ڈائری ساری بہنوں کی اچھی اور علیزہ سمیع کی زبردست لگی۔

بہنوں کی محفل میں اپنا ننھا منا سا تبصرہ دیکھ کر دل اداس ہوا۔ ستارا امتیاز، ممتاز عطا فرزانہ انصاری، فرخندہ سلیم، صائمہ گل اور صدف ناصر کا تبصرہ ہمیشہ کی طرح لاجواب ہے، عینا عمر مجھے بیسن کی فرائی روٹی اور سبز مرچ اور سبز دھنیے کی سل پر پسی ہوئی چٹنی بہت پسند ہے روز ملے تو بھی دل نہ بھرے اب بتائیں کب کھلا رہی ہیں۔ صائمہ گل اللہ آپ کو کلی شفا عطا فرمائے آمین۔ میرے خطوط پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ سعدیہ مسعود کا خط اتنا اچھا لگا کہ خیال آیا اسے بغیر ایڈیٹنگ کے خصوصی طور پر علیحدہ صفحات میں شائع ہونا چاہیے تھا۔ ثوبیہ سید کا خط پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اللہ پاک ان کی والدہ کے درجات بلند کرے۔

کوثر خالد صاحبہ کے خط کا انتظار رہتا تھا کافی

عرصے سے انہوں نے خط لکھنا چھوڑا ہوا تھا تو نہ جانے کیوں ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا، کیا پتا تھا یہ دھڑکا سچ ہو جائے گا۔ مجھے ان کی وفات کا واقعی بہت دکھ ہوا۔ ہماری پسندیدہ ترین رائٹر فریدہ اشفاق کی بہن کے انتقال کا پڑھ کر بھی دلی رنج ہوا۔ اللہ پاک بہن عابدہ اشفاق اور کوثر خالد بہن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

ج:۔ پیاری ناہید! آپ کی طبیعت کا جان کر تشویش ہے۔ اپنا خیال رکھیں جو قارئین باقاعدگی سے ہماری محفل میں شرکت کرتی ہیں ہمیں ان سے ایک انسیت سی ہو جاتی ہے۔ وہ کسی ماہ شریک محفل نہ ہوں تو ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ دل اداس ہونے لگتا ہے۔

تبصرہ کے بارے میں صرف ایک ہی لفظ ''لاجواب''۔

ریحانہ چوہدری..... مدد کے اندھیر

ڈائجسٹ تو مل گئے مگر دل بہت اداس ہے۔ کبھی وقت ملے تو ڈائجسٹ پکڑتی ہوں مگر کسی بات میں دل نہیں لگتا۔ پھر بھی دھیان بٹانے کو پکڑ کے ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کر دیتی ہوں۔

پہلے یہ بتا دوں کہ کیوں پریشان ہوں تو بات یوں ہے کہ سات نومبر کو میرے بڑے بھائی جان واش روم میں سلپ ہو گئے جس سے ان کے گردن کے پیچھے والے مہروں پہ شدید چوٹ لگی ہے اور اس سے ان کے سینے سے نیچے والے جسم میں موومنٹ نہیں ہو رہی۔ سب بہنوں سے گزارش کرنا چاہتی ہوں کہ میرے بہت ہی عزیز بھائی جان کی صحت کے لیے دعا کریں۔

جب خطوط کی محفل میں اپنا نام یا ذکر نہیں ملتا تو عجیب اجنبیت کا، بہت غیروں والا احساس ہوتا ہے۔ حسب سابق دل چاہتا ہے کہ سال کا اختتام آپ کے ساتھ مل کر کروں اور نئے سال کا آغاز بھی۔ تبصرے کی طرف آؤں تو۔

سمیرا حمید کی کہانی میں معاشرے کی ایک حقیقت دکھائی جا رہی ہے۔ سمیرا نے ہمیں آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

''مالا'' جذبات کی شدت کا عکاس ہے محبت کے کئی شیڈز اس میں نظر آتے ہیں۔ آل ٹائم فیورٹ۔

نمرہ کا کوئی بھی ناول جب اختتام کے قریب ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا لکھا جائے گا مگر ان کا اگلا ناول پہلے والے سے بھی بڑھ کے ہوتا ہے۔

انگنا پھول کھلیں گے میں راحت جبیں نے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ کے تھیم پہ زبردست معاشرتی اور گھریلو قسم کی صورت حال کو پیش کیا ہے۔

رنگا رنگ پھول سب ہی بہترین۔ انشاء جی کی تحریر تو زندہ جاوید۔

کہانی خود کو دہراتی ہے میں میمونہ صدف ایک خوب صورت تحریر کا تحفہ قارئین کے لیے لائیں۔ باقی سلسلے سب بہت اچھے تھے، خاص طور پر ڈائری کے اوراق لاجواب انتخاب۔

ج: پیاری ریحانہ! اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ ریحانہ کے بھائی کے لیے دعا فرمائیں۔

ریحانہ! خواتین کے ناول آپ کو پسند ہیں۔ بہت شکریہ۔

حوریہ خان..... ج۔ب 352

بچپن سے پڑھنے پڑھانے کی شوقین تو تھی ہی۔ اب لکھنے لکھانے کی باری میں نے گاؤں میں کہنے والے لوگوں کی زندگی میں پیش آنے والے خاص خاص واقعات کو مختلف کہانیوں کی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ افسانہ بھیج رہی ہوں۔ اس کے بعد کچھ مکمل ناول ہیں۔

ج: پیاری حوریہ! آپ میں صلاحیت ہے آپ کچھ اور لکھیں، آپ نے جو کہانیاں بھجوائی ہیں وہ قابل اشاعت نہیں ہیں۔

Digest
URDU NOVELS MAG
Group

راحت جبیں

آنگنا پھول کھلیں گے

پچیسویں قسط

''میری جان تمہارے پڑھائے سارے سبق مجھے اچھی طرح یاد ہیں کہ سسرال میں کس طرح رہنا ہے۔ ہم بیسٹ فرینڈ تھے نا..... اور تم اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کرتی تھیں۔''

معصومیت سے دوستانہ لہجے میں بولتی نتاشا کیسی زہر لگ رہی تھی۔ کوئی ثانیہ کے دل سے پوچھتا۔

''تب تک یہ نہیں پتا تھا کہ بلا ہمارے سر منڈھے گی۔'' ثانیہ نے دانت کچکچائے۔

''میں نے نصیحت پکڑ لی ہے۔ زندگی میں کبھی اپنی بیسٹ فرینڈ کو اپنی بھابھی نہ بناؤ۔'' نتاشا کندھے اچکاتے ہنس پڑی۔

''کم بخت کو اندر کی ہر بات کا پتا ہوتا ہے۔ ''جیسے تمہیں پتا تھا کہ ارم اور اس کے گھر والے کتنے سادہ لوح ہیں۔ جیسے مجھے پتا ہے میری ساس نندیں کتنی مکار ہیں۔''

''زبان سنبھال کر بات کرو نتاشا! تم حد سے بڑھ رہی ہو۔'' ثانیہ بپھر کر کھڑی ہوئی۔

''امی دیکھیں مجھ سے کیسے لڑ رہی ہے۔'' نتاشا نے اتنے لاڈ سے نادرہ سے کہا جیسے ساس بہو میں بلا کی یگانگت ہے۔

''وسیم کو پتا چل گیا کہ اس کی بہنیں گھر آ کر میری اتنی بے عزتی کرتی ہیں تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

اپنی بیٹی کو پٹاخہ بنا کر سسرال بھیجنے والی نادرہ نے ایک لمحے کو بھی نہ سوچا ہوگا کہ اگر ایسا کوئی پٹاخہ ان کے گھر پھوٹ گیا تو کیا بنے گا۔

''بس کرو تم دونوں، ثانیہ! اب جاؤ تمہیں دیر نہیں ہو رہی۔'' نادرہ بوکھلا گئیں۔ پہلے ہی نجانے وسیم کو کیا کیا جھوٹ سچ بتاتی رہتی ہے۔

''جا رہی ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں اس کی منحوس شکل دیکھنے کا۔'' ثانیہ غصے سے اپنا پرس اٹھا کر چلی گئی۔

''دیکھیں مجھے منحوس کہہ گئی ہے۔'' نتاشا کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

نادرہ کا دل ڈوب سا گیا۔

☆☆☆

''تم کھانا نہیں کھاؤ گی۔'' عبید ہاتھ دھو کر آیا تو ثانیہ کھانا رکھ کر پلٹ رہی تھی۔ تب ہی بے اختیار پوچھ بیٹھا وہ خاموشی سے کمرے میں چلی گئی۔

''اتنے نخرے.....'' عبید نے بے زاری سے سالن پلیٹ میں نکالا۔ تب ہی ثانیہ نے پیسے لا کر میز پر رکھ دیے۔

عبید نے حیرت سے پیسوں کو پھر ثانیہ کو دیکھ کر سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

''امید ہے اب تم مینج کر لو گے۔''

ثانیہ کے لہجے میں طنز تھا۔ کل ہی پیسوں کو لے کر ان کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی تھی۔
"کہاں سے آئے؟" عبید نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"کہاں سے آئیں گے۔ اماں سے ادھار لیے ہیں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔
"ثانیہ! اب مجھے اس طرح ذلیل کرواؤ گی۔" عبید کو تاؤ آ گیا۔ "وہ کیا کہتے ہوں گے میں اپنا گھر بھی نہیں چلا سکتا۔"
"تو کیا کروں۔" ثانیہ نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ پٹخی۔ "نہ تم اس طرح جینے دیتے ہو نہ اس طرح، میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔ امی کی طرح مجھے بھی مہینے کے آخری دنوں میں پائی پائی کا حساب دینا ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

digest library.com

عبید کا تیز لہجہ نرم پڑ گیا۔
"ہیٹ تو ایسا نہیں رہے گا۔ انسٹالمنٹ ختم ہو جائیں گی۔ تو ہم بجٹ بنا کر چلیں گے بالکل امی کی طرح۔"
عبید کا لہجہ کھو سا گیا۔
"بہت برکت تھی امی کے ہاتھ میں، مہینہ ختم ہو جاتا تھا۔ پیسے ختم نہیں ہوتے تھے۔"
"تو یوں کرو اپنی امی سے ہی بجٹ بنوا لیا کرو۔" ثانیہ کو تو آگ ہی لگ گئی۔
"اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے۔"
عبید کو غصہ آ گیا۔ اب اس کی ماں کا ذکر سننا بھی گوارا نہ تھا۔
"ہر بات میں امی امی..... ماں کا پہاڑہ ہی ختم نہیں ہوتا۔" وہ غصے میں بڑبڑاتی کمرے میں گھس گئی۔
عبید نے بھی پلیٹ پرے دھکیل دی۔ سامنے پڑا کھانا زہر ہو گیا تھا۔ پھر گھر سے ہی نکل گیا۔ ثانیہ کو لگا غصہ ٹھنڈا ہونے پر وہ اسے منانے آئے گا۔ مگر بہت دیر تک جب کوئی آہٹ نہ ہوئی تو وہ بے چین ہو گئی۔
"اب کیا کر رہا ہے۔ اندر کیوں نہیں آتا....."
مجبوراً اٹھ کر باہر آنا پڑا۔ کھانا اور پیسے ویسے ہی پڑے تھے۔ عبید گھر سے غائب تھا۔ ثانیہ کو غصے سے زیادہ رونا آ گیا۔

☆☆☆

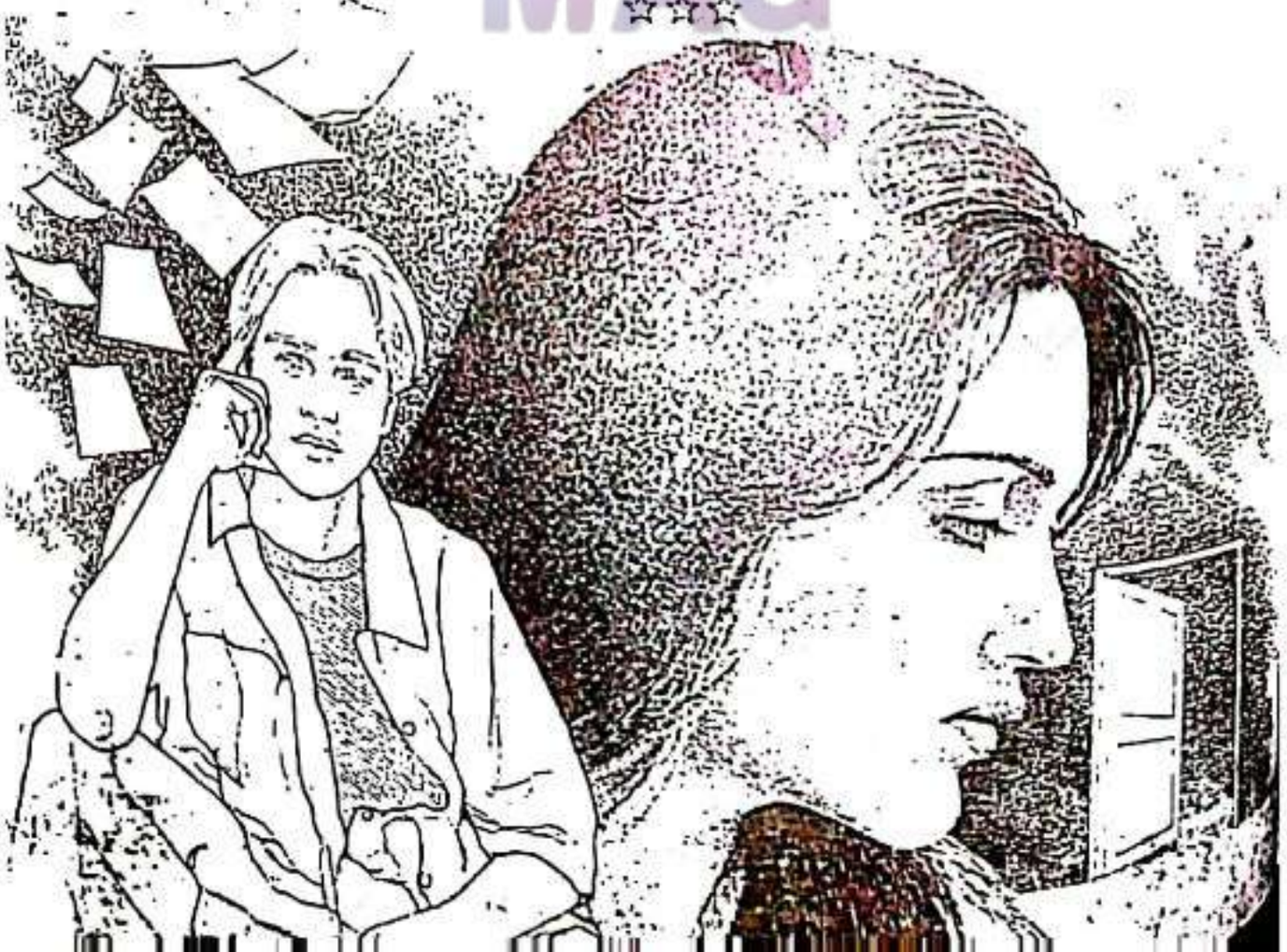

''مجھے یقین نہیں آرہا۔''
''یقین تو مجھے بھی نہیں آیا تھا۔'' نتاشا نے پیزا کھاتے ہوئے کہا۔ آج آلو گوبھی پکی تھی جو اس کے حلق سے تو اترتی ہی نہ تھی۔ سو اس نے پیزا آرڈر کرلیا۔
''اور میری جان کھائی ہوئی ہے کہ پیسے ختم ہوگئے ہیں۔ جلدی بھیجو۔'' وسیم نے بے چینی سے پیشانی مسلی۔
''بس تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر بتانا بھی ضروری تھا۔''
''مگر عبید کی آمدنی اتنی کم تو نہیں کہ ثانیہ کے خرچے پورے نہ کرسکیں۔''
اس دن ملازمہ نے نادرہ کو دیکھ لیا تھا کہ اس نے ثانیہ کو پیسے دیے تھے۔ ظاہر ہے اس نے نتاشا کو بتانا ہی تھا نتاشا کو یہی لگا کہ اس کے شوہر کی کمائی بے دریغ لٹائی جارہی تھی۔
''اس کی آمدنی کم نہیں ہوگی۔ مگر ثانیہ کی خواہشات بے بہا ہیں۔ مہینے کے شروع میں شاپنگ ہوٹلنگ اور آخر میں اس طرح میکے سے پیسے ہتھیانا کس قدر شرم ناک ہے، تم کون سا امریکہ میں بیٹھے ڈالرز کمارہے ہو اور اصل میں تو تمہاری امی کو احساس کرنا چاہیے۔ وہ کس طرح تمہاری محنت کی کمائی بیٹیوں پر لٹارہی ہیں۔ ایک میں ہوں کہ ملازمہ کی تنخواہ تک پاپا سے لے کر دے رہی ہوں۔''
''میں امی سے بات کرتا ہوں۔''
''اس کا کیا فائدہ۔ وہ تو یہی کہیں گی کہ میں نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔''
''تو اس کا کوئی حل تو ہوگا نا یا اسی طرح اپنی کمائی خاموشی سے لٹاتا رہوں۔'' وسیم جھنجھلا گیا۔
''حل تو ہے۔'' نتاشا نے بچا ہوا پیس ڈبے میں رکھا۔
''اگر تم مجھ پر اعتبار کرو تو۔''
اور اعتبار کی کیا بات تھی۔ اس وقت وسیم کو سب سے زیادہ اعتبار اپنی جان نثار، وفادار اور ایمان دار بیوی پر ہی تھا۔ ورنہ ماں بہنوں نے تو ہمیشہ اپنے مقاصد کے لیے استعمال ہی کیا تھا۔
نتاشا اسے دھیمے لہجے میں سمجھانے لگی کہ اب انہیں کس طرح چلنا ہے۔ وسیم کی تمام ڈوریں اب اسی کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ جب چاہتی اور جو ڈور چاہتی ہلا دیتی۔

☆☆☆

زارا کب سے اندھیرے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔ ذہن عجیب سوچوں کی آماجگاہ بنا تھا آج اس گھر میں اس کی آخری رات تھی۔ کل عفان کو آنا تھا اور اسے یہاں سے جانا تھا۔
''اس گھر کے مکینوں سے اتنی محبت تھی تو ہمیشہ کے لیے رک کیوں نہ گئیں، عفان سے شادی کرکے۔''
اندھیرا چھٹا اور منظر نمایا ہوا۔
''بی بی جان خدا کا واسطہ ہے مجھے بار بار ایک فضول بات کے لیے فورس مت کریں۔ میری بھابھی ہے مرحوم بھائی کی بیوہ ہے۔ میں کیسے اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہوں۔''
جب جب بی بی جان نے یہ بات کی عفان نے اسی طرح احتجاج کیا۔
''ان حالات میں، میں اس سے بہتر فیصلہ نہیں کرسکتی۔ مانی ہمارے پاس رہے گا۔ وہ اس گھر کی بہو ہے۔ بہو بن کر رہے گی۔''
''آپ اسے بیٹی بنا کر ہمیشہ کے لیے گھر میں رکھ لیں۔ مگر مجھ سے یہ توقع مت کریں۔'' عفان کا لہجہ دوٹوک تھا۔
''تمہاری کزن ہے اور تم دونوں کی کتنی دوستی، کتنی بے تکلفی ہے۔''

URDU NOVELS IMAGE
digest library.com

"اور آپ ہی نے مجھ پر زور دے کر زارا کو بھابھی کہلوایا ایک احترام کا رشتہ بنایا۔ میں اس سے ہٹ کر زارا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور زارا تم..... تم کیوں چپ ہو۔" وہ تیزی سے خاموش بیٹھی زارا کی طرف مڑا۔

"بی بی جان! عفان ٹھیک کہہ رہا ہے یہ ہم دونوں کے لیے ممکن نہیں۔ پلیز ہمیں مجبور مت کریں۔" زارا کا لہجہ حتمی تھا۔

دروازہ کھلا تو ماضی کا دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔

"زارا کھانا کھالیں۔" ارم آئی تھی اور اس کے ساتھ روشنی بھی۔

"ارم....." وہ جانے لگی تھی جب زارا نے اسے پکارا۔

"میں یہاں عفان کے لیے نہیں آئی۔" ارم نجانے کیوں شرمندہ ہو گئی۔

"نہیں، زارا میری بات کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"اس سے کہو وہ میرا بچہ دے دے۔ میں کبھی پلٹ کر نہیں آؤں گی۔" اس کی آواز میں اتنی تڑپ تھی کہ ارم سن سی ہو گئی۔

☆☆☆

مہینے کی پانچ تاریخ ہونے کو آئی۔ وسیم نے ابھی تک گھر کا خرچہ نہیں بھیجا تھا۔ ورنہ ہر یکم کو وہ پیسے بھجوا دیا کرتا تھا چند دن انتظار کے بعد نادرہ کے کہنے پر شبیر نے اس سے کال کر کے پوچھا۔

"تم نے اس دفعہ ابھی تک پیسے نہیں بھجوائے بیٹا، کیا ہوا سیلری لیٹ ہو گئی تھی۔"

"نہیں سیلری تو وقت پر مل گئی تھی۔" وہ شاید آفس میں بزی تھا۔

"اچھا تو وقت نہیں ملا ہو گا۔" شبیر نے خود کو تسلی دی۔

"نہیں ابا! وہ پیسے میں نے نتاشا کے اکاؤنٹ میں بھجوا دیے تھے۔" وسیم کے لاپرواہ لہجے نے شبیر کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔

"ب..... بہو کے اکاؤنٹ میں مگر کیوں؟"

"ابا آپ پر سے بوجھ کم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ریلیکس کریں سارے معاملات نتاشا دیکھ لے گی۔ وہ بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔" "ہاں مگر....."

"ابا آفس میں ہوں۔ پھر بات کرتا ہوں۔"
اس نے بات کیا کرنی تھی۔ اس نے تو بات ہی ختم کردی۔ نادرہ نے تو سن کر کلیجہ ہی تھام لیا۔ "یعنی اب وسیم کی تنخواہ نتاشا کے پاس آئے گی۔ مطلب وہ ایک ایک روپے کے لیے بہو کا منہ دیکھیں گی۔
مطلب کوڑی کوڑی کی محتاج ہوں گی۔
"وہ کل کی آئی ہر چیز پر قابض ہوگئی۔ ارے ہم ماں باپ ہیں۔ ہمارا حق اس سے کہیں زیادہ ہے۔"
دادی نے نادرہ کے واویلے پر کھانسیں کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔
"پھر کیا ہوا؟ ثانیہ کو بھی تم یہی کہتی تھیں۔ جاتے ہی عبید کی تنخواہ اپنے قابو میں کرنا۔ اس پر صرف تمہارا حق ہے۔ بڈھا تو خود کمارہا ہے اسے عبید کی کمائی کی کیا ضرورت۔"
پتا نہیں بوڑھے ہو کر انسان کو سچ بولنے کا ہوکا کیوں ہو جاتا ہے۔ وہ بھی بے وقت ہر وقت اور بے تکا سچ۔ یہ کون سا وقت تھا ایسی باتیں یاد کروانے کا۔
وہ دل میں تلملائیں۔ اور بے بسی سے ہاتھ مسلے۔
"ثانیہ نے کتنا کہا تھا۔ بہت چالاک لڑکی ہے اس سے مت کریں وسیم کی شادی۔ ہماری مت ماری گئی تھی جو اسے نکال کر تاریخ لینے چلے گئے۔ کیسا قابو کیا ہے۔ کم بخت نے۔"
"کچھ تو سوچنا ہوگا۔ میری پنشن میں گزارہ کہاں ہوگا۔ ہم اس طرح بہو کے محتاج تو نہیں ہو سکتے۔" شبیر نے ٹھوڑی کھجائی۔
تب ہی نتاشا اپنے کمرے سے نکلی۔ شاید کہیں جانے کی تیاری تھی۔
"نتاشا بیٹی۔" شبیر نے بے اختیار پکار لیا۔
وہ بادل نخواستہ رکی۔
"کہیں جارہی ہو۔"
"جی....."
"کہاں؟" نادرہ کے پوچھنے پر اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
"اب مجھے ہر جگہ جانے سے پہلے آپ کو بتانا ہوگا۔"
"ارے نہیں تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ جہاں مرضی آؤ جاؤ۔" شبیر نے تیزی سے مداخلت کی۔ ساس بہو کی بحث میں اصل مدعا نہ رہ جائے۔
"میں کہہ رہا تھا۔ وسیم نے گھر کے خرچے کے پیسے غلطی سے تمہارے اکاؤنٹ میں ڈال دیے ہیں تو....."
"غلطی سے کیوں کرے گا۔ وہ کیا بچہ ہے۔" نتاشا مسکرائی۔
نادرہ اور وسیم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"اچھا تو وہ نکلوا کر لادو۔ میں سودا سلف لے آؤں۔" انہوں نے بات سمیٹی۔
"انکل اس کی اب آپ فکر چھوڑ دیں۔ وہ سب اب میں کرلوں گی۔" نتاشا نے جس اطمینان سے کہا۔ نادرہ کو اتنا ہی غصہ آ گیا۔
"تم کیوں کروگی۔ گھر کے بڑے مر گئے ہیں کیا؟"
"آنٹی! گھر کے بڑے اب ریٹائرمنٹ لے لیں۔ کیونکہ یہ گھر کس طرح چلے گا۔ کیسے چلے گا۔ وہ اب میں مینج کرلوں گی۔ دادی آپ کو کچھ چاہیے تو بتادیں۔ میں واپسی پر لیتی آؤں گی۔"
"ہاں ہاں وہ پھولا پھولا کیک لے آنا چائے کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔" دادی نے خوش ہو کر بتایا۔

URDU NOVELS MAG
digest library.com

نتاشا ہاتھ ہلا کر چلی گئی۔ نادرہ اور شبیر کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ بس ٹکر ٹکر ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ دونوں کی حالت معزول بادشاہ کی سی تھی۔ جس کا راج پاٹ چھن گیا ہو۔

☆☆☆

''میں کچھ ہیلپ کرواؤں؟'' جب بھی گھر میں ٹینشن ہوئی۔ عبید کو ہی پہل کرنا پڑتی۔

''آلو مٹر ہی پکانے ہیں۔ میں کون سا چکن تکہ بنانے لگی ہوں۔'' وہ مٹر نکال چکی تھی۔ اب آلو کاٹ رہی تھی۔ جتنی اسے ان روایتی سبزیوں کو پکانے سے چڑ تھی۔ اتنی ہی مہینے کے آخری دنوں میں پکانی پڑ جاتی تھیں۔

''مجھے تو تمہارے ہاتھ کے آلو بھی تکے کا مزا دیتے ہیں۔'' عبید نے اس کی صراحی دار گردن پر انگلی پھیری۔ ثانیہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''یار گزر جائے گا یہ وقت ہمیشہ ایسے ہی تھوڑی رہیں گے۔'' عبید نے تسلی دینا چاہی۔ ''لاؤ آلو، میں کاٹ دیتا ہوں۔''

''ابھی دو ہیں تو یہ حال ہے تین ہوں تو پتا نہیں کیا حال ہوگا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''تم تین ہونے کی تیاری تو کرو۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔'' عبید شوخ ہوا۔

''جیسے اب دیکھ رہے ہو۔''

ان کی باتوں کے درمیان ہی ثانیہ کا موبائل بجنے لگا۔

''امی کی کال ہے۔ میں سن لوں۔'' ثانیہ نے موبائل اٹھایا اور ٹوکری عبید کی طرف کھسکا دی۔ عبید سٹپٹا گیا۔ یعنی اس نے تو بس صلح ماری تھی یہ نہیں پتا تھا۔ سچ میں کاٹنے پڑیں گے۔ جبکہ وہ موبائل لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

دوسری طرف نادرہ اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ گھر کا سارا انتظام نتاشا کے ہاتھ میں تھا۔

''اب مجھے کیا بتا رہی ہیں..... بھگتیں۔'' ثانیہ بے زار ہوگئی۔

''تم آجاؤ نا۔''

''اماں میں نہیں آ رہی۔ آپ کی بہو آپ کے سامنے میری اتنی بے عزتی کر جاتی ہے اور آپ لوگ ایک لفظ نہیں بولتے۔''

''وہ یہی تو چاہتی ہے کہ میری بیٹیاں میرے گھر نہ آئیں اور اس کا جو دل چاہے ہمارے ساتھ سلوک کرے۔ تمہیں کیا پتا وہ ہمارے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے۔ رابعہ نے تو آنا ہی چھوڑ رکھا ہے۔ بچوں کے ساتھ گھر سنبھالنا اس کے پاس وقت کہاں ایک تمہارا آسرا تھا تم بھی جان چھڑا لو۔'' وہ روہانسی ہوگئیں۔

''میں نے تمہیں کہا تھا سر پر چڑھائیں۔ شروع سے لگام دی ہوتی۔''

''لگام ڈالنی آتی تو پہلے تمہاری پھوپھی کو نہ ڈالتی..... کل آ کر سیاپا کر کے گئی ہے کہ تمہاری دادی کو ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں لے جاتے۔ اب بڈھی جان کو کہاں ہسپتالوں میں خوار کریں۔ آخری وقت تو سب پر آنا ہے۔ اللہ گھر میں ہی لائے۔'' نادرہ تو ہر صبح اسی آس میں اٹھتی تھیں کیا پتا بوڑھی ساس نے رخصت سفر باندھ ہی لیا ہو۔

''اچھا لگاؤں گی چکر، پہلے پھوپھو سے نمٹنا پڑتا ہے۔ اب بھابھی سے دو دو ہاتھ کروں۔ ہمیشہ میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا۔ اب میں اپنے گھر کے مسائل دیکھوں یا.....'' ثانیہ بے زاری سے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟ خدا خیر کرے۔''

''ہونا کیا ہے؟ مہینے کے آخری دن چل رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ پیسے کہاں اڑ جاتے ہیں۔''

''ماں صدقے جائے تم کیوں پریشان ہوتی ہو یہاں کچن بھرا پڑا ہے سامان سے۔ پہلا ختم نہیں ہوتا اور لا کر رکھ دیتی ہے۔ جیم..... جیلیاں نوڈل شوڈل الماریاں بھری ہیں فریج میں بھی نجانے کیا کیا ٹھونس رکھا ہے۔ جو دل چاہتا ہے

آ کرلے جا...... یہ تو بکری کی طرح پستے بادام لاتی ہے اور ٹھونستی چلی جاتی ہے۔ جار کے جار بھرے ہیں۔"

"ہاں اور آپ کی بہو لے جانے دے گی؟"

"اس کے باپ کی نہیں۔ میرے بیٹے کی کمائی ہے۔ اور اسے پتا کون چلنے دے گا۔ چپکے سے نکال کر الگ رکھ دوں گی۔ اب میری بیٹی ایک ایک چیز کو ترسے اور یہ باہر والی عیش کرے۔"

"چلیں کسی دن چکر لگاتی ہوں۔" تبھی عبید نے اندر جھانکا اور بے چارگی سے پوچھا۔

"آلو کاٹ دیے ہیں۔ اب کیا پکانے بھی میں نے ہی ہیں۔"

"پکالو گے تو قیامت نہیں آجائے گی۔ ارم کو تو مچھلی بھی فرائی کر کر کے دیتے تھے۔" وہ کال کاٹ کر تنک کر بولی۔

"ٹھیک ہے پھر کھانے بھی پڑیں گے۔" عبید نے شرافت سے گردن ہلا کر در پردہ دھمکی دی۔

ثانیہ کو اٹھنا پڑا۔ اس کا بھو کا سونے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

☆☆☆

عبید کو آفس بھیج کر وہ لمبی تان کر سو گئی۔ بارہ بجے اٹھ کر ناشتہ زہر مار کیا۔ کیونکہ گھر میں پسند کی کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ پہلے خیال آیا کہ اماں کی طرف چلی جائے۔ مگر تماشا کا سوچ کر ہی دل برا ہو گیا۔ بے دلی سے ٹی وی دیکھتی رہی۔ تبھی فرخ کی کال آگئی۔

digest library.com

"میرے ساتھ لنچ پر چلو گی؟"

"میں کیوں جانے لگی۔" طبیعت پہلے ہی بے زار تھی۔

"تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔" فرخ نے اصرار کیا۔

"کیا چاہتے ہو؟ عبید ہم دونوں کو دیکھ لے۔ ہمارے درمیان جھگڑا ہو۔ تماشا ہو۔ ہمارا رشتہ خراب ہو۔" پتا نہیں کس کس بات کا غصہ اس نے فرخ پر نکالا۔ وہ ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا۔

"تم نے مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے معاف کر دیا۔ مگر عبید نے نہیں کیا اور میں تمہاری وجہ سے اپنا گھر کیوں خراب کروں گی۔" وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"دیکھو! مجھے تمہاری نیت پر شک نہیں ہے۔" فرخ کی خاموشی پر ثانیہ کا لہجہ نرم ہوا۔ "مگر ہم دونوں کا ایک دوسرے سے ملنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں شادی کر رہا ہوں۔"

"کیا؟" ثانیہ متحیر رہ گئی۔

"تمہیں اس سے ملوانا چاہتا ہوں۔" فرخ کا لہجہ سنجیدہ سا تھا۔ ثانیہ فوراً سنبھلی۔

"تو ڈھونڈلی کوئی میرے جیسی۔"

"تمہارے جیسی کہاں ملے گی۔ مگر اچھی ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کا ہونا مجھے میرا ماضی بھلا دے گا۔"

ثانیہ کے اندر کچھ چبھا۔

دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو ثانیہ کو ری پلیس کر دے۔

"تم میری واحد دوست ہو۔ اس لیے ملوانا چاہتا تھا۔"

"اب تو ملنا پڑے گا۔" ثانیہ نے ہامی بھرلی۔ وہ بھی تو دیکھے کون تھی۔ جو ثانیہ کی یادوں کو بھلا دے گی۔

☆☆☆

سامنے بیٹھی نمرہ احمد کو دیکھ کر ثانیہ کو مایوسی ہوئی۔ وہ عام سے خدوخال والی۔ سادہ شلوار قمیص میں ملبوس۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے۔ کیسے یہ عام سی لڑکی ثانیہ کی یادوں کو فرخ کے دل سے نکال سکتی تھی۔ ہاں اس کی آنکھیں پر کشش

اور رنگت صاف تھی۔
ثانیہ نے پہلو بدلا اور نیل پالش سے سجا سپید دودھیا ہاتھ میز پر رکھا۔ وہ آج بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔ اسے فرخ کے ساتھ آنے والی لڑکی سے کہیں زیادہ خوب صورت اور پرکشش لگنا تھا۔ اور وہ لگ رہی تھی۔ مگر یہاں مقابلہ ہی کوئی نہ تھا۔
نمرہ اپنے بیگ کو کھنگالتے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔
فرخ نے اشتیاق سے ثانیہ کو دیکھا۔ وہ نمرہ کے بارے میں ثانیہ کی رائے جاننا چاہتا تھا۔ ثانیہ نے کندھے اچکائے۔ گویا کوئی رائے دینے سے قاصر تھی۔
"لگتا ہے موبائل گھر بھول آئی ہوں۔" نمرہ بیگ بند کر کے ایک طرف رکھا۔
"ملاقات کی اتنی جلدی تھی۔" ثانیہ مسکرائی۔
نمرہ نے مسکرا کر فرخ کو دیکھا۔
"نہیں ملاقات تو روز ہی ہو جاتی ہے۔ شاید فرخ نے بتایا نہیں ہم دونوں ایک ہی آفس میں کام کرتے ہیں۔"
"اوہ....." ثانیہ نے ہونٹ سکوڑے۔
"اور دوستی اتنی بڑھ گئی کہ شادی تک بات پہنچ گئی۔"
"ہماری دوستی نہیں ہوئی۔ میں نے بس نمرہ کو پرپوز کیا۔" فرخ مسکرایا۔
ثانیہ پوچھنا چاہتی تھی آخر اسے نمرہ میں کیا اچھا لگا۔ مگر فرخ نے خود ہی بات جاری رکھی۔
"مجھے اس کی شرافت اچھی لگی۔ نمرہ کو خود کو نمایاں کرنے کا شوق نہیں تھا۔ بلاضرورت کسی سے بات بھی نہیں کرتی تھی۔ مگر کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو پیچھے بھی نہیں رہتی تھی۔"
فرخ کے لہجے میں نمرہ کے لیے عزت تھی احترام تھا۔ ایک حد تھی جو بے تکلفی کے باوجود ان کے رشتے میں نمایاں تھی۔ وہ اس کی طرف جھک نہیں رہا تھا بہانے سے ہاتھ پکڑنے یا چھونے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔
ثانیہ کو اندر کچھ زور سے چبھا۔
"اب یہاں بیٹھے نمرہ کی تعریفیں کرتے رہو گے یا کچھ کھلاؤ گے بھی۔ یہاں سیلف سروس ہے۔"
"اوہ میں ابھی لاتا ہوں۔" فرخ تیزی سے اٹھ گیا۔
"اس نے پرپوز کیا اور تم نے فوراً پرپوزل قبول کر لیا۔" ثانیہ اب پوری طرح نمرہ کی طرف متوجہ ہوئی۔
"عام طور پر آفس میں کام کرنے والی لڑکیاں پہلے دوستی کو ترجیح دیتی ہیں۔" ثانیہ کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جس نے نمرہ کو بے آرام کیا۔
"ہاں اس نے پرپوز کیا اور میں نے ہاں کہہ دی کیونکہ میں آفس میں بوائے فرینڈ ڈھونڈنے تو گئی نہیں تھی۔"
"تو کیا شوہر ڈھونڈنے گئی تھیں۔" ثانیہ نے محظوظی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ نمرہ کو برا لگا۔
"سوری مذاق کر رہی ہوں۔" ثانیہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ہنسی۔ نمرہ کو وہ اچھی نہیں لگی۔ بے جواز ادائیں۔ خوب صورتی کا احساس، ڈرامہ کوئین اس کی شخصیت میں تصنع و بناوٹ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔
"فرخ آپ کا بہت ذکر کرتا ہے۔"
"میں ہوں ہی اس قابل....." ثانیہ نے ترنت جواب دیا۔ نمرہ نے گہری سانس لے کر پشت ٹکائی۔ یہ لڑکی ناقابل برداشت تھی۔
"تمہیں فرخ نے بتایا۔ وہ اس سے پہلے بھی ایک لڑکی پر مرمٹا تھا۔" ثانیہ نے محتاط انداز میں دور کھڑے فرخ کو دیکھا۔

"مگر شادی نہیں ہو سکی۔ اس لڑکی نے انکار کر دیا۔"
"کیوں؟" نمرہ چونکی۔
"فرخ کی فلرٹی نیچر کی وجہ سے" نمرہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔
"وہ ہر کسی سے بہت جلدی متاثر ہو جاتا ہے۔ بے چارہ بہت ہرٹ ہوا تھا بلکہ وہ تو اس لڑکی کی بارات میں اچھا جانے دو۔" تیز تیز لہجے میں کہتے اس نے ایک دم پینترا بدلا۔
"میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی۔"
"وہ لڑکی کون تھی۔" نمرہ کی آواز دبی دبی تھی۔
"اب ساری باتیں میں ہی بتاؤں کچھ خود بھی تحقیق کروالینا آخر شادی کرنے جا رہی ہو۔ میرا تو کزن ہے۔ اب ہر بات تو نہیں بتا سکتی۔" ثانیہ نے ایک انگلی سے انگوٹھی اتار کر دوسری میں پہنی۔ نمرہ منہ پھیر کر لب کاٹنے لگی۔
"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" فرخ آرڈر لے کر آ گیا۔
"کچھ نہیں بس ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔"
"لیکن مجھے تو نمرہ کو جتنا جاننا تھا جان لیا۔" فرخ نے محبت پاش نگاہیں نمرہ کے چہرے پر مرکوز کیں۔ وہ خوش تھا اور مطمئن بھی۔
"لیکن نمرہ کو ابھی تمہیں مزید جاننے کی ضرورت ہے۔" ثانیہ کے کہنے پر نمرہ نے چونک کر ثانیہ کو دیکھا۔
"اس لیے تمہیں ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہیے۔" ثانیہ نے اپنا جملہ مکمل کرتے ان کی کہانی کو ادھورا کر دیا تھا۔

digest library.com

☆☆☆

"میں نے بہت عرصے کے بعد جب زارا کی ہنسی کی آواز سنی تو مجھے لگا۔ وہ زارا کی نہیں ہاجرہ کی ہنسی ہے۔"
وہ ان کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی۔ ہاجرہ نے گلاس لے کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"اتنا چپ کیوں رہنے لگی ہو۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں ویسے بھی آپ تو زارا کے ساتھ مصروف ہوتی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ لبوں پر آ گیا۔ تو انہوں نے مسکرا کر ارم کو پاس بٹھا لیا۔ ارم نے کچھ نہیں پوچھا تھا مگر دو بتانے لگی تھیں یا شاید زارا نے ان سے کوئی بات کی تھی۔ ابہام باتوں میں ہو تو دلوں میں خود بخود میل آ جاتا ہے۔ منظر کو صاف ہونا چاہیے۔ دھند میں سارے منظر مدھم ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اپنے فہم سے مناظر تراشتا ہے اور ضروری نہیں ذہن کی اسکرین پر بنے منظر صاف اور شفاف بھی ہوں۔
"ہاجرہ کی ہنسی جو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے اس نے اپنے شوہر کے ساتھ ہی دفن کر دی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی اس گھر میں ایک نئی ہاجرہ پیدا ہو۔ تب ہی عفان کی منت کی تھی۔ زارا کو اس کی ہنسی لٹا دو یا پھر یہ حق کسی اور کو دے دو۔ وہ نہیں مانا تو میں نے زبیر کی ماں نے اپنی بیوہ بہو کو خود اجازت دی کہ وہ اپنے حصے کی ہر خوشی جیے۔ کیا میں نے غلط کیا؟" ارم نے الجھ کر ہاجرہ بیگم کو دیکھا۔ وہ زارا کا ذکر اور انداز میں کرتی تھیں اور عفان کسی اور انداز میں۔
"عفان نے حشر اٹھا دیا تھا۔" اس کی طرف سے جواب نہ پا کر انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔
"زارا سے یہ شادی نہیں کرے گا۔" وہ اب اس گھر کا مرد تھا۔ سارا بزنس سنبھال رہا تھا۔ "یہ اس گھر میں میرے بھائی کی بیوہ بن کر رہے گی۔ میں ہر چیز بزنس گھر اپنا حصہ بھی زارا کے نام کر دوں گا۔"

''دولت اور پیسہ شوہر کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔''
ہاجرہ بیگم نے یہ مشقت جھیلی تھی۔ کیسے وہی مشقت کم عمر زارا کا مقدر کرتیں۔
''زارا شادی کرے گی۔ یہ میرا اور اس کے والدین کا فیصلہ ہے۔'' انہوں نے ساس بن کر نہیں اماں بن کر فیصلہ سنایا۔
''پھر اسے مانی کو چھوڑنا ہوگا۔'' عفان کی ضد۔
''میں اپنا بچہ نہیں چھوڑوں گی۔'' کم عمر زارا کی ممتا تڑپ گئی۔ تب سب نے اسے مل کر سمجھایا ہی نہیں منا بھی لیا۔ بس کچھ عرصے کے لیے عفان کی ضد مدھم پڑ جائے۔ وہ بھی اپنے گھر اور سسرال میں سیٹ ہو جائے تو لے جانا کوئی اس سے اس کا بچہ نہیں چھین سکتا۔ وہ مان گئی۔
''عفان کا مطالبہ کل بھی غلط تھا اور آج بھی ہے۔'' ہاجرہ نے گہری سانس بھری تو ارم چونکی۔ وہ اس ساری صورت حال کو دوسرے زاویے سے دیکھ رہی تھی۔
''زارا اور اس کے گھر والے خاموش ہیں تو صرف میری وجہ سے اور دنیا کا کوئی قانون اتنے چھوٹے بچے کو ماں سے الگ نہیں کر سکتا۔ مگر عفان کو یہی خوف ہے کہ اگر زارا بچے کو لے گئی۔ تو ہمیشہ کے لیے ہم سے دور کر دے گی۔'' انہوں نے گہری سانس لے کر بات سمیٹی۔ ارم الجھ سی گئی تھی۔
بی بی جان! تب ہی زارا کمرے میں آئی۔ آج اسے واپس جانا تھا اور وہ صبح سے اداس بھی لگ رہی تھی۔
''ہاں میرے بچے۔''
''مانی کو بازار لے جانا چاہتی ہوں۔'' بی بی جان نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر اس نے آگے بڑھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''پلیز میں اپنے بچے کے لیے شاپنگ کرنا چاہتی ہوں۔'' بی بی جان نے لب بھینچ لیے۔
''عفان شام کو واپس آئے گا جلدی واپس آجانا۔'' آخر انہوں نے اجازت دے دی۔ تو زارا خوش ہو گئی۔

☆☆☆

بانو کو بھنڈیاں کاٹتا دیکھ کر نادرہ کو تاؤ آ گیا۔
''یہ کیا کر رہی ہو؟''
''جی سبزی بنا رہی ہوں۔''
''تیرے باپ کے سبزی کے کھیت ہیں، جو ہر روز سبزی پکانے بیٹھ جاتی ہے۔ اب اس گھر میں ساتوں دن گوشت کا ناغہ ہوگا۔'' فریج میں ہر قسم کا گوشت رکھا تھا اور یہاں جب پکتی سبزی خود نتاشا کے لیے نجانے کیا الم غلم بنا کر وہ کمرے میں لے جاتی تھی۔
''مجھے کیا پتا بیگم صاحبہ!''
''تو پکانے سے پہلے کسی سے پوچھ لو۔''
''نتاشا بی بی نے کہا تھا۔ آپ لوگوں کے لیے بھنڈی بنا دوں۔ اب تو سیزن ختم ہو رہا ہے۔ آخری بار کھالیں ہم نے تو ابھی چلے جانا ہے۔ نتاشا بی بی کے میکے میں دعوت ہے۔'' بانو نے مزے سے بتایا۔
''تو بہن ہم پر یہ بھی احسان نہ کرو۔'' نادرہ نے کھٹ سے دونوں ہاتھ جوڑے۔ ''رہنے دے جا کر بی بی کے میکے کی دعوت کھا۔''
''تو پھر میں جا کر تیار ہو جاتی ہوں۔'' وہ سب چھوڑ چھاڑ خوشی سے مڑی۔

''اماں کو کچھ کھانے کو دیا تھا۔'' خود نادرہ تو صبح سے محلے کے دورے پر نکلی تھیں۔
''مجھے تو کسی نے کہا ہی نہیں۔'' بانو معصومیت سے کہہ کر نکل گئی۔
''مارے گئے۔ بڈھی صبح سے بھوکی پڑی ہے۔'' نادرہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کمرے کی طرف لپکیں۔
دادی کا لحاف ایک طرف گرا تھا۔ خود وہ گھٹنے سکوڑے اکڑی پڑی تھیں۔ آنکھیں بند منہ کھلا آوازیں دے دے کر زبان تھک کر تالو سے لگ گئی تھی۔ وہاں سننے والا کون تھا۔
دروازہ بند، کمزور آواز، فل آواز میں چلتا ٹی وی۔ نادرہ کی چیخ وپکار پر ثناشا کو کمرہ چھوڑنا پڑا۔ اس نے نبض دیکھی چل رہی تھی۔ مگر مدھم۔
''میں ایمبولنس کو کال کرتی ہوں۔''
''ایمبولنس کیا کرے گی۔ شبیر کو بلا آصفہ کو فون کر اماں کا آخری وقت آ گیا ہے۔ بھاگ کر سورہ یاسین لا نادرہ نے دہائی دی۔ آن واحد میں سب کے سب وہاں جمع ہو گئے آصفہ نے کلیجہ پیٹ لیا۔ ''ہائے ماں چھوڑ کر نہ جانا۔''
''ساتھ ہی چلی جاؤ۔'' کلمہ پڑتی نادرہ بڑبڑائی۔ رابعہ نے چمچ بھر پانی منہ میں ڈالا۔ حلق تر ہوا تو دادی کے بل ہلے رابعہ نے دو تین چمچ اور پلا دیے۔ پھر چلائی۔
''بانو! بھاگ کر دودھ لے کر آ ؤ۔'' اس نے دادی کا سر زانو پر رکھا اور سر سہلانے لگی۔
دادی! میری پیاری دادی آنکھیں کھولیں۔ دادی نے آنکھیں کھول دیں۔
''میں صدقے میں واری میری ماں نے آنکھیں کھول دیں۔'' آصفہ نہال ہو کر چلائیں۔ بانو دودھ لے آئی تو رابعہ گھونٹ گھونٹ پلانے لگی۔
نادرہ نے کلمہ پڑھنا بند کیا اور کونے میں بیٹھ گئیں۔ جب تک شبیر آئے دادی سکون سے رابعہ کی گود میں سر رکھے مسکرا رہی تھیں۔

digest library.com

☆☆☆

نادرہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سارے کیبنٹ خالی تھے۔ ساری چیزیں غائب۔
''اللہ کل تھیلے بھر بھر کر لائی تھی اور آج نام لینے کو کوئی چیز نہیں۔'' تخت پر بیٹھی ٹانگ پر ٹانگ رکھے پاؤں جھلاتی ثانیہ نے کوفت سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا جو خوامخواہ ہی کیبنٹ کھولتی بند کرتی جا رہی تھیں۔
''میکے لے گئی ہے۔ اپنے کمرے میں رکھ گئی ہو گی۔ وہاں دیکھیں گھٹیا سوچ کی مالک ہے جو ہے جتنا دل ہے اس کا۔''
''اپنے کمرے کو تالا لگا کر جاتی ہے۔ جیسے اس گھر میں چور رہتے ہوں۔'' نادرہ مایوسی سے باہر نکلیں۔
''اب اس چار کمروں کے گھر میں تالے بھی لگیں گے۔'' ثانیہ نے آنکھیں پھیلائیں۔
''ابھی تو پتا نہیں کیا کیا ہونا ہے۔'' نادرہ پاس آ کر بیٹھ گئیں۔
''تو پھر مجھے کیوں بلایا تھا۔''
''کیا ہو گیا جو ماں سے ملنے آ گئی۔ میں نے اپنے دکھ کس سے کہنے ہیں۔ عبید تو ہر روز ماں باپ سے ملنے آ جاتا ہے۔ تم آ جاؤ گی تو کیا قیامت آ جائے گی۔'' انہوں نے غصے سے لتاڑا۔ ثانیہ بری طرح چونکی۔
''ہر روز آتا ہے۔''
''اکثر دیکھتی ہوں کئی بار آواز بھی سنی ہے۔''
''کتنا میسنا ہے۔ مجھے تو بتایا بھی نہیں۔'' ثانیہ کو غصہ آ گیا۔ عبید کا بلاوا سہارا دینے۔ ہر بات میں غصہ تھی۔

"ہاں تو تم کون سا بتا کر آتی ہو۔"
"اب کچھ کھلائیں گی یا جاؤں، لوگ بیاہی بیٹیوں کے لیے کیا کیا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اس گھر میں تو کبھی ڈھنگ کا کھانا ہی نصیب نہیں ہوا۔" عبید کا غصہ ماں کی طرف منتقل ہو گیا۔
"تو سسرال چلی جا ساس کچھ اچھا پکا کر کھلا دے گی۔"
"کوئی موقع ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔" اس نے دانت پیسے۔ تب ہی عبید کی کال آ گئی۔
"کہاں ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"امی کی طرف۔"
"ہر روز وہیں جانا تھا تو گھر لینے کی کیا ضرورت تھی۔" عبید کو غصہ آ گیا۔
"تم کون سا نہیں آتے ہو۔" ثانیہ نے تنک کر کہا۔ نادرہ نے ٹہوکا دیا۔
"میں کب سے دروازے کے سامنے کھڑا بیل پر بیل دے رہا ہوں۔"
"چابی کہاں ہے؟"
"گھر بھول گیا تھا۔"
"تو تمہاری غلطی ہے۔" عبید نے صبر کا گھونٹ پیا اور قدرے رسانیت سے پوچھا۔
"ساری غلطیاں ہی میری ہیں۔ اب گھر آؤ گی۔"
"پوچھو اس وقت گھر کیوں آیا ہے طبیعت ٹھیک ہے۔" نادرہ نے کہنی مار کر سرگوشی کی۔ ثانیہ کو بھی خیال آیا۔ پوچھنے والی بات تو پوچھی ہی نہیں۔
"کتنے سوال کرتی ہو۔ ایک ضروری فائل رہ گئی تھی۔" وہ جھنجھلایا۔
"اپنی چیزیں تو دھیان سے لے جایا کرو آ رہی ہوں۔"
"نہ ہی آتی تو اچھا تھا۔ آپ نے بھی بھوکا مارا اب اس کی بھی باتیں سننا پڑیں گی۔" وہ کھڑی ہوئی۔
"اچھا رک فریج میں گوشت کے دو پیکٹ پڑے ہیں لے جاؤ۔ بھون کر کھا لینا۔" نادرہ کو خیال آیا۔
"رہنے دیں شور مچائے گا۔" ثانیہ نے اپنا بیگ اٹھایا۔
"تم کب سے اس کے شور مچانے سے ڈرنے لگیں۔ رکو میں لاتی ہوں۔"
"ثانیہ رک گئی۔ اچھا ہے مہینے کے آخری دو دن اچھے گزر جائیں گے۔" وہ گھر پہنچی تو عبید فلیٹ کے سامنے براجمان تھا۔
"اٹھ جاؤ کیا فقیروں کی طرح بیٹھے ہو۔"
"فقیر بنا جو دیا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ آفس سے بھاگا تھا کہ پانچ منٹ میں آتا ہوں۔ اب گھنٹہ ہونے کو تھا۔ باس سے بے عزتی الگ ہونی تھی۔ عجلت میں فائل اٹھائی۔
"اب چابی لے لی ہے۔"
"کیوں تم نے پھر کہیں جانا ہے۔" وہ چڑ گیا۔
"ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔"
"تمہیں اندازہ ہے۔ یہاں سے وہاں تک کا روز کا کتنا کرایہ بنتا ہے۔"
"تم بھی پٹرول کا خرچہ کاؤنٹ کر لو۔ پیدل تو نہیں جاتے ہو۔" اس نے بھی حساب نہ رکھا۔ عبید بغیر جواب دیے غصے سے گھر سے نکل گیا۔
"کیسی فضول زندگی ہو گئی ہے میری۔" اکیلے گھر میں وہ بڑبڑاتی رہ گئی۔

☆☆☆

''بی بی جان! زارا کو کال کریں۔ کافی دیر ہوگئی ہے۔'' دو گھنٹے بعد ہی ارم کو بے چینی شروع ہوگئی۔

''آجائے گی۔ کیوں بے چین ہو رہی ہو۔ مسرت بھی ساتھ گئی ہے۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''تم چائے بنالو۔ میں نماز پڑھ لوں۔''

''جی۔'' وہ سر ہلا کر مڑی پھر شاکڈ رہ گئی۔

''السلام علیکم۔'' عفان کی جان دار آواز پر اس نے بوکھلا کر بی بی جان کو دیکھا۔ ایک لمحے کو وہ بھی کنفیوز سی ہو کر سلام کا جواب دینا بھول گئیں۔

''کیا ہوا؟'' ان کے ردعمل پر عفان خود بھی ٹھٹھک گیا۔

''آپ، آپ کو رات کی فلائٹ سے آنا تھا۔'' ارم ہکلائی۔

''کام ختم ہو گیا تھا۔ فلائٹ میسر تھی تو میں نے سوچا وقت کیا ضائع کرنا۔ لیکن آپ لوگ تو مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر ماں سے ملا۔ جو فوراً سنبھل کر دعائیں دینے لگیں۔

''تم ٹھیک ہو۔'' اس نے پلٹ کر ارم کو دیکھا۔

''جی..... جی۔'' ارم نے خوامخواہ اپنا چہرہ چھوا۔ جو تپنے لگا تھا۔

''میں نے بھی اس بار گھر کو بہت مس کیا مانی کیسا ہے؟ آپ لوگ یہاں ہیں تو وہ کہاں ہے میں ذرا اپنے بیٹے سے مل آؤں۔'' ارم بوکھلا کر اس کے راستے میں حائل ہوئی۔

''آپ پہلے فریش تو ہو جائیں۔''

''وہ تو میں اپنے بیٹے کو دیکھ کر ہی ہو جاؤں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر.....'' ارم نے مدد طلب نگاہوں سے بی بی جان کو دیکھا۔ انہوں نے گہری سانس بھری اور خود کو سنبھالا۔

''وہ گھر پر نہیں رہے.....''

''گھر پر نہیں ہے.....'' عفان پلٹا..... ''کہاں گیا ہے؟''

''زارا آئی تھی۔ تھوڑی دیر اپنے ساتھ لے کر گئی ہے..... ابھی.....''

''کیا؟.....'' وہ حلق کے بل چلایا.....

ارم کانپ کر رہ گئی..... اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا..... بی بی جان کو تو جو کچھ کہا..... وہ جس طرح کمرے میں آ کر ارم پر برسا..... اس کا بس چلتا تو کمرے کی ہر چیز توڑ پھوڑ دیتا.....

''م مجھ سے جھوٹ..... میرے ساتھ دھوکا..... کیسے کر سکتی ہو ارم؟''

وہ ڈر کے مارے دیوار سے جا لگی..... عفان کا غصہ سنجیدگی..... کام کی زیادتی سے ارم کو نظر انداز کرنا..... وہ سب ارم نے دیکھا..... مگر عفان کا یہ روپ..... اتنا دکھ اسے مانی کے جانے کا نہیں تھا..... جتنا اس بات کا ہوا کہ ارم اس سے جھوٹ بولتی رہی ہے.....

''وہ دو دن سے یہاں میرے گھر میں تھی..... کتنی بار ہماری بات ہوئی اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارہ نہیں کیا.....'' عفان نے اس کے عقب میں الماری پر ہاتھ مارا.....

''عفان میں بتانا چاہتی تھی مگر بی بی جان.....'' وہ رونے والی ہو گئی.....

''تم نے ان کے ساتھ مل کر مجھے چیٹ کیا..... بی بی جان تو ہمیشہ سے اس کے ساتھ تھیں۔ مگر تم میری بیوی

URDU NOVELS MAZA digest library.com

ہوارم..... تمہیں میری طرف کھڑا ہونا تھا....." عفان کی انگارے برساتی آنکھیں ارم کو جھلسانے لگیں۔
"عفان....." وہ سچ میں رو پڑی..... اس نے زندگی میں پہلی بار کسی مرد کو اتنے غصے میں دیکھا تھا۔
"کیونکہ تم..... تم مانی کو یہاں چاہتی ہی نہیں ہو....."
"ایسا نہیں ہے....." وہ عفان کے الزام پر تڑپ اٹھی۔
"تم یہی چاہتی تھیں کہ وہ ہماری زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلا جائے۔"
"عفان....." ارم نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو تھام لیا۔
"پلیز یہ زیادہ ہو گیا ہے..... جس معاملے میں میرا قصور ہی نہیں ہے..... آپ اس کا غصہ مجھ پر نکال رہے ہیں۔ بی بی جان اس گھر کی بڑی ہیں۔ میں کیسے ان کے خلاف جا سکتی تھی۔"
"مجھے....." عفان نے دانت پیستے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھا..... "اپنی زندگی میں ایسے انسان کی ضرورت نہیں ہے..... جو میری سوچ..... میرے فیصلے اور میری خواہش کے خلاف چلتا ہو..... جسے اپنے شوہر سے زیادہ دوسروں کی پرواہ ہو....." اس نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔
ارم دم بخود رہ گئی.....
اس نے آنسو برساتی نگاہوں سے اپنے محبوب شوہر کو دیکھا۔ جو ایک ہی پل میں اسے اجنبی کر گیا تھا۔ ارم کی مشقت اس کی محنت..... دن رات کی ریاضت..... سب ایک پل میں ملیامیٹ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"اس پر کیوں برس رہے ہو۔ مجھ سے بات کرو....." وہ جس جارحانہ انداز میں باہر کی طرف جا رہا تھا..... اسی انداز میں پلٹا۔ ہاجرہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں..... اولاد مدمقابل ہو تو ماؤں کو لڑنے کے لیے بڑی مشقت سہنا پڑتی ہے..... اولاد سے پہلے خود سے لڑنا پڑتا ہے، یہ نہ ہو تو اولاد کو محبت میں حق پر ہوتے ہوئے بھی ہار جاتی ہیں..... اور مائیں تو اکثر ہار جاتی ہیں..... وہ ہار نہیں مائیں گی....." ہاجرہ نے تہیہ کر لیا تھا۔
"آپ سے کیا بات کروں....." آنکھیں میں برہمی..... لہجے میں بدتمیزی..... ہاجرہ نے گہری سانس لے کر فیک لگائی..... انہیں سہارا درکار تھا.....
"آپ تو شروع سے ہی نہیں چاہتی تھیں کہ زارا اور مانی یہاں رہیں۔ موقع دیکھتے ہی اپنے بیٹے کی اولاد کو بھی گھر سے نکال دیا۔"
زارا کے قدم دروازے میں ہی ٹھٹھک گئے..... اس نے مانی کو اٹھایا ہوا تھا اور عقب میں مارے ڈر کے مسرت کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز پھسل رہے تھے.....
صاحب آ گئے ہیں..... اطلاع گیٹ پر مل گئی تھی..... اور صاحب کتنے غصے میں ہیں..... اس کا اندازہ لاؤنج کے دروازے میں ہی ہو گیا تھا..... ہاجرہ کی نگاہ زارا پر پڑی..... تو طمانیت کی لہر سی سارے وجود میں دوڑ گئی.....
"کیسی دادی ہیں؟ آپ کے مرحوم بیٹے کی نشانی تھا۔ کیسے کر سکتی ہیں آپ....." نجانے کیوں اسے یقین تھا کہ ہاجرہ نے مانی کو زارا کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بھیج دیا ہے۔
"یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے عفان....." زارا کی آواز پر وہ پنجوں کے بل گھوما۔
"مانی کو لے جانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" وہ تیر کی طرح لپکا اور جھپٹ کر مانی کو اس سے چھین لیا۔
زارا کو تاؤ ہی آ گیا۔
"مانی کو لے جانے کے لیے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے....."

اس کے لہجے کی پھنکار نے عفان کو آگ ہی لگا دی.....
ارم تیزی سے باہر آئی۔ اس نے زارا کی آواز سن لی تھی۔
"آج کے بعد تم مانی کے آس پاس بھی نظر آئیں تو میں تمہاری جان نکال لوں گا....." وہ انگلی اٹھا کر پھنکارا۔
"عفان، تمیز سے بات کرو....." بی بی جان نے اختیار ٹوکا۔ "تمہارے بھائی کی بیوہ ہے..... تمہارا کوئی حق نہیں اس سے اس لہجے میں بات کرنے کا....."
"بھائی کی بیوہ بن کر رہتی تو سر آنکھوں پر بٹھاتا....."
"کیوں رہتی تمہارے بھائی کی بیوہ بن کے....." بی بی جان کا جلال عود کر آیا..... ابھی تک وہ بیٹے کے پریشر میں تھیں..... ایک دم اندر کی عورت بے دار ہوئی۔
"اتنی سی عمر میں یہ کیوں اپنی ساری خوشیاں تمہارے بھائی کی قبر میں دفن کر دیتی..... کیا خدا نے عورت کو روکا ہے کہ وہ دوسری شادی نہ کرے۔ شوہر مر جائے تو نہ ہنسے نہ اچھے کپڑے پہنے..... اپنے سارے فطری تقاضوں کو آگ لگا کر صرف اپنے مرحوم شوہر کا بچہ پالے..... بلکہ ہمارا مذہب تو بیوہ اور طلاق یافتہ عورت کے دوسرے نکاح پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے....."
عفان نے کچھ کہنے کو لب کھولے..... بی بی جان ہاتھ اٹھا کر گرجیں۔
"چپ کر کے میری بات سنو....." عفان نے لب بھینچ لیے۔ ماں کا اتنا احترام تو دل میں تھا ہی کہ سب کے سامنے نہ چاہتے ہوئے بھی چپ کر کے ان کی بات سن لیتا..... مسرت کھسک کر ارم کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔
"زارا کی شادی میں نے کروائی ہے۔ اور یہ سوچ کر کروائی تھی کہ اگر اتنی سی عمر میں میری بیٹی بیوہ ہو جاتی تو میں اس کے لیے کیا سوچتی.....؟
مڑ کر زارا کو دیکھو عفان..... اس کی جگہ تمہاری بہن ہوتی..... تب بھی تم یہی چاہتے..... اور فرض کرو..... زبیر کی جگہ زارا مر جاتی..... تم زبیر سے بھی یہی ڈیمانڈ کرتے کہ دوسری شادی کے بجائے تمہیں بیٹھ کر اپنے بچے پالنے چاہئیں....." عفان ایک لمحے کو ماؤف سا ہو گیا۔

"کبھی بھی نہیں..... تب عفان کو اپنے بھائی کی تنہائی اور بے رنگ زندگی کا خیال ستانے لگتا....." جواب زارا نے دیا تھا۔ اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔
"مرد ہے نا....." بی بی جان کا لہجہ مدھم ہوا..... جس میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی۔
"اس لیے سوچتا ہے کہ ساری قربانیاں صرف عورت کے لیے لکھی گئی ہیں..... مگر میرا اللہ ظالم نہیں ہے..... وہ عورت کو چانس دیتا ہے۔ اسے پوری اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حصے کی خوشیاں کسی اور کے ساتھ تلاش کرے جو اس کا شوہر ہو۔ اس کا محافظ ہو۔" بات ختم کرتے کرتے ان کا لہجہ بھیگ گیا۔
سکوت کی گہری چادر سارے ماحول پر چھا گئی۔ پھر عفان کی سرسراتی آواز نے اس سکوت میں دراڑ ڈال دی۔
"بس ہو گیا....."

digest library.com

ارم نے حد حیرت سے عفان کو دیکھا۔ وہ جو بی بی جان کی باتوں پر اندر تک پگھل گئی تھی۔ وہاں عفان ویسے کا ویسا تھا..... پتھر دل..... کہیں کوئی لچک نہیں.....

"تو جاؤ..... جا کر اپنے حصے کی خوشیاں تلاش کرو۔ بار بار ہماری زندگی میں دخل دینے کیوں آ جاتی ہو....." وہ مڑ کر زارا پر غرایا.....

"میرا آدھا وجود ہے یہاں..... میں تو بار بار آؤں گی..... اور جب میں اپنے بچے کو اپنے ساتھ رکھ سکتی ہوں اور میرے شوہر کو بھی کوئی اعتراض نہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے....." زارا چڑ گئی.....

"کیونکہ مجھے تم پر اعتبار نہیں....." عفان سفاکی سے گویا ہوا۔

"اپنی خوشیوں میں گم ہو کر اسے بھول جاؤ گی....."

"تم بھی تو اپنی دنیا میں گم ہو....." زارا کی نگاہ ارم کی طرف اٹھی۔

"کل کو تمہاری اولاد ہو گی تو اس کی حیثیت کیا ہو گی۔ میں تو اس کی ماں ہوں۔"

"یہ میرے لیے ہر کسی سے زیادہ اہم ہے....." عفان نے اس پورے ہنگامے سے سہمے بچے کو مزید خود میں بھینچ لیا۔

"وہی مرغے کی ایک ٹانگ....." زارا کا ضبط جواب دے گیا۔

"بی بی جان....." وہ ان کی طرف مڑی.....

"میں نے آج تک صرف آپ کی خاطر صبر کیا تھا۔ کیونکہ آپ نے مجھے اس گھر سے بیٹیوں کی طرح رخصت کیا تھا..... مگر اب نہیں....." اس نے شرربار نگاہوں سے عفان کو دیکھا۔

"اب میں کورٹ میں جاؤں گی۔" ایک لمحے کو سب ششدر رہ گئے۔ زارا کا لہجہ ٹھوس اور بے لچک تھا۔ عفان نے چبھتی نگاہوں سے زارا کو دیکھا۔

"ضرور، اگر تمہارا شوہر پیسے دینے پر آمادہ نہیں ہوا تو مجھ سے لے لینا..... میں کورٹ میں ثابت کر دوں گا کہ تم اپنے بچے کی حفاظت کی اہل نہیں ہو....." عفان نے گویا چیلنج کیا تھا.....

"دیکھتے ہیں....." زارا نے چیلنج قبول کر لیا۔

ارم نے گھبرا کر بی بی جان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ انہوں نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ عفان ایک ایسی لڑائی لڑنے جا رہا تھا جس میں ہار اسی کی ہونا تھی۔

☆☆☆

ارم نے بہت دیر انتظار کیا..... وہ مانی کے کمرے میں تھا..... کھانا بھی وہیں منگوا کر کھایا.....

"نہیں، اس وقت مجھے غصہ نہیں دکھانا۔ عفان پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہیں۔" بہت دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ مانی کے کمرے میں آئی..... نیلگوں روشنی میں مانی سو رہا تھا..... ماں کے ساتھ کئی گھنٹے مزے کرنے کے بعد وہ تھک گیا تھا۔ عفان جاگ رہا تھا۔

مانی کے ساتھ لیٹا اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیرتا ارم کو دیکھ کر کروٹ بدل گیا۔

"سو گیا ہے....." ارم نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ عفان نے جواب نہیں دیا۔

"آپ بھی آ کر سو جائیں....." ارم نے دھیرے سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ عفان نے ہاتھ ہٹا دیا۔ ارم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"عفان، میرا کیا قصور ہے؟" عفان ایک دم اٹھا..... اسے بازو سے کھینچ کر کمرے سے باہر لے آیا۔

"تمہیں نظر نہیں آ رہا..... بچہ سو رہا ہے....." وہ دھیمی آواز میں غرایا۔

"مجھ سے اس طرح بات کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا....." وہ واپس جانے لگا۔

ارم سامنے آ گئی..... "آپ کو نہیں بتایا تو آپ ناراض ہو رہے ہیں۔ بتا دیتی تو بی بی جان ناراض ہوتیں....."

"تمہیں میری بات سننا ہے ارم..... میں کیا کہتا ہوں تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے..... بھلے تمہیں بی بی جان نے روکا ہی کیوں نہ ہو....." ارم نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا..... وہ کتنے اکھڑ اور اجنبی انداز میں بات کر رہا تھا.....

"میں تب بھی شاید یہی کرتی....." اس نے بہت ہمت کر کے کہہ دیا۔

"کیا....." عفان کو لگا۔ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے.....

"کیونکہ مجھے لگتا ہے..... آپ غلط ہیں....."

"تم ہوش میں ہو....."

"میں نے زارا کو قریب سے دیکھا ہے عفان..... اس میں ایک ماں کو تڑپ دیکھی ہے اور آپ ایک ماں کو اس کے بچے سے دور کر کے غلط کر رہے ہیں....."

"رئیلی؟" عفان نے دیوار پر ہاتھ رکھ کر ارم کو بہت غور سے دیکھا.....

"ہوں....." ارم نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی..... اسے خوش فہمی ہو گئی تھی کہ وہ عفان کو سمجھا سکتی ہے.....

عفان نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ کر چہرہ اوپر اٹھایا اور غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ارم کو لگا وہ اس کی بات سننے پر آمادہ ہے.....

مگر وہ بولا تو اس کے الفاظ نے ارم کو کاٹ کر رکھ دیا۔

"مجھ سے تمہیں پہچاننے میں بہت بڑی غلطی ہوئی ارم..... مجھ پر یہی ثابت کرتی رہیں کہ تم مانی سے بہت پیار کرتی ہوں..... اصل میں تو تمہیں سب سے زیادہ اس کی موجودگی پر اعتراض تھا....."

☆☆☆

عبید نے فریج کھول کر جائزہ لیا۔ ضرورت کی ہر چیز ہی موجود تھی۔ اس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔ جو اس کے لیے چائے کے ساتھ فرنچ ٹوسٹ بنا رہی تھیں۔

"امی! مہینے کے آخری دنوں میں کیسے سب مینج کر لیتی ہیں....."

عبید نے فریج بند کر دیا.....

"بھئی ہم پر کون سی ذمہ داریاں ہیں..... دو تو جی ہیں....." وہ مسکرائیں.....

"ہم بھی دو ہی ہیں..... لیکن مہینے کے آخر تک پیسے نجانے کہاں اڑ جاتے ہیں....." عبید نے بے بسی سے کندھے اچکائے.....

"تمہاری تنخواہ اتنی کم تو نہیں..... بجٹ بنا کر چلو....." انہوں نے فرنچ ٹوسٹ پلیٹ میں نکال کر اس کی طرف بڑھائے..... خود چائے نکالنے لگیں۔

"کوشش تو کی تھی مگر....."

پہلے بیسک خرچے پورے کیا کرو..... رینٹ..... بلز..... پھر جو رقم بچے اسے چار ہفتوں پر تقسیم کر لو۔ تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔ ایک ہفتے میں کتنا خرچ کر سکتے ہو..... آسائشات اور ضروریات میں فرق کرنا سیکھو..... جب انسان گھر بیٹ کر رہا ہوتا ہے تو اسے سنبھل کر چلنا پڑتا ہے....."

URDU NOVELS MAG
digest library.com

انہوں نے رسانیت سے سمجھایا.....
(یہ بات ثانیہ کو کون سمجھائے.....)
''آج پے نکلوائی ہے.....میرے ساتھ چلیں.....گروسری کرلیں.....''
''نہیں بیٹا.....ثانیہ کے ساتھ جاؤ۔اسے اچھا نہیں لگے گا.....''
''امی!اس کا ہاتھ نہیں رکتا.....خریدنے پر آتی ہے تو ہر چیز خریدتی چلی جاتی ہے.....''
''اچھا.....میں تمہارے ابو سے پوچھ لوں.....ساتھ انہیں چائے بھی دے آؤں.....'' بیٹے کو اصرار کرتا دیکھ کر وہ پسیج گئیں.....توفیق صاحب نے بیٹے کو گلے تو لگالیا تھا.....مگر ابھی تک دل سے گلے نہیں گئے۔تب ہی وہ بس خیر خیریت پوچھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔عبید بیٹھ کر کھانے لگا.....ماں کے ہاتھ کا ذائقہ ہی الگ تھا۔
تب ہی ثانیہ کی کال آ گئی.....
''کہاں ہو عبید؟.....کب سے انتظار کررہی ہوں تم آئے ہی نہیں کب سے انتظار کررہی تھی.....''اس کے لگاوٹ بھرے لہجے پر نجانے کیوں عبید کو پہلی بار کوفت محسوس ہوئی۔
''ہم نے گروسری کے لیے جانا تھا.....''
پہلی تاریخ کو وہ اتنی پرجوش ہوجاتی تھی۔
''امی کی طرف بیٹھا ہوں۔آجاؤں گا ایک دو گھنٹوں میں.....''عبید نے سنجیدگی سے بتایا.....ثانیہ کو تپ چڑھ گئی.....
''ان سے کیا گروسری کی لسٹ بنوا رہے ہو.....''
''یہی سمجھ لو.....''عبید نے آرام سے کہہ کر کال کاٹ دی.....ثانیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی.....
''اتنی کوششوں کے باوجود بھی رابطے بحال ہیں.....ماں کے گھٹنے سے لگا پٹیاں پڑھ رہا ہوگا۔احساس ہی نہیں ہے کہ بیوی گھر میں اکیلی انتظار کررہی ہے۔لگتا ہے پھر سے ہنگامہ کرنا پڑے گا.....
وہ جلتی کڑھتی رہی.....

digest library.com

''چلا گیا.....''
توفیق صاحب نے چائے کا کپ آسیہ کے ہاتھ سے لیتے پوچھا.....
''نہیں.....چائے پی رہا ہے.....آپ بھی آجاتے.....ہمارے ساتھ چائے پی لیتے.....'' آسیہ نے کہا.....تو نظریں چرا گئے.....
''اب دل صاف کر بھی لیں توفیق.....''
''تمہارا صاف ہوگیا کافی ہے.....''
''وہ محسوس کرتا ہے.....''
''کرنے دو.....اسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی۔یہی کافی ہے.....'' آسیہ نے بے بسی سے گہری سانس لے کر بات بدلی۔
اچھا ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی.....میں تھوڑی دیر عبید کے ساتھ مال چلی جاؤں۔
وہ چاہ رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ گھر کا کچھ سامان خرید لاؤں.....''توفیق صاحب کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ گیا۔

''توفیق پلیز.....'' آسیہ نے — ملتجی انداز میں ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا.....
''کیا چاہتی ہو.....تمہاری بہو ایک بار پھر آ کر ہماری بے عزتی کرے.....بھول گئیں جب ثانیہ ہم سے پیسے لینے آئی تھی اس نے کیا کہا تھا.....''
''بس جانے بھی دیں.....''
عبید دروازے میں ہی رک گیا.....
''کہ ہم اس کے شوہر کی کمائی کھا گئے ہیں.....'' وہ ضبط کرتے کرتے پھٹ پڑے.....
''اور کیا بتایا تھا کہ عبید کہتا ہے میرا باپ بے حس ہو گیا ہے۔''
''مت کھولیں پرانی باتیں.....وہ وقت گزر گیا ہے.....''
''میرے لیے تو ٹھہر گیا.....'' انہوں نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔
''وہ میرا بیٹا ہے.....بغیر طعنے دیے بھی ہم سے مدد مانگ سکتا تھا.....کیا میں اس کی مدد نہ کرتا.....ثانیہ کے الفاظ میرے دل پر نیزے کی انی کی طرح کھبے ہیں آسیہ! وہ ہم پر حق رکھتا تھا.....حق جتاتا.....طعنے نہ دیتا.....''
عبید کو یاد آیا.....ثانیہ نے اسے آ کر کیا بتایا تھا۔
''کتنی بار سمجھایا ہے۔ وہ سب عبید نے نہیں کہا ہوگا.....ثانیہ نے خود سے گھڑا ہوگا۔'' آسیہ خود کو ہمیشہ یہی کہہ کر تسلی دیتی تھیں۔
''اچھا۔'' انہوں نے طنز سے ہنکارا بھرا۔
''جب ثانیہ یہ رقم لے کر عبید کے پاس گئی ہوگی۔ تب عبید نے ہمیں کال کیوں نہ کی۔ دو لفظ شکریے کے کیوں نہ بولے.....اس کی حمایت مت کرو آسیہ! اس سب میں تمہارا بیٹا برابر کا شریک ہے۔''
''آپ جو مرضی کہیں.....'' آسیہ کو غصہ آ گیا.....لہجے میں ناراضی در آئی۔
''وہ ایک دو گھنٹوں کے لیے میرے پاس آتا ہے.....میرے لیے یہی بہت ہے۔ اور خدا کے لیے یہ سب اس سے مت کہہ دیجیے گا۔ اس کا دل خراب ہوگا۔''
''بیٹے کی پرواہ ہے شوہر کی نہیں۔''
''جو بھی سمجھیں۔ میں اسے معاف کر چکی ہوں۔ بہتر ہے آپ بھی کر دیں.....''
آسیہ خفگی سے کہہ کر مڑیں تو ٹھٹک کر رک گئیں.....
دروازے میں کھڑا عبید جیسے شرمندگی و پچھتاوے کی اتھاہ گہرائی میں گرتا جا رہا تھا۔ اس نے کیسے ثانیہ کی ہر بات پر اعتبار کر لیا۔
اس نے کیسے سوچ لیا کہ اس کا مہربان باپ یہ سب کہے گا.....
''ثانیہ تم نے مجھ سے کہاں کہاں جھوٹ بولا ہے.....''
وہ باپ کے قدموں میں جھکا۔
ان کے پیروں کو چومتا زار زار روتا چلا گیا.....
وہ عبید کے آنسو نہیں تھے.....
وہ ثانیہ کا بدلتا نصیب تھا.....
ثانیہ.....جس نے خود اپنے روشن نصیب کو سیاہی میں بدلنے کی ہر کوشش کی۔

☆☆

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

Digest
Novels
Lovers
Group

URDU NOVELS MAG

نعیمہ ناز

داستہ

شوہر کی اچانک موت نے جیسے اس کی راجدھانی ہی ختم کر دی تھی۔ اس کا سنگھاسن ڈول کر نیچے گرا اور خاک میں مل گیا۔ وہ عرش سے فرش پہ آ گئی۔ اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی، شوہر ایک بینک میں گارڈ تھا۔ آسیہ گھریلو سلائی کر کے کچھ پیسے کما لیتی تھی۔ کرائے کا گھر ہونے کے باوجود جیسے تیسے گزارا ہو ہی جاتا۔

ویسے تو تین بیٹے تھے شادی شدہ، ایک ویلڈر تھا، دوسرا کمپنی کی گاڑی چلاتا تھا۔ تیسرا فریج اے سی ٹھیک کرتا تھا۔ تینوں کی آمدنی ٹھیک ٹھاک تھی مگر ان کے آگے دونوں میاں بیوی نے نہ کبھی ہاتھ پھیلایا نہ امید رکھی، وہ تینوں خود کرائے پر رہتے تھے، جب بھی ملنے آتے، زیادہ اخراجات اور کم آمدنی کا رونا روتے۔ آسیہ کا شوہر تو ویسے بھی اس معاملے میں بہت خوددار تھا۔ بیٹے کسی قابل ہوتے بھی تو وہ ایک پیسہ کسی سے لینے کا روادار نہ تھا۔

پہلے بیٹے کی شادی کے بعد وہ ساتھ ہی رہتا تھا مگر بہو صاحبہ کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے نکلے۔ اگرچہ آسیہ خود بہت پھرتیلی اور کام والی تھی۔ پانچ بچے یوں ہی نہیں پالے تھے، بہو پہ زیادہ ذمہ داری نہیں تھی مگر جو تھوڑا بہت کام اسے کرنا پڑ جاتا، وہ بھی اس کے لیے پہاڑ برابر تھا۔ روزانہ برتنوں کی اٹھا پٹخ ہوتی رہتی۔ شادی شدہ دو نندیں تھیں، وہ آتیں تو منہ بن جاتا، بڑبڑاہٹ اور بڑھ جاتی، پھر اسے اپنے شوہر کی کمائی کی فکر بھی تھی۔ "ساری کمائی گھر والے کھا جاتے ہیں، میرے لیے تو کچھ بچتا ہی نہیں۔"

آسیہ طبعاً سیدھی اور صلح جو قسم کی تھی مگر اشرف (شوہر) اس سے الٹ تھا۔ وہ غلط بات برداشت نہیں کرتا تھا چاہے سامنے کوئی بھی ہو، اس نے بہو کو اس کے میاں اور میاں کی کمائی سمیت اپنے گھر سے کک آؤٹ کر دیا۔

اور پھر دوسرے اور تیسرے بیٹے کی شادی کے بعد بھی اس نے یہی وتیرہ اپنایا، ایک ماہ اپنے پاس رکھا اور پھر انہیں تنبیہ کر دی کہ اب اپنا ٹھکانہ کہیں اور کر لو۔ ویسے بھی دو کمروں کے مکان میں گنجائش ہی کہاں تھی۔ اگرچہ آسیہ کی خواہش تھی کہ وہ کوئی بڑا گھر کرائے پہ لے لیتے اور مل جل کر ایک ساتھ رہتے مگر اس کا یہ خواب، خواب ہی رہا سب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر خوش تھے۔

علیحدہ علیحدہ مکانوں کے کرائے اور بل بھرتے مگر ایک گھر میں ایک ساتھ رہنے سے گریز کہ دونوں میاں بیوی کی ذمہ داری نہ گلے پڑ جائے۔

اشرف اپنی بیوی کے ساتھ اکیلے رہنے میں خوش تھا، مگن تھا یا شاید ظاہر کرتا تھا کہ آسیہ کا ملال اور رنج کچھ کم ہو، بیٹیاں آ جاتیں تو بچوں میں دل بہل جاتا پھر بھی آسیہ سوچتی تو دکھ ہوتا تھا۔ کیا بیٹے اسی دن کے لیے پالے جاتے ہیں کہ دوسری لڑکیاں آ کر انہیں والدین سے الگ کر لیں؟

"بہوؤں کا کیا قصور، سالا اپنا کھوٹا ہی کمزور ہو تو دوسرے کا کیا دوش؟"

اشرف بیٹوں کو سادہ اور معصوم نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ ہر ممکن طریقے سے آسیہ کی دلجوئی کرتا تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ بانٹ کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ اچانک ہی آسیہ کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔ بینک ڈکیتی کے دوران مزاحمت کرنے پر اشرف کو دو گولیاں لگیں اور جانبر نہ ہو سکا۔

آسیہ کے سر سے چھت ہی چھن گئی۔ شوہر کے بعد عورت کی حیثیت عموماً معزول ملکہ کی سی ہو جاتی ہے، آسیہ بھی ایک مسافر بن گئی تھی۔

شوہر کے بعد اب بیٹوں کا آسرا تھا، بیٹیاں تو خود بھری پری سسرالوں میں رہ رہی تھیں۔

بیٹوں نے ازخود باریاں لگالی تھیں، ایک ہفتہ ایک کے گھر دوسرے ہفتے دوسرے کے گھر اور تیسرے ہفتے تیسرے کے گھر، شوہر کے پروں تلے چھپ کر عمر بسر کرنے والی آسیہ زندگی کا ایک نیا رخ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

الارم کی تیز آواز پہ اس کی اپنی آنکھیں کھل جاتیں مگر جس کمرے سے یہ آوازیں آ رہی تھیں اس کے مکین گھوڑے بیچ کر سوئے رہتے، شروع شروع میں بہو نے الارم بند کر کے آسیہ کو آواز لگائی تھی۔

''امی! ذرا انہیں ناشتہ بنا دیجیے گا، ڈیوٹی پہ جائیں گے، مجھے تو رات بھر حمزہ (چھ ماہ کا بیٹا) نے جگایا ہے، آنکھیں جل رہی ہیں، پورے بدن میں شدید درد ہو رہا ہے، ذرا بچوں کو بھی دیکھ لیجیے گا، اگر چھٹی ہو گئی تو فائن دینا پڑے گا۔''

بہو کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دیتی تو وہ فرماں برداری سے اٹھ جاتی۔ اس میں مروت تھی، ہمدردی تھی اور سادگی بھی، مگر اس کی صفات کا اور خوبیوں کا بہت غلط اور ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔ بہو کی ذرا ذرا میں صبح سے شام پھر رات ہو جاتی۔

''امی! ذرا آٹا گوندھ دیں، ذرا سبزی کاٹ دیں، ذرا ہنڈیا بھون دیں ذرا کپڑے کھنگال دیں۔ ذرا بچوں کو نہلا دیں۔ ذرا..... ذرا.....''

آسیہ کام سے نہیں گھبراتی تھی، اپنے بیٹے اور پوتے پوتیوں کا کام اس پر بالکل بھی بھاری نہیں تھا مگر اتنا کرنے پر بھی بہو کی زبان اور دوپٹے سے دکھ ہوتا تھا۔ ایک ملنے والی نے آسیہ کی تعریف کی تو بہو نے جواب دیا۔

''تینوں ٹائم کھاتی بھی تو ہیں۔ تھوڑا کام کر لیا تو کیا ہوا؟''

روٹی کا طعنہ آسیہ کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا۔ شادی شدہ بیٹوں پہ ایک یا دونوں بڈھے بڑھیا بھاری کیوں پڑ جاتے ہیں؟ وہ دوسرے ہفتے دوسرے بیٹے کے پاس ہوتی تو اسی سوال کا جواب تلاشتی مگر جواب نہ ملتا۔

دوسری بہو بہت کفایت شعار تھی، وہ جھاڑو برتن اور کپڑوں کی دھلائی بے شک آسیہ سے کروا لیتی مگر کھانا خود پکاتی تھی اور نکال کر بھی خود ہی دیتی، اب وہ ایک روٹی اور ذرا سا سالن، سبزی یا دال، آسیہ کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے اس کی بلا سے، آسیہ کڑھ کر رہ جاتی مگر کھانا دوبارہ نہیں مانگتی تھی، کچھ انا تھی کچھ شرم۔

بیٹوں سے شکایت فضول تھی، وہ اپنی ماں کی ذمہ داری اٹھا رہے تھے شاید یہی بہت بڑا احسان تھا۔ تیسری بہو کچھ غنیمت تھی، ساس کا لحاظ کر ہی لیتی مگر بیٹے کی اچانک نوکری ختم ہوگئی، اب اس کا یہ حساب ہو گیا تھا کہ روز کنواں کھودنا اور پانی پینا، اگر کسی روز کام نہ ملتا تو ادھار پہ گزارا ہوتا۔

☆☆☆

آتا ہوا اور جاتا ہوا موسم بیماری کی سوغات ضرور بانٹتا ہے، سردی رخصت ہوتے ہوتے بھی کام دکھا گئی۔ آسیہ تین روز سے بستر میں پڑی تھی، بخار جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ پہلے تو گھریلو ٹوٹکوں اور گھر میں ہی رکھی دردکش گولیوں سے کام چلایا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ چوتھے دن بھی جب وہ بخار میں پڑی کراہ رہی تھی تو بیٹے نے صبح کام پہ جانے سے پہلے اسے کچھ رقم دی کہ ڈاکٹر سے دوائی لے آئے۔

سرکاری اسپتال کی انتظار گاہ میں وہ اپنے نمبر کی پرچی ہاتھ میں لیے انتظار کر رہی تھی، بڑا سا ہال نما کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ابھی اس کا نمبر بھی خاصا دور تھا، تکلیف اور بے زاری کے عالم میں بیٹھی وہ اپنی باری کی منتظر تھی، جب اچانک ہی ایک شناسا آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ارے آسیہ تم؟" آواز میں حیرت کے ساتھ خوشی بھی تھی۔

یہ نسرین تھی، اس کی بچپن کی سہیلی اور میکے کی پڑوسن، گو کہ دونوں کے درمیان ملاقاتیں اور رابطے باقاعدہ نہیں تھے مگر پھر بھی دوستی تھی، انسیت یا لگاؤ، جب بھی دونوں ملتیں تو خوشی محسوس ہوتی تھی، آسیہ نے اسے اپنے سارے بچوں کی شادیوں میں بھی بلایا تھا۔ آخری بار دونوں پچھلے سال ملے تھے آسیہ کے شوہر کی وفات پر، نسرین اپنے ماموں کی عیادت کے لیے یہاں آئی تھی۔ آسیہ کو دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

"تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟ بھائی، بھابھی بچے وغیرہ....."

"ٹھیک ہیں، میں تو دو ہفتے میں ایک دن کے لیے گھر جاتی ہوں۔ میں نے ایک بنگلے میں نوکری کر لی ہے۔ وہاں کام کی اور وقت کی ایک لمٹ ہے چھٹی اور تنخواہ بھی ہے، بھائی کے گھر کی بیگار کرتے کرتے تنگ آ گئی تھی، چھٹی کے دن گھر آ جاتی ہوں کچھ نوٹ خرچ کر دیتی ہوں، مہمان کی طرح آؤ بھگت ہوتی ہے۔"

نسرین تلخی سے مسکرائی، وہ آسیہ سے ایک دو سال ہی تو چھوٹی تھی، والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھائی بھاوج کے زیر نگر رہی۔ شادی کے معاملے میں خدا جانے قسمت نے ساتھ نہیں دیا یا پھر بقول نسرین کے، بھائی بھاوج نے مفت کی نوکرانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ایک عرصے سے کولہو کے بیل کی سی زندگی گزارتی نسرین آج ایک نئی کہانی سنا رہی تھی اسے پھر آسیہ کا حال احوال پوچھنے لگی۔ آسیہ نے اپنا تمام تر دکھ اور کرب اس کے آگے انڈیل دیا۔

"اشرف کے بعد تو ایسے لگتا ہے جیسے گھنی چھاؤں سے نکل کر تپتی دھوپ میں آ گئی ہوں۔"

"بہت کمزور ہو گئی ہے تو پہلے سے، بالکل جھنک گئی ہے۔" نسرین نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ جب کہ وہ خود پہلے سے بہت بہتر نظر آ رہی تھی، ایسے اچھے لباس اور جوتی اس نے پہلے کبھی نہیں پہنے تھے، اس کے چہرے پہ اطمینان اور سکون تھا۔ چلتے وقت اس نے اپنا فون نمبر بھی ایک کاغذ پہ لکھ کر آسیہ کو دیا۔

نواسی کی سالگرہ تھی، نانی سے بھالو والے بیگ کی فرمائش کی تھی، آسیہ پریشان ہونے لگی، جب تک اشرف زندہ تھا وہ سب جگہ دینا دلانا کر لیتی تھی، مگر اب سب کچھ جیسے خواب خیال ہو گیا تھا۔ اس نے بے حد مجبور ہو کر بیٹے سے تحفے کے لیے کچھ رقم لینی چاہی۔

"دیکھ رہی ہو امی! مہنگائی کتنی ہے پہلے ہی خرچے کیا کم ہیں؟ اب کسی دعوت میں جائیں تو تم

الگ دو ہم الگ دیں؟ لفافہ دے تو رہا ہوں میں۔" بیٹے نے اسے ٹال دیا۔

آسیہ خاموش ہوگئی مگر دل نواسی کی فرمائش میں اٹکا ہوا تھا۔ اچانک اسے نسرین کا خیال آیا۔ اشرف نے ایک سستا سا بٹنوں والا موبائل اسے لے کر دیا تھا۔ بیٹیاں فون کر کے اس کی خیر خیریت دریافت کر لیتی تھیں۔ خود اس کے فون کرنے کی نوبت کم ہی آتی تھی، مگر آج ضرورت پڑ گئی تھی اس نے تھوڑا سا بیلنس ڈلوایا اور نسرین سے پانچ سو روپے ادھار منگوائے۔ اس نے اپنے بھتیجے کے ذریعے اسے فوراً بھجوا دیے۔

آسیہ تحفہ لے آئی تقریب بھی ہوگئی مگر اس کے اندر دکھ اور ملال کی دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔ گھر میں پڑی بے جان چیزوں کو بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ کارآمد رہیں اور وہ تو پھر بھی ایک جیتی جاگتی انسان تھی، بیماری ہو یا دوسری ضروریات وہ ایک طرح سے بالکل محتاج ہو کر رہ گئی تھی۔ بیٹے کبھی کچھ رقم ہاتھ پہ رکھ دیتے کبھی گول کر جاتے، کچھ تو مہنگائی نے مت ماری ہوئی تھی، کچھ تنگ دلی تھی اور کم ظرفی، شوہر کے دور میں وہ اپنے گھر کی ملکہ تھی۔ آمدنی اسی کے ہاتھ میں آتی۔ جسے اپنی مرضی سے طریقے اور سلیقے سے وہ خرچ کرتی۔ اب بیٹوں اور بہوؤں کی محتاجی اسے کھل رہی تھی۔

"ہمارے ہاتھ پیر سلامت ہیں اللہ کا شکر ہے۔ جب محنت اور خدمت کرنی ہی ہے تو کم ظرف لوگوں کی کیوں کریں؟ جہاں کوئی صلہ بھی نہیں۔"

نسرین کے لفظوں نے اسے نئی راہ سجھا دی تھی۔ نسرین کے توسط سے ہی اسے ایک بنگلے میں ملازمت مل گئی تھی، میاں بیوی، دو بچے اور ایک بڑی بی، پندرہ دن میں ایک چھٹی، رہائش کے لیے ایک کمرہ اور معقول تنخواہ، بیٹوں کو اس نے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ تینوں جز بز ہو رہے تھے۔

"کیا ضرورت ہے امی! نوکری کرنے کی، لوگ کیا کہیں گے؟" منجھلا بیٹا جھنجھلایا۔

"کہنے دو، لوگوں کا اور کام ہی کیا ہے۔"

آسیہ نے دل میں اٹھتے ملال کو دبایا۔ اگر وہ یہ کہتا کہ ہم ہیں آپ کی ذمہ داری اٹھانے کو، نوکری کی کیا ضرورت ہے آپ کو؟ آسیہ رک جاتی مگر اسے لوگوں کی فکر تھی۔

اس لیے آسیہ چلی گئی۔ محنت وہ پہلے بھی کرتی تھی، اب بھی کر رہی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ ہاتھ میں چار پیسے آ رہے تھے، زندگی آسان ہو رہی تھی اور مہربان بھی، نسرین اس کی مستقل رہنمائی کے لیے خضر راہ بنی ہوئی تھی۔

"کما رہی ہو، سب اپنی اولادوں پہ یا ان کی اولادوں پہ نہ لٹا دینا، تمہارا اکاؤنٹ کھلوا رہی ہوں میں، خرچا کم کرو، بچت زیادہ کرو، تم ضرورت سے زیادہ سیدھی ہو ایسے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنے کام نکالے جاتے ہیں۔ تنخواہ کوئی پوچھے تو یا تو گول کر جانا یا پھر آدھی بتانا، کل کو بڑھاپا آنا ہے، ایک تو بڑھاپا ویسے ہی ستیاناس کر دیتا ہے انسان کا، کنگال بڑھاپا ہو تو سمجھو سوا ستیاناس، چار پیسے پاس ہوں تو لالچ میں ہی سہی، کوئی نہ کوئی خدمت تو کر دے گا۔"

نسرین کی باتوں پہ کبھی اسے ہنسی بھی آ جاتی مگر بہر حال وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ ہمارے آس پاس سارے لوگ اور سارے رشتے خود غرض اور کم ظرف نہیں ہوتے لیکن اگر کبھی واسطہ پڑ جائے تو کسی محتاجی کے بجائے اپنے ہاتھ پیروں کی محنت، صلاحیت یا ہنر کا سہارا لینا چاہیے۔ آسیہ کی سمجھ میں بات آ گئی تھی، ایک مخصوص ڈگر پہ زندگی پرسکون سہل اور رواں تھی۔ مگر بس کبھی کبھار یونہی کچھ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

☆☆

Digest
Novels
Lovers
Group

URDU NOVELS
MAG

لبنیٰ آصف

پھپھو کی بہو

نبیل آفس کے لیے نکل رہا تھا۔اماں کی آواز پر ہیلمٹ اٹھا کر پلٹا۔

"جی اماں!"

"بیٹا، واپسی میں یہ شاپر عالیہ پھپھو کی طرف دیتے آنا۔تمہارے ابو سب کے کرتی کے سوٹ لائے ہیں اچھا ہے وقت سے پہنچ جائے گا تو سلوالے گی۔"

عالیہ پھپھو کے ہاں جانے کے خیال سے ہی نبیل کا منہ بن گیا۔

"امی! آپ بھی ناں؟ پتا ہے واپسی میں مجھے گھر آنے کی کتنی جلدی ہوتی ہے دوپہر میں ہلکا پھلکا کھاتا ہوں بھوک سے حالت بری ہوتی ہے۔عالیہ پھپھو کا ایک تو گھر اتنا دور ہے۔جاؤ تو بندہ کچھ خاطر مدارات ہی کردے۔اتنی دور سے پہنچو تو پھپھو کی بہو تو وہی چائے کے ساتھ شامی کباب، پاپڑ اور پاپ کارن لا کر رکھ دیتی ہیں۔اور اگر آپ غلطی سے کھانے پر رک جائیں تو پراٹھوں کے ساتھ وہی شامی کباب، اور جو سالن پکا ہوا انڈے مرچوں والے کے ساتھ حاضر۔

دنیا بدل گئی ہے۔لیکن پھپھو کی بہو کا مینیو نہیں بدلا۔"

"کیا ہوگیا ہے نبیل، کیسی باتیں کرتے ہو۔"

"تو امی! کیا غلط کہا میں نے؟"

"تیری پھپھو کو اتنی سمجھدار اور خلوص والی بہو ملی ہے۔جب بھی جاؤ خلوص سے جو گھر میں ہو، بنا کر رکھتی ہے، بات چیت کرتی ہے۔تیری پھپھو تو اللہ معاف کرے چلے جاؤ تو پوچھتی بھی نہیں تھی، کھلانا تو دور کی بات۔اور کبھی اگر کھانے پر بلا بھی لیا تو چاول چنتے چنتے ہی گھنٹوں لگا دیتی۔جب کھانا ملتا تو ذائقہ کیا محسوس کرتے۔آنتیں قل پڑھ رہی ہوتیں۔شکر کرو کچھ مل جاتا ہے۔"

☆☆☆

نبیل کے آج کل پھپھو کے گھر کے خوب چکر لگ رہے تھے۔وجہ پھپھو کے چھوٹے بیٹے عدیل کی جو نبیل کا دوست بھی تھا شادی کی تیاریاں شاپنگ دونوں دوست مل کر کر رہے تھے۔آج وہ پھپھو کے گھر گیا تو وہ پھوپھا سے کہہ رہی تھیں۔

"آصفہ نے پورا گھر کتنے اچھے طریقے سے سنبھالا ہوا ہے۔آصفہ کے جانے کے خیال سے ہی میرے تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کہ گھر داری کیسے سنبھالوں گی۔"

پھوپھا مسکرا کر بولے۔

"لو یہ کیا بات کی تم نے۔ایک بہو جائے گی تو دوسری ماشاء اللہ آرہی ہے وہ سنبھالے گی گھر۔"

نبیل دل میں سوچنے لگا۔چلو! اس گھر کے بھی طور طریقے بدلیں گے نئی بہو کے آنے سے۔

عدیل کی شادی میں بھاگ بھاگ کر نبیل نے دوست ہونے کا حق ادا کر دیا پھر پھپھو بھی چھوٹی والی یوں ڈبل ذمہ داری۔عدیل بھی اپنی نئی زندگی میں مصروف اور نبیل بھی آفس کی طرف سے مہینے بھر کے لیے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ہفتہ پہلے ہی آیا تھا۔چھٹی کا دن تھا نبیل سو کر اٹھا تو اماں سے کہنے لگا۔

"اماں! پھپھو کے ہاں چلیں گی؟"

"نہیں بھئی! گھٹنوں میں رات سے درد ہے اتنا

لمبا سفر مجھ سے نہیں ہوگا۔"

نبیل نے اکیلے جانے کا ہی سوچا مگر پھر فون کیا تو پتا چلا آج پھپھو لوگوں کی دعوت ہے۔ عدیل کہنے لگا۔

"کل شام آفس سے واپسی میں آجاؤ۔ میں تو جلدی آجاتا ہوں بہت دن ہوئے آئے بھی نہیں ہو بیٹھیں گے۔"

نبیل نے بھی کل کا پروگرام ڈن کیا۔

دوسرے دن نبیل آفس سے واپسی میں پھپھو کی طرف چلا گیا۔ گھر میں داخل ہوا تو پھوپھا اخبار پڑھ رہے تھے اور پھپھو سبزی بنا رہی تھیں۔

سلام دعا کے بعد عدیل کمرے سے نکل کر آیا بڑی گرم جوشی سے ملائی بھابھی سے سلام دعا ہوئی۔ کافی شوخ چنچل اور پھرتیلی لگیں بھابھی نے نبیل سے پوچھا۔

"بھائی! ٹھنڈا چلے گا یا چائے؟"

نبیل نے چائے کا کہہ دیا اور سوچنے لگا۔ ضرور کوئی خاص اہتمام ہوگا۔

عدیل سے باتیں کرتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ بھابھی نے ٹرے میں ایک کپ چائے لا کر نبیل کے سامنے رکھی۔

"بھائی پی کر بتائیے گا کیسی بنی ہے چائے؟"

نبیل کا تو خالی چائے دیکھ کر خون کھول گیا اور دوسرے یہ سوچ کر کہ تعریف بھی کرنی ہے۔

چائے پیتے ہی نبیل کھڑا ہو گیا جانے کے لیے۔

"ارے بھائی، اتنی جلدی جا رہے ہیں۔"

بھابھی چہک کر بولیں۔

"کھانا کھا کر جائیے گا۔ آنٹی نے بس بنالی ہے سبزی۔"

پالک دیکھتے ہی نبیل کا منہ کڑوا ہو گیا۔ معذرت کرتا عدیل پھپھو، پھوپھا کو خدا حافظ کہتا گیٹ سے باہر نکلا۔

آج نبیل کو آصفہ بھابھی کے کباب، پاپڑ اور پاپ کارن بہت یاد آئے۔ بھوک سے نبیل کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔

ہم انسان بھی ناں بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ جو چیزیں میسر ہوتی ہیں ان کی قدر نہیں کرتے اور جب وہ چیزیں میسر نہیں ہوتیں تو انہیں یاد کرتے ہیں۔ اور ان کی قدر کرتے ہیں۔

☆☆

Digest Novels Lovers Group

آسیہ رئیس خان

اجاڑ نشیمن

URDU NOVELS MAG

"دادو پلیز!" واعد نے زمانے بھر کی عاجزی لہجے میں سموئی۔

"آپ میری آخری امید ہیں۔ آپ بھی مجھ سے منہ موڑ لیں گی تو میں کہاں جاؤں گا۔" اس نے فرش پر بیٹھتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

"چچ" دور فون میں گم، ایئر پوڈز کان میں ٹھونسے بیٹھی جویریہ کی افسوس بھری چچ نے اس کا محنت سے باندھا سماں توڑ دیا۔ اس نے کینہ توز نظروں سے اسے گھورا۔

"آپ سے اپنے مطلب کے لیے بھی محنت نہیں ہوتی۔" اس نے ایئر فون کان سے نکال کر تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"فرضی ڈائیلاگ بھی آپ درست نہیں بول رہے ہیں۔"

"غلطی ہوگئی۔۔۔" اس نے رخ بہن کی سمت کیا اور ہاتھ جوڑ کے دانت کچکچائے۔

"تم سے لکھوانا جو بھول گیا میں۔"

"خیر!" اس نے بڑے انداز سے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے ایوارڈ جیت کر 'ایکسپٹنس اسپیچ' دینے والی اداکاراؤں کو پیچھے چھوڑا۔

"میں اتنی بھی فارغ نہیں لیکن یہاں دادو نے کب آپ سے منہ موڑا ہے؟" جو بال کی کھال نہ نکالے وہ جویریہ کیسی!

"یہاں اس کے لفظی نہیں مرادی معنی لیے جائیں گے۔" اس نے اسکول میں جتنی اردو گرامر پڑھ رکھی تھی، آج اس سے کام لے لیا۔

"تب بھی یہ غلط ہے۔" اب جویریہ بی بی کا انداز جرح وکیلوں کو ٹکر دینے والا تھا۔

ان کی بحث سے بے زار ہوتی دادو کھڑی ہوئیں تو وہ چونکا اور جھٹ ان کے پیر پکڑے دادو گرتے گرتے بچیں، پھر انھوں نے جو اپنی چھڑی اس پر برسانا شروع کی تو وہ گرامر، مکالمے اور التجا سب بھول کر کھڑا ہوگیا۔

"دادو!" ان کے ہتھیار کی پہنچ سے دور ہوا تو آواز نکلی۔

"یہ سب اس بلی کی وجہ سے ہوا ہے۔" اس نے ہاتھ جویریہ کی سمت اٹھایا۔

"اس نے میرا ارتکاز، میرا ٹیمپو توڑا اور گھبراہٹ میں، میں نے پیر پکڑ لیے۔" اس نے یوں کہا جیسے اگر وہ چچ نہ کرتی تو دادو نے مان ہی جانا تھا۔

"میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔" انھوں نے بھی صفاچٹ جواب دے دیا۔

"اس لیے بار بار میرے پیروں کو تنگ نہ کرو۔"

"آپ ہی کرسکتی ہیں۔" وہ پھر ان کے قریب گھسا۔

"گاؤں والا گھر بیچ دیں، یہ کام میں کردوں گا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔" دادو اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"وہ کتنے برسوں سے وہاں رہ رہے ہیں جانتے ہو ناں؟" دادو نے پوچھا۔

"اسی لیے تو اب ان کے جانے کا وقت ہوگیا ہے۔" اس نے ان ہی کے انداز میں جواب دیا۔

مکمل ناول

digest library.com

''اور جسے سب بھول چکے ہیں، کسی کو اس سے کوئی مطلب غرض نہیں ہے، میں اس سے اپنے لیے سرمایے کا انتظام کر سکتا ہوں، کسی کی جیب سے کچھ نہیں جائے گا۔'' وہ صحیح بھی تھا کہ گاؤں کی اس 'جائیداد' کو سب فراموش کیے تھے۔

جویریہ نے فون ایک طرف رکھا اور پوری توجہ سے ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ دادو کا چہرہ اسے سمجھا گیا تھا ان کے دماغ میں کھچڑی کی کوئی نئی ترکیب آئی ہے۔

''اچھا میں سوچ کے بتاتی ہوں۔'' ترسانا اور اپنی اہمیت بڑھانا، اس عمر میں بھی دادو سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

انھوں نے سوچ کے جواب دینے کا کہا اور ادھر واعد کا خوش فہم دل تیز چلی بن گیا۔

''تم آج بھی نہیں گئے ہوٹل۔'' وہ ٹی وی اور اپنی آواز بند کیے، اسکرین پر نظریں جمائے وہاں اپنے خوابوں کا خواب ناک ریستوراں دیکھ رہا تھا کہ امی کی آواز اسے حقیقی دنیا میں لے آئی۔

''جب کہہ دیا ہے مجھے ہوٹل کے کام میں دلچسپی نہیں تو آپ سب کیوں بار بار وہی بات کرتے ہیں؟'' وہ اندر سے جھلا گیا تھا مگر ماں سے تمیز دار لہجے میں پوچھا۔

''چاہتے ہو ہم بار بار وہی بات نہ کریں تو یوں بے کار نظر آنا چھوڑ دو۔'' وہ قریب بیٹھیں اور ریموٹ اٹھا کے چینل بدلنے لگیں۔

''بس کچھ دن اور برداشت کر لیں امی! پھر ترس جائیں گی آپ مجھے یوں بے کار دیکھنے کو۔'' انھوں نے چونک کے پرجوش بیٹے کو دیکھا۔

''تمہارے ابا پیسے دینے کو مان گئے؟'' وہ حیران ہوئیں کہ فاروق نے ان سے تو ذکر نہیں کیا تھا۔

''مجھے ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں، کہیں اور سے انتظام ہو گیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے ان کے تجسس کو ہوا دیتا وہاں سے اٹھ کے چلا گیا۔

تب ہی جویریہ ہال کے دروازے کے سامنے سے گزری۔

''ادھر آؤ جویریہ!'' انھوں نے بیٹی کو پکارا۔

''یہ واعد کیا کہہ رہا تھا۔''

جویریہ نے انھیں دادی پوتے کی گفتگو کے ساتھ ساتھ دادو کا وہ منصوبہ بھی بتا دیا جس سے واعد بے خبر تھا۔

دادی نے آخر کار اسے 'آفیشل' اجازت دے دی لیکن شرط کے ساتھ۔

''اگر تم وہ مکان بیچ نہ سکے تو پھر بلا چوں چراں فاروق کی بات مان کے اس کے ساتھ کام کرو گے۔''

''آپ یہ کہہ کے مجھے موٹیویٹ کر رہی ہیں دادو۔'' اس کا جوش اور ہیجان کسی اور ہی سطح پر تھا۔

''یاد رکھو یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد مجھ سے کسی عنایت، رعایت اور مروت کی توقع مت رکھنا۔''

''آپ بے فکر رہیں، میں اب آپ کو وہ سب کچھ کر کے دکھاؤں گا جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اپنے پوتے پر فخر ہوگا دادو!'' وہ ابھی سے ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

''یہ تمھارا آخری موقع ہے، اتنا یاد رکھنا۔'' دادو کی سوئی آخری موقعے پر اٹکی تھی۔

☆☆☆

اس کا بلکہ ان تینوں بہن بھائیوں کا تصور تھا اور وہ اسے کہتے بھی گاؤں تھے لیکن جب بس بستی کی حدود میں داخل ہوئی تو اسے ادراک ہوا کہ یہ اس کے تصور جیسا دیہات نہیں بلکہ چھوٹا سا شہر تھا۔ اپنی زندگی میں وہ پہلی بار اس جگہ آیا تھا جس سے اس کے مرحوم دادا کو بے پناہ محبت تھی۔

دادا جان اپنی جوانی میں ہی، آبائی شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے کہ بڑے شہروں میں مواقع اور کامیابیاں بھی بڑی ہوتی ہیں اور انھوں نے اپنے اس خیال کو سچ ثابت کر دکھایا تھا۔ ان کا شروع کیا 'خانہ دل' اب شہر کا سب سے پرانا، مشہور اور کامیاب

ہوٹل تھا۔ اس کے ابا اب بھی شہر کے گنجان اور متوسط علاقے کے اس ہوٹل میں خوش تھے۔ جس کا نام اور ذائقہ اس قدر مشہور تھا کہ کم جگہ اور پرانا سا ہونے کے باوجود اس نے انھیں مالا مال کر رکھا تھا۔ بڑے بھیا کیمیکل انجینئرنگ کے بعد سعودی عرب چلے گئے تھے، اس نے ایم بی اے کیا تھا اور سب کا خیال تھا کہ اسے 'بزنس' سنبھالنا چاہیے مگر وہ اس کی نظر میں بزنس تھا ہی نہیں۔ ابا شہر کے دوسرے علاقے میں جدید طرز کا 'ریستوراں' کھولنے کے حق میں نہیں تھے مگر رائے عامہ و خاص کے مطابق، خاندانی بزنس اسے ہی سنبھالنا تھا اور اس کے مطابق یہ ناممکن تھا۔

ابا اس کے بزنس پلان میں، سرمایہ لگانے سے انکاری ہوئے تو اس نے ان کے ساتھ کام کرنے کے بجائے نوکری کر لی۔ جب دو سال گزر جانے کے بعد بھی ابا کی وہی ضد رہی تو اس نے نوکری چھوڑ دی اور غصے میں گھر بیٹھ گیا لیکن یہ حربہ بھی ناکام رہا کہ اسے بے روزگار اور بے کار دیکھ کے بھی ابا کا دل نہ پسیجا۔

ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے علم و سند سے جمے جمائے کام کو فروغ دے نہ کہ نئے سرے سے ابتدا کرے۔ اب وہ ابا کی مدد کے بنا، دادو کے سہارے کچھ کرنے کی دھن میں یہاں موجود تھا۔

بس سے اترتے ہی گرد و غبار کے بادل نے حلق کے اندر تک جا کر اس کا استقبال کیا تھا اور اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

''اپنا بزنس واعد اپنا بزنس!'' اس نے طبع نازک کو اپنا مطلب یاد دلا کر حوصلہ تھمایا۔

بس اڈے کے قریب ہی پانچ چھ رکشہ کھڑے تھے اس نے جیب سے فون نکال کر اپنی 'سونے کی چڑیا' کا پتا دیکھا اور رکشہ میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے وہاں پہنچانے کی درخواست کی۔

بس کے سفر نے اگرچہ دہ طبق روشن کیے تھے تو رکشہ اور سڑک کے گڑھوں کی جگل بندی نے دن میں تارے دکھا دیے۔ ان تاروں کی روشنی و نور میں ڈوبا وہ جب مطلوبہ گلی میں پہنچا تو جان میں جان آئی۔

ایک منزلہ بوسیدہ عمارت کی اکھڑی باہری دیوار میں کہیں کہیں پیپل کی شاخیں نکل آئی تھیں۔ ان شاخوں پر جھول رہے پتوں میں اسے اپنے خواب کی تعبیر کا جشن محسوس ہو رہا تھا۔ بلیوں اچھلتے دل کو سنبھالتے ہوئے اطلاعی گھنٹی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں جو ناکام رہیں۔ یہاں دروازے کے درمیان میں لٹک رہا فولادی ہالہ آج بھی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

واعد نے اسے ہی دروازے کے ماتھے پر بجا دیا۔ چند لمحے وہ اس دروازے کے ساتھ اپنی قسمت کھلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری جانب کوئی ہلچل محسوس ہوئی نہ دروازہ کھلا۔ اس نے اب کی بار فولادی ہالے کو دروازے کے ماتھے سے ٹکرانے کا دورانیہ کم اور آواز کی شدت بڑھا دی۔ حسب امید دروازہ کھل گیا۔

دوسری جانب کھڑی، لڑکی سوالیہ نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے خاموش انداز میں وہ بد اخلاقی اور بدتمیزی تھی کہ وہ بھی احتجاجاً چپ رہا۔

''کون ہیں آپ؟'' وہ جب تیز نظروں کے کھیل میں شکست مان کے گویا ہوئی تو واعد کو بدتمیزی خوشی محسوس ہوئی۔

''اس مکان کا اونر۔'' اس کی گردن اور لہجہ اکڑ گیا۔

اس نے تو سوچ رکھا تھا کہ وہ سنجیدہ و متین انداز میں خود کو متعارف کروا کے، دوٹوک اور اٹل گفتگو کے ذریعے مدعا بیان کرے گا تاکہ مقابل فریق اس کے مزاج کو سخت سمجھ کے کوئی حجت یا التجا نہ کرے۔ مگر اب پہلے قدم پر ہی سارا سوچا سمجھا دھرا کا دھرا رہ گیا۔

''اونر؟ یعنی مالک مکان؟'' بینا نے ابرو اچکائے۔

''جی۔'' اس کا مودبانہ انداز دیکھ کر گھر والے تو غش کھا کے گر پڑتے اور جویریہ کے ہاتھ اسے مرتے دم تک تنگ کرنے کا موقع لگتا۔

digest library.com

''اس مکان کے؟'' انگشتِ شہادت نیچے فرش کی سمت سیدھی کرتے ہوئے اس کی بے یقینی میں تمسخر بھی تھا۔

''جی اسی مکان کا۔'' اس کے تحمل میں حکمت تھی۔

مگر یہ کیا۔ دروازے کے دوسری جانب کھڑی دوشیزہ نے سرعت سے زوردار آواز سے دونوں پٹ بند کردیے۔ اس کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

''کون ہے؟'' دوسری طرف کا سوال اسے بھی سنائی دیا، غصہ اور شرمندگی بھول کے اس نے جواب سننے کے لیے کان دروازے سے لگا دیے۔

''کوئی سرپھرا۔''

''پہلے کم سرپھرے ہیں اس گھر میں اچھا کیا دروازہ بند کردیا۔'' یہ آواز کسی کم عمر بچی کی تھی۔ اندر موجود کے انداز پر اس کی والدہ سلمٰی نے گھورا کہ اس نے ہو بہو ان کی نقل کی تھی۔

واعد نے پورے اطمینان سے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دھڑ ادھڑ دروازہ بجا ڈالا۔ بینا نے پلٹ کے دروازے کو غصے سے دیکھا۔

''دادا ابا اٹھ جائیں گے، کھولو۔'' سلمٰی نے کہا تو وہ دھم دھم کرتی دروازے کے پاس آئی اور پٹ کھولے۔

اب کے کچھ کہنے یا پوچھنے کی بجائے واعد اسے نظر انداز کرتا، بیگ کے ساتھ دہلیز پار کر کے سیدھا اندر داخل ہوا۔

اوپری منزل کی وجہ سے صحن میں چھاؤں تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ مکان باہر کی نسبت اندر سے قدرے بہتر تھا کہ یہاں پودے دیواروں پر نہیں کیاریوں میں تھے اور دائرہ نما صحن کے بیچوں بیچ لیموں کا پیڑ تھا۔ کمروں اور صحن کے درمیان ستونوں پر چھت تھی اور وہ حصہ چبوترے کی طرح صحن سے اونچا تھا جہاں سب ہی کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ صحن میں چارپائی پر ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکی اور ایک اس سے چھوٹا بچہ یقیناً کتابیں کھولے اس کی آمد سے قبل پڑھائی کررہے ہوں گے مگر اس وقت اسے تک رہے تھے۔ ایک گیارہ بارہ سال کی بچی 'بدتمیز' کے ساتھ کھڑی تھی۔

واعد نے سلمٰی کو دیکھ کر سلام کیا کہ ساڑھی والی وہ خاتون ہی حاضرین میں سب سے بڑی تھیں۔

''وعلیکم السلام۔'' چبوترے پر ستون سے ٹک کے میتھی کے پتے صاف کررہی سلمٰی پلاسٹک کی باسکٹ زمین پر رکھ کے حیران سی کھڑی ہوئیں۔ جب کہ بینا اس دلیری پر منہ کھولے آنکھیں پھاڑے جینز، شرٹ میں ملبوس بیگ والے اس اجنبی کو گھورتے ہوئے صورت حال سمجھنے کی سعی کررہی تھی۔

''کسی ذمہ دار، سمجھ دار، ادب دار سے بات ہو سکتی ہے؟'' اس نے تینوں خصوصیات بیان کرتے ہوئے بینا کو جن نگاہوں سے دیکھا، انھوں نے اسی پل 'جانی دشمنی' کی بنیاد ڈال دی۔

''اس گھر کا قاعدہ ہے کہ یہاں کے ذمہ دار، سمجھ دار، ادب دار صرف ذمہ دار سمجھ دار اور ادب دار سے ہی ملتے ہیں لہٰذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔'' بینا نے دونوں ہاتھ پیچھے دروازے کی طرف پھیلا کے آنکھوں سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

''آپ کا تعارف؟'' سلمٰی اسے تنبیہی نگاہ سے گھور کے واعد کے پاس آئیں۔

''واعد غازی، عبدالقیوم غازی میرے دادا تھے، اس مکان کے مالک۔''

''اوہ!'' سلمٰی کی آواز جتنی دھیمی تھی، بینا کی آنکھوں کی تپش اتنی ہی تیز۔ دل میں خوف اور غصے کی لہریں ایک ساتھ ابھری تھیں اور دونوں تند تھیں۔

''تم سب اندر جاؤ۔'' انھوں نے اپنے تینوں انمول رتنوں کے ساتھ بینا کو دیکھا، جو اس فقرے کا مطلب خوب سمجھ گئی کہ وہ اس کی زبان پر مچل مچل آرہے سارے جملوں کو واپس حلق میں دھکا دینے کا کہہ رہی ہیں۔ اسے علم تھا سلمٰی بھی سمجھ رہی ہیں کہ اتنے برس بعد اس مکان کے مالکان میں سے کسی کی

آمد یونہی خیر سگالی کے لیے نہیں تھی۔

''آپ آیئے میرے ساتھ۔'' انھوں نے کھلے صحن کے گرد دائرے میں بنے سائبان میں کھلنے والے دروازوں میں سے ایک کی جانب قدم بڑھائے، جو بیٹھک تھا۔

وہ اپنے طیش اور ناگواری کے اظہار پر بٹھائے بڑی بہن کے چہرے پر کھولتی بینا پر ایک فاتحانہ نظر ڈالتا سلمیٰ کے پیچھے چل پڑا۔

وہ تینوں سن گن لینے وہیں جمے رہے۔

''اتنے برسوں میں آپ کی طرف سے کبھی کوئی نہیں آیا۔۔۔ آپ کے دادا تھے تب وہ اکثر دادا ابا سے ملنے آتے تھے یہاں ٹھہرتے بھی تھے، کچھ وقت پہلے آپ کی دادی آئی تھیں۔۔۔'' سلمیٰ کچھ جھجکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''میرا مطلب یہ آپ کا گھر ہے آپ جب چاہیں آسکتے ہیں.....'' انھیں احساس ہوا وہ غلط تمہید باندھ رہی ہیں سو ایک دم رک گئیں۔

''آپ کہیں کیسے آنا ہوا؟'' ذرا توقف کے بعد انھوں نے داعد کو دیکھا اور اسے ان کے چہرے پر کچھ یاسیت اور آنکھوں میں گہری فکر نظر آئی۔ دروازہ کھولنے والی بدتمیز کے مقابلے یہ خاتون اسے سلجھی اور سمجھ دار معلوم ہو رہی تھیں۔

''مجھے دادو نے بھیجا ہے۔'' وہ سنبھل کے گویا ہوا۔

''اب وہ اس مکان کو بیچنا چاہ رہی ہیں۔'' باہر گربہ پائی سے کھڑکی کے قریب پہنچی بینا کا دل بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ کم ہی کوئی 'ایک' جذبہ بے دار ہوتا تھا، اس کے جذبے ہمیشہ جوڑے میں ابھرتے تھے۔ اب بھی اندیشے کے ساتھ تر و تازہ مہمان کے لیے تنفر جاگا تھا۔

اندر سلمیٰ کا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ اندر کی آوازوں سے گھبرا کے انہوں نے وہیں سے بیٹی کو آواز لگائی، جس کی فریکوینسی سے باہر والے مدعا سمجھ گئے کہ ذرا دیر بعد مومنہ ٹرے میں پانی کا گلاس لیے حاضر ہوئی۔

''آپ فریش ہو جائیں، تب تک میں کھانا لگاتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے بس۔۔۔'' ایسے جلدی تھی اور ابھی تو بات بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''آپ لمبے سفر سے آئے ہیں اور پھر ہمارے مہمان اور غازی دادا کے پوتے ہیں۔'' سلمیٰ شفقت سے مسکرائیں۔

''تکلف نہ کریں، سفر میں کہاں کھانا ہوتا ہے۔'' انھوں نے دروازے میں جا کر جنید کو پکارا۔

''جو جو! انہیں واش روم لے جاؤ۔''

وہ اپنا بیگ وہیں چھوڑ کے سات آٹھ سالہ جنید کے ساتھ چلا گیا۔

مکان کی بوسیدہ حالت دیکھ کر وہ حیرت زدہ تھا کہ یہاں لوگ رہتے ہیں، یہ ان کے لیے گھر ہے۔ اکھڑی ادھڑی دیواروں اور بوسیدہ دروازے والے غسل خانے میں داخل ہونے سے پہلے رکا پھر سوچنے لگا واپس کمرے میں چلا جائے۔

''جایئے۔'' جنید نے گویا حوصلہ بڑھایا۔

وہ اسے دیکھنے پیچھے مڑا۔ جنید کے پیچھے بینا ہاتھ باندھے اسے گھور رہی تھی اور دائیں بائیں کہکشاں اور مومنہ اس کی نقل کر رہی تھیں، وضع اور نگاہوں دونوں کی۔

''اسے کس بات کی اکڑ ہے؟ جیسا بھی ہے گھر تو میرا ہے!'' اس نے ناگواری سے سوچا جس کا اظہار چہرے کے بگڑے زاویوں نے بخوبی کیا۔

اس خیال کے بعد وہ پورے مالکانہ استحقاق کے ساتھ گردن اکڑا کے، اس غسل خانے میں داخل ہوا جہاں سے ذرا دیر پہلے وہ بھاگنے کا سوچ رہا تھا۔

''بینا!'' باورچی خانے سے سلمیٰ کی آواز آئی۔

''اس گھر کے ندیدوں سے کچھ نہیں بچتا۔'' وہ فریزر کا پٹ کھولے کھڑی تھیں۔

''ایسی ایمرجنسی کے لیے ہوتے ہیں کباب!

digest library.com

اب کیا دوں مہمان کو؟'' انھوں نے بگڑے مزاج کے ساتھ خالی زپ بیگ اٹھا کے واپس وہیں پٹکا۔

''کھانا دینے کی ضرورت ہی کیا ہے، چائے بسکٹ رکھ دیں آگے، وقت بھی چائے کا ہے کھانے کا نہیں۔'' دل تو چاہے بسکٹ کی جگہ جوتے اور ڈنڈے کا تھا تاہم سلمیٰ کے سامنے کہنا مہمان کے لیے 'انٹرٹینمنٹ' کا سامان کرنے کے مترادف تھا۔

''یہ طریقے ہیں ہمارے گھر کے؟''

سلمیٰ غصے میں تھیں۔ وہ فریزر بند کرتیں اس سے پہلے کہکشاں نے آگے آ کر اندر رکھا آئس کریم کا ڈبہ اٹھا کے ماں کو دیا۔

''میں نے اس میں چھپائے تھے۔'' اس نے اقبالِ جرم کیا اور مومنہ اور بینا نے اس دھوکا دہی پر بے یقینی اور صدمے سے اسے دیکھا۔ سلمیٰ اس قسم کے خالی ڈبوں میں مٹر وغیرہ فریز کر کے رکھتی تھیں۔

''اکیلے تھوڑی نہ کھانے تھے، شیئر کرنا تھے۔'' اس نے منمناتے ہوئے بہن اور خالہ کو رام کرنے کی کوشش کی۔

''تم روٹیاں ڈالو اور کوکو تم سلاد کاٹو۔'' سلمیٰ نے بینا اور کہکشاں کو کام پر لگایا۔

''مومو، تم ادھر سے پلیٹیں اور گلاس نکالو۔'' تینوں کے منہ بن گئے لیکن اس وقت سلمیٰ کے مزاج کے مدنظر خاموشی سے تعمیل میں ہی بھلائی تھی۔

''کون کون رہتا ہے تمہارے ساتھ؟'' مہمان کو 'اٹینڈ' کرتے ہوئے ویسے ہی جنید کے احساسات بڑے 'ذمہ دارانہ و سربراہانہ' قسم کے تھے۔ واپس بیٹھک میں آنے کے بعد واعد نے پوچھا تو اس کے تاثرات یکا یک مدبرانہ ہو گئے۔

''امی، خالا، کوکو، مومو اور دادا ابا۔'' واعد چونکا۔ ایک بزرگ کے علاوہ کوئی مرد نہیں تھا جس کا مطلب تھا ان خواتین سے ہی اس کا واسطہ تھا، جس میں ایک ٹیڑھی کھیر تھی۔

''یہ کوکو اور مومو کون ہیں؟''

''میں ان کا بھائی ہوں۔'' اس نے جس انداز میں کہا، واعد بے ساختہ مسکرا دیا۔

''کون سی کلاس میں ہو؟'' اس نے بیگ سے چارجر نکالتے ہوئے پوچھا۔

''تھرڈ میں۔'' اس نے آگے بڑھ کے واعد کے ہاتھ سے چارجر لیا اور سامنے کی دیوار پر لگے سوئچ بورڈ میں لگا کے فون قریبی تپائی پر رکھ دیا۔

ادھر باورچی خانے میں کہکشاں کو بھائی اور اس کا 'اوور شیئرنگ' کا مرض یاد آیا۔

''جو جو کہاں رہ گیا؟'' بینا بھی چونکی۔

''دیکھو ذرا۔'' اس نے مڑ کے مومنہ سے کہا۔

''رہنے دو۔'' سلمیٰ نے مومنہ کی پھرتی پر پانی پھیرا۔

''مہمان کے پاس کوئی تو ہو۔'' مومنہ دروازے سے پلٹ کے اندر آ گئی۔

بینا نے سارا غصہ بیلن پر نکالا اور احتجاجاً روٹی بیلن سے لپٹ گئی۔ اس پیار محبت کے مظاہرے پر اس نے کن انکھیوں سے سلمیٰ کو دیکھا، جن کی پیشانی پر گہری سوچ نے لکیریں کھینچ دی تھیں۔ اس نے مہمان کی گردن سمجھ کے روٹی کو کھینچ کے بیلن سے جدا کیا اور مٹھی میں دبوچا پھر دوبارہ پیڑا بنا کے احتیاط سے بیلن گھمانے لگی۔

''ذرا جلدی کرو۔'' سلمیٰ نے اسے کہا۔

''میں دادا ابا کو دیکھتی ہوں۔''

''انھیں اٹھائیں مت ابھی۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''عصر کا وقت ہونے والا ہے، نماز کے لیے اٹھیں گے ہی۔'' وہ باہر نکل گئیں۔

''یہ کیوں آئے ہیں؟'' کہکشاں نے ماں کے 'سماعی لہروں کی پہنچ' سے دور ہوتے ہی سوال داغا۔

''ہوگا کوئی کام۔'' اس نے کندھے اچکا کے اس آمد کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش کی۔

دادا ابا سو رہے تھے۔ سلمیٰ کچھ دیر ان کے پلنگ کے پاس خاموش کھڑی رہیں، پھر انھیں جگائے بنا سست قدموں سے پلٹ گئیں۔

جب وہ کھانا ٹرے میں رکھ رہی تھی تب دادا ابا نے کمرے سے جنید کو آواز لگائی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ تم اسے کھانا دے دو۔" انھوں نے بینا سے کہا۔

اس پکار پر جنید لبیک کہتا دادا ابا کے پاس دوڑتا اس سے پہلے ہی وہ ان کے پاس پہنچ گئیں۔ اس مہمان کی آمد کی اطلاع وہ خود سلیقے سے انھیں دینا چاہتی تھیں۔

"تم چائے چڑھا دو۔" اس نے کہکشاں سے کہا اور ٹرے لیے بیٹھک میں آئی۔

"تمہیں دادا ابا نے آواز دی، سنائی نہیں دیا۔" اسے دیکھتے ہی چپ ہوئے جنید کو اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"نہیں تو۔" وہ حیران ہوتا باہر بھاگا۔

بینا نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ صوفے کے مقابل والی دیوار سے لگی تپائی پر اس کا فون چارج ہو رہا تھا۔ واعد اس کی مدد کرنے یا بڑھ کے ٹرے لینے کے بجائے صوفے کی پشت پر بازو پھیلا کے، مزید پھیلتے ہوئے اشتیاق سے اسے تکنے لگا کہ اب وہ کیا کرتی ہے۔ بینا نے آگے جا کے ٹرے تپائی پر رکھی اور اسے اٹھا کے صوفے کے قریب لانے لگی۔ اس عمل میں چارج پر دھرا فون زمین بوس ہو گیا۔

"اُفف!" اس نے نزاکت سے کہا۔

"سوری میں نے دیکھا ہی نہیں۔" تپائی اس کے آگے رکھتے ہوئے اس نے دنیا کی سب سے جھوٹی معذرت کی۔

تپائی رکھ کے دروازے کی جانب جاتے ہوئے اسے اچانک یاد آیا اور وہ پلٹی۔

"اپنے آنے کا مقصد دادا ابا سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسے دھمکی بھرے انداز میں کہتی وہ جانے لگی تھی کہ واعد کی آواز نے روک لیا۔

"مجھے یہ جملہ یاد نہیں رہے گا۔۔۔" وہ تیورا کے پلٹی۔

"ہاں اگر وہ فون 'عزت دار' طریقے سے چارج ہو تو میری یادداشت واپس آسکتی ہے۔" اس نے ٹرے اپنے آگے کھسکائی اور اطراف سے بے نیاز ہو کے ساری توجہ ناشتے پر یوں مرکوز کی گویا وہ ناشتہ نہیں محبوبہ ہو۔

بینا ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی پھر باہر نکل گئی۔ واعد نے مسکرا کے دروازے کو دیکھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو ہاتھوں میں اسٹول اٹھائے ہوئے تھی۔ اسے سوئچ بورڈ کے قریب رکھ کے اس نے فون، اسٹول پر پٹخنے کے انداز میں رکھنا چاہا تاہم درمیان میں زور کم پڑ گیا کہ کہیں پھر یادداشت متاثر نہ ہو جائے۔

کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہا واعد اس کے کام سے فارغ ہوتے ہی انجان بن گیا۔

"اگر اب بھی یادداشت نے دھوکا دیا تو یہاں چودہ طبق روشن کرنے کا مناسب انتظام ہے۔" بینا نے پیشگی اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

وہ جواب دیتا اس سے پہلے سلمٰی دادا ابا کے ساتھ اندر آئیں۔

دادا ابا اس کی توقع سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ چھڑی کے سہارے ہلکی خمیدہ کمر کے ساتھ چلے آرہے بزرگ کو دیکھ کر، جو پہلا لفظ اور تصور اس کے ذہن میں ابھرا وہ فرشتہ تھا۔ سفید کپڑے، سر پر عمامے کی طرح بندھا سفید رومال، سفید داڑھی یہاں تک کے بھنویں بھی سفید تھیں۔ جھریوں کے باوجود نمایاں بے پناہ گلابی رنگت، اونچا قد جوان کے قدرے جھکے ہونے کے باوجود واضح تھا۔ بچپن میں فرشتے کا تصور اس کے ذہن میں یہ ہی بنتا تھا۔

وہ بے اختیار انھیں سلام کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کھانے کے دوران سلام نہیں کرتے۔" پیچھے سے جھانکتی مومنہ بولی۔

"ایک جویریہ یہاں بھی!" واعد دل میں کراہ کے رہ گیا۔

"تم تو غازی کی جوانی کی تصویر ہو۔" انھوں

نے سلام کا جواب دینے کے بعد چشمے کے پیچھے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو بیٹھو، کھانا کھاؤ۔'' انھوں نے ہاتھ ہلا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سلمٰی نے انھیں صوفے کے ساتھ والی کرسی پر بٹھایا۔

''سفر میں پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' انھوں نے نشست سنبھالنے کے بعد دریافت کیا۔

''جی نہیں، آرام سے کٹ گیا۔'' اب وہ انھیں کیسے سمجھاتا کہ منزل پر پہنچنے کا وہ جوش اور خوشی تھی کہ یہ سفر اس کی زندگی کا سہانا ترین سفر تھا۔

''فاروق کیسا ہے؟'' وہ اس کے ابا کا پوچھ رہے تھے اور اسے تعجب ہوا کہ انھیں ان کا نام یاد تھا۔

''اچھے ہیں۔'' اس نے کہنے کے بعد مومنہ کو دیکھا کہیں وہ پھر جویریہ کی طرح لقمہ نہ دے کہ 'الحمد للہ اچھے ہیں، کہتے ہیں۔'

''شروع کرو، رک کیوں گئے۔'' سلمٰی نے کہا اور پھر دروازے کے باہر کھڑی مومنہ اور جنید کو دیکھا۔

''تم دونوں کیوں دروازے میں کھڑے ہوں، کچھ دیر میں عصر کی اذان ہوگی، تم دادا ابا کی چائے لے آؤ اور جوجو، تم کپڑے بدلو۔'' وہ دونوں چلے گئے۔

''کوئی کام ہے یہاں؟'' اپنی عمر کے لحاظ سے ان کی آواز رعشہ زدہ محسوس ہوتی تھی، تھرتھراتی ہوئی۔ سلمٰی کا دل دعا کرنے لگا۔

''جی۔'' اس وقت وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''جب تک کام ہے یہیں رہو ہمارے ساتھ۔ بیٹا، اس کے لیے کمرہ صاف کردو۔'' انھوں نے سلمٰی کو دیکھا۔

''جی دادا ابا!'' واعد نے چونک کے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ سلمٰی کے دادا ابا تھے، بچوں کے نہیں۔

''اس تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

اس کھنڈر میں قیام کے خیال سے ہی اسے دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

''بیٹا! یہ تمہارا ہی گھر ہے۔'' ان کی سادگی پر دونوں حاضرین کے تاثرات یکسر مختلف تھے۔

''غازی کے بعد کبھی کوئی آیا ہی نہیں۔ کچھ وقت پہلے تمہاری دادی آئی تھیں۔'' وہ آہستہ آہستہ بات کر رہے تھے۔

''یہ تمہارے آباء واجداد کی نشانی ہے۔'' سلمٰی سر جھکائے تھیں۔

''جی۔'' وہ خوش دلی سے گویا ہوا۔ اس کا مطلب تھا یہ آسان کام ہے۔ دادو خوامخواہ اسے ناممکن مانے بیٹھی تھیں۔

مومنہ چائے لیے آگئی اور جنید کرتا پاجامہ پہنے سپارہ سینے سے لگائے، سر پر ٹوپی جمائے حاضر تھا۔

اس کا کھانا ختم ہوا تو اس کے لیے بھی چائے آئی۔ اسے کھانے کے فوراً بعد چائے پینے کی عادت نہیں تھی لیکن اس وقت شدید طلب ہو رہی تھی۔

جنید، دادا ابا کو عصر کی نماز کے لیے لے جاتا تھا۔ اس کے بعد وہیں اس کا مدرسہ شروع ہوتا اور دادا ابا مغرب، تک مسجد میں ہی تلاوت اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے۔ وہ دونوں مغرب کی نماز پڑھ کے ساتھ لوٹتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔

اذان کے بعد مسجد جاتے ہوئے انھوں نے واعد کو بھی ساتھ چلنے کہا۔

ان کے جاتے ہی وہ سلمٰی کے پاس آئی جو اکیلی بیٹھک میں تھیں۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟ آپ سریسلی اس کی بات پر غور تو نہیں کر رہی ہیں؟''

سلمٰی خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''دادا ابا کے دوست نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں اور ہم ہر ماہ باقاعدگی سے کرایہ دیتے ہیں اتنے برسوں بعد کوئی یوں ہمیں گھر سے نہیں نکال سکتا۔'' اس کا اضطراب انگ انگ اور لفظ لفظ سے جھلک رہا تھا۔

''وہ مالک اور ہم کرایے دار ہیں۔'' سلمٰی نے

Digest library.com

حقیقت بیان کی۔

''اور اتنے پرانے کرایے دار کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، وعدوں کی بھی اہمیت ہوتی ہے، دوستی کے تقاضے ہوتے ہیں۔''

''اب وہ دوست ہی نہیں تو کیسا وعدہ اور کیا تقاضا۔''

''ایسا نہیں ہوتا۔'' اس کا لہجہ ضدی تھا۔

''آپ مجھے یہ معاملہ ہینڈل کرنے دیں۔ آپ کوئی بات نہ کریں، اس سے میں ڈیل کروں گی۔''

''تم ہینڈل اور ڈیل نہیں کرتیں۔۔۔'' وہ کھڑی ہوئیں۔

''جھگڑتی ہو۔ اس معاملے میں نہ کودو، میں دیکھ لوں گی۔ تم اس کے ٹھہرنے کا انتظام کرو۔'' ان کے جانے کے بعد وہ تنک کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''جھگڑتی ہوں تو جھگڑا ہی سہی!''

وہ عصر پڑھ کے واپس آیا تو ارادہ تھا کہ سلمٰی سے پوری بات کر کے یہاں سے چلا جائے گا اور کسی ہوٹل میں قیام کرے گا۔ سفر نے اسے تھکا دیا تھا۔ کھانے کے بعد اسے بستر کی یاد آ رہی تھی۔

کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا تو وہ بیٹھک کے دروازے کے باہر ٹہلتی دکھائی دی۔ باقی صحن خالی تھا۔ اس کا انداز بتا رہا وہ اسی کا انتظار کر رہی ہے۔

''اندر آئیں، آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ اسے کہتی خود پہلے ہی کمرے میں چلی گئی۔ وہ دانستہ سست قدم اٹھاتا اندر آیا۔

''ہم مزید کچھ سال یہ مکان خالی نہیں کریں گے۔'' واعد کو پہلے ہی کھٹک ہی رہا تھا کہ یہ لڑکی اچھی خبر نہیں۔ وہ جواب دینے کے بجائے اسے گھورتا رہا۔

''سن لیا ناں تو اب اپنا بیگ اٹھاؤ اور جاؤ، جب مکان خالی کرنا ہوگا تمہیں اطلاع کر دیں گے۔''

''تمہارے پاس کوئی ایگریمنٹ ہے کہ ٹیننٹ (کرایے دار) اپنی مرضی سے ہی مکان خالی کرے گا؟''

لفظی بحث وہ بھی کر سکتا تھا لیکن اس وقت نیند کا غلبہ اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا لہٰذا کام کی بات کی۔

وہ چند پل جواب نہ دے سکی۔

''تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ مالک ہو؟''

''مالک کا پوتا ہونے کا ثبوت ہے۔''

''وہ کافی نہیں۔۔۔ مالک کی جگہ لینے کے لیے وہ۔۔۔'' اس کی ابروؤں کے درمیان کھڑی لکیریں نمودار ہوئیں اور آنکھیں پرسوچ انداز میں چھوٹی ہو گئیں۔

''وہ۔۔۔ ہاں پاور آف اٹارنی لگتی ہے۔''

اب جانے اس معاملے میں یہ درست دستاویز تھا یا نہیں مگر اس نے تو فلموں میں یہ ہی سنا تھا، سو فی الوقت وہی دماغ اور زبان پر آیا۔

''وہ بھی مل جائے گا۔'' اس نے مسکرا کے اطمینان سے یقین دلایا اور بینا کو محسوس ہوا وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

''تو تمہیں بھی وہ ایگریمنٹ مل جائے گا۔'' اس نے گردن تان کے کہا اور باہر نکل گئی۔

واعد نے ہوٹل جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یکا یک اس کھنڈر پر اپنا حق کچھ زیادہ محسوس ہونے لگا اتنا زیادہ کہ دل کیا دونوں بازوؤں سے اسے سمیٹ کے بینا کو چڑائے۔

وہ تن فن کرتی کمرے میں داخل ہوئی تو سلمٰی الماری سے چادریں اور تکیے کے غلاف نکال رہی تھیں۔

''ان دونوں کو اپنے ساتھ سلا لینا آج، ان کے روم میں واعد کو سونے دو۔''

''ان کے روم کا پنکھا نہیں چل رہا دوپہر سے۔'' اس نے کہکشاں اور مومنہ کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔

سلمٰی پلٹ کے بیٹیوں کو دیکھنے لگیں۔
"جی امی۔" کہکشاں نے فوری تائید کی۔
"چلو اوپر کا روم صاف کر دیتے ہیں۔" سلمٰی کو سوچنے کا موقع دیے بنا اس نے ان دونوں کو اٹھایا۔
"وہ کہاں رہنے لائق ہے۔" سلمٰی نے حیرت سے کہا۔
"وہیں بیڈ ہے آپی اور ہم ابھی صاف کر کے اسے رہنے لائق بنا دیتے ہیں۔"
"میں ان کے روم میں جوجو کے ساتھ سو جاؤں گی، وہ میرے روم میں سو جائے گا۔"
"امی، بنا پنکھے کے نہ آپ کو نیند آتی ہے نہ جوجو کو۔" کہکشاں ان کے ہاتھ سے چادریں اور غلاف لے کر دروازے کی طرف بڑھی۔
"اور پہلے سے ہمارے یوز والے روم مہمان کو دینا ٹھیک نہیں۔ ہم اوپر والا روم چمکا دیں گی ابھی۔ چلو۔" بینا نے مومنہ کا ہاتھ پکڑ کے گھسیٹا۔
واعد نے گھر فون کرنے سے گریز کیا تھا۔ جویریہ کو پہنچنے کا پیغام بھیج دیا تھا۔ جواب میں اس نے یہاں کی مہم کے لیے نیک خواہشات بھیجی تھیں۔
سلمٰی اسے دیکھنے آئیں تو وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی، ہاتھ باندھ کے گردن ایک طرف ڈالے سو رہا تھا۔
"تھک گیا ہے بچہ۔" وہ سدا کی نرم دل، دروازہ بھیڑ کے واپس ہو گئیں۔
نیچے باورچی خانے اور بیٹھک کے علاوہ چار کمرے تھے۔ ایک دادا ابا کا، ایک سلمٰی اور جنید کا، تیسرا کہکشاں مومنہ کا تھا اور ایک اس کا۔
اوپر وہ کم ہی جاتے تھے۔ وہاں کے تین کمرے کبھی کھلتے ہی نہیں تھے۔ بس خاص موقعوں پر دروازے باہر سے صاف کر دیے جاتے۔ ان میں مکان مالکان کا پرانا سامان بند تھا۔ باقی دو کمروں میں سے ایک میں ان کا کباڑ بھرا تھا اور دوسرا قدرے قابل استعمال تھا۔ وہاں وہ پرانا پلنگ، پرانا پنکھا، پرانی میز اور پرانی کرسی تھی جو مکمل طور پر ناقابل استعمال نہیں ہوئی تھی۔
"یہ کیوں آئے ہیں؟" کہکشاں نے پوچھا۔ خالہ کے تیور بتا رہے تھے مقصدِ آمد اور بندہ دونوں خالہ کو کھل رہے ہیں۔
"اتنا یاد رکھو یہ مہمان ہمارا دوست نہیں ہے بس۔" اس نے 'خلاصہ' کہنا مناسب سمجھا۔ ویسے بھی وہ دونوں زیادہ کرید اور گہرائی میں جانے کے بجائے خالہ کی 'لیڈ فالو' کرنے والی تھیں۔
اوپر وہ صفائی میں لگی تھیں جب نیچے مغرب کی اذان سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ انگڑائی لے کر کھڑا ہو گیا۔
دادا ابا نے اس کے لیے کمرے کا انتظام کرنے کا کہا تو تھا لیکن اسے، نیند اتنی آ رہی تھی کہ وہ نماز کے بعد یہیں سو جانے کا سوچ رہا تھا۔
"لیکن اس صوفے پر رات کیسے گزرے گی؟" وہ اس کے قد کے لحاظ سے چھوٹا تھا۔
وہ بیٹھک سے باہر آیا تو سلمٰی مل گئیں۔
"آپ کے لیے اوپر والا کمرہ ریڈی کر دیا ہے، آپ نماز کے بعد وہاں آرام کریں۔"
"جی شکریہ۔" وہ آرام کرنے کی غرض سے تو نہیں آیا تھا لیکن زندگی اور موت جیسا یہ ضروری کام کل بھی ہو سکتا تھا۔
اس کا فوراً واپس آ کے سونے کا ارادہ، ارادہ ہی رہ گیا۔
مسجد میں دادا ابا نے اسے جانے کتنے لوگوں سے ملوایا۔ کچھ اس کے دادا کے دوست تھے۔ کچھ اس کے ابا کے بچپن کے ساتھی تو کچھ ان کے پرانے پڑوسی۔
ہر کسی کے پاس سنانے کو پرانا قصہ اور دریافت کرنے کو بے شمار باتیں تھیں۔ اس نے پہلی بار جانا کہ اس محلے میں اس کے دادا کافی مقبول اور محترم شخصیت تھے۔ اسے بزرگوں کی زبانی دادا کی تعریفیں اور باتیں سننا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ ابا کے بچپن کے قصے اب تک دادو سے سنے تھے تاہم اس وقت ان

digest library.com

کے دوستوں کی زبانی سننے کا مزہ ہی الگ تھا۔ کئی لوگوں نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

مسجد کے باہر گلی کے چبوترے اور کرسیوں پر جمی یہ محفل اس وقت برخاست ہوئی جب موذن نے عشاء کے لیے بلانا شروع کیا۔

جنید گھر میں سپارہ رکھ کے اور اطلاع دے کر واپس اس محفل میں آ گیا تھا۔ عشاء پڑھ کے گھر آتے ہی وہ کھانے سے معذرت کرتا۔ جنید کے ہمراہ اوپر کے کمرے میں آ گیا۔ جنید اسے دروازے تک چھوڑ کے حسب ہدایت واپس چلا گیا تھا۔ اسے اس قدر نیند آ رہی تھی کہ اس نے کمرے کا جائزہ بھی نہیں لیا ورنہ نیند ضرور اڑ جانا تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح بچوں کو اسکول چھوڑ کے آنے کے بعد وہ دادا ابا کے کمرے میں، ان کی کاغذات والی الماری کی صفائی کے بہانے اس دستاویز کو ڈھونڈ رہی تھی جو اس کی دانست میں، وہ واعد کے منہ پر مارتی اور وہ ہاتھ ملتا، سر ہلاتا، افسوس کرتا ان کے گھر اور زندگی سے چلا جاتا۔

"بیٹا! کیوں پلکان ہوتی ہو، اب کہاں کسی کاغذ کی ضرورت پڑتی ہے، پڑے رہنے دو یونہی۔" دادا ابا نے اسے سب کچھ باہر نکالتے دیکھا تو ٹوکا۔

"سب بہت بے ترتیب ہے دادا ابا۔ ذرا ترتیب سے رکھ دوں آج، پھر دوبارہ کبھی ضرورت نہیں پڑے گی صفائی کی۔" وہ بڑی پراعتماد اور پرعزم تھی۔

اپنے دوست کو یاد کرتے ہوئے دادا ابا نے کسی زمانے میں اس کا ذکر کیا تھا اور اس کے اندر ایسا اشتیاق اور تجسس جاگا کہ اس نے دادا ابا کو وہ پرچہ نکالنے لگایا تھا۔ اسے یہ دوستی اور ان کا رشتہ بڑا خوب صورت لگتا تھا کہ دو دوستوں کے بیچ ہوئے اس لفظی معاہدے کو ان کے گھر والوں نے بھی قائم رکھا تھا، ان کے الفاظ کا مان رکھتے ہوئے، ان کی وفات کے بعد بھی کسی نے انھیں گھر خالی کرنے کو نہیں کہا تھا۔

دادا ابا برسوں وہ ہی کرایہ ادا کرتے رہے تھے جو اس وقت طے تھا جب وہ یہاں پہلی بار آئے تھے۔ انھوں نے کئی بار اس میں حال کے مطابق اضافہ کرنے کی کوشش کی لیکن عبدالقیوم غازی کے اہل وعیال پہلے تو مانے نہیں مگر جب دادا ابا نے اصرار کیا تو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد دادا ابا ہر سال کرایے میں کچھ اضافہ کر دیتے تھے جو عبدالقیوم کی وفات کے بعد ان کی بیگم کے بینک میں جمع ہوتا تھا۔

بالآخر اس کے ہاتھ میں وہ زرد اور بوسیدہ کاغذ تھا، جو اس نئے مہمان کو رستے لگانے کے لیے ضروری تھا۔

مطلوبہ چیز ملتے ہی اس نے باقی سامان جیسے تیسے واپس الماری میں رکھا اور باہر آ گئی۔

واعد ابھی تک نیچے نہیں آیا تھا۔ سلمٰی باورچی خانے میں مہمان کے دوپہر کے طعام کے اہتمام میں مصروف تھیں۔ زیتون خالہ جھاڑو پونچھا کر رہی تھیں اور وہ صحن میں کرسی ڈالے اس کا انتظار کرنے لگی۔

"بیٹا!" سلمٰی نے پکارا۔

"جی۔" وہ اٹھ کے اندر آئی۔

"زیتون خالہ سے کہنا اوپر کی بھی صفائی کر دے آج۔"

"اچھا۔" وہ اوپر نگاہ ڈالتی زیتون خالہ کے پاس پہنچی۔

"یہ دو کمرے بعد میں کرنا، پہلے اوپر والا روم صاف کر دیں۔"

"اوپر والا؟ کوئی آیا ہے یا آ رہا ہے؟"

"ہمم۔" وہ گول مول جواب دے کر غائب ہو گئی۔ اس کی منشاء ہی یہ تھی کہ زیتون خالہ اوپر جا کے اسے جگا دیں۔ اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد اسے یہاں سے چلتا کرنا چاہتی تھی۔

زیتون خالہ زینے چڑھ رہی تھیں کہ وہ گیلے بال تولیے سے رگڑتا کمرے سے باہر نکلا۔ بینا اسے دیکھتے ہی اندر چلی گئی۔

"آپ کے مہمان کی صبح ہوگئی ہے، کیا ناشتہ بناؤں؟" سلمیٰ گوشت صاف کررہی تھیں لہٰذا یہ اسے ہی کرنا تھا۔

سلمیٰ کی ہدایت پر اس نے آملیٹ اور پراٹھے بنائے۔ جب ٹرے میں ساتھ چائے کا کپ بھی رکھنے لگی تو سلمیٰ نے ٹوکا۔

"چائے بعد میں دینا ٹھنڈی ہوجائے گی۔"

اس نے خاموشی سے کپ ٹرے کے باہر رکھ دیا۔

وہ سامنے بیٹھک میں اخبار کی ورق گردانی کررہا تھا۔ بینا نے اندر جاکے ٹرے تپائی پر رکھ دی جو کل سے اسی جگہ پر تھی۔ واعد نے اخبار ایک طرف رکھ کے اسے دیکھا لیکن وہ رکی نہیں۔ وہ اس حرکت پر منہ بناتا ناشتے کی جانب متوجہ ہوگیا۔

ذرا دیر بعد وہ ترپ کا پتا ہاتھ میں لہراتے ہوئے پھر حاضر تھی۔

"اپنی آنکھیں پھاڑ کے یہ پڑھو اور چلتے بنو۔"

واعد نے اسے دیکھا، پھر تپائی پر دھرے پیلے پرچے کو اور پھر بینا کو۔ بینا نے بنا لفظوں کے آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے اسے کاغذ دیکھنے کہا۔ ٹشو سے ہاتھ پونچھ کے واعد نے کاغذ اٹھالیا۔

"سر یسلی؟" پڑھنے کے بعد اس نے کچھ تعجب اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے اس کے بعد مجھے یہاں سے ناکام لوٹ جانا چاہیے؟"

"ہاں۔ ویسے تو اس کے ہوتے ہوئے تمہیں یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"مائنڈ مت کرنا لیکن میں کچھ کہوں اس سے پہلے پوچھنا ضروری ہے۔۔۔" اس کے انداز پر بینا کے اندر تجسس ابھرا تاہم وہ بے تاثر اسے گھورتی رہی۔

"تم نے اسکول کی صورت دیکھی ہے؟" اس نے ذرا سی معصومیت اور زیادہ تاسف سے دریافت کیا اور بینا کا دل کیا، کسی طرح اسکول کی عمارت اٹھا کے اس کے سر پر دے مارے کہ لو تم بھی دیکھ لو میرے اسکول کی صورت!

"مطلب کوئی بھی معمولی پڑھا لکھا بندہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔" اس نے وہ پرزہ جس انداز میں تپائی پر اچھالا بینا تلملا اٹھی۔

"اس کی حیثیت کسی بھی قانون سے بڑھ کے ہے۔" اس نے عقیدت سے پرچہ اٹھایا۔

"یہ ایک مرحوم کی خواہش، ان کا وعدہ ہے، وہ مرحوم جو تمہارے دادا تھے، جن کی خواہش اور وعدے کا پاس رکھنا تم سب کی اولین ذمہ داری ہے۔" اس کی تقریر پر واعد نے گہری نظروں اور بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس 'بری خبر' کی ایک اور صلاحیت بلکہ خرابی اس پر آشکار ہوئی تھی۔

"یہ دو دوستوں کے بیچ کا معاہدہ ہے، دوست کی دی ہوئی زبان ہے، کیا ان الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں؟ کیا یہ تم سب کی عقلی، خلقی، دلی اور اخلاقی ذمہ داری نہیں کہ اسے توڑا نہ جائے؟" آخر میں وہ اس قدر جذباتی ہوگئی کہ اندر ہی اندر خود بھی جھنجھلا گئی۔

"تمہاری ایموشنل بلیک میلنگ اسکلز کمال ہیں۔" واعد نے متاثر زدہ لہجے اور تاثر کے ساتھ کہا۔

"اور تمہاری اخلاقی جرأت، عقلی صحت، دادا سے محبت، سب زیرو ہے۔" ترنت جواب حاضر تھا۔

"شاید۔" وہ کہتا ناشتے پر جھک گیا۔

وہ کچھ دیر اسے اپنے ہاتھوں سے بنائے گئے آملیٹ پراٹھے سے انصاف کرتا دیکھتی رہی۔ اس کے اس قدر رغبت سے کھانے پر اسے خود پر غصہ آیا کہ اتنا لذیذ بنانے کی کیا ضرورت تھی!

اور غصے میں اس کی عقل ویسے بھی بھنگ پھانک لیتی تھی۔

"تمہارے پاس کون سا قانونی ڈاکیومینٹ ہے جو تمہیں مالک ثابت کرے؟"

"مہمان کو سکون سے ناشتہ کھانے دینے کا رواج نہیں ہے تمہارے یہاں؟" واعد نے سر اٹھا کے پوچھا۔

"تم جیسے مہمانوں کو نہیں۔" بینا نے اپنا وزن

digest library.com

دوسرے پیر پر ڈالا۔

واعد چند لمحے اسے ملامتی نظروں سے گھورتا رہا پھر تپائی پر رکھا موبائل اٹھایا اور اس میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

"یہ پرانے کاغذات پڑھنا تمہارے بس کا نہیں لیکن ایک غلط فہمی ابھی دور کرلو۔" اس نے تصویر زوم کرکے فون اس کے آگے کیا۔

"یہ مکان دادو کے نام ہے۔ اونر دادو ہیں جنھوں نے مجھے یہاں بھیجا ہیں۔ اگر تمہیں اور تحقیق چاہیے تو مل جائے گا۔"

بینا فون پر جھکی اور آنکھیں پھاڑ کے اسکرین کو دیکھا۔ انگلیاں اسکرین پر رکھ کے انھیں پاس اور دور حرکت دے کے پوری تصویر کے مختلف حصے دیکھے۔

'جہاں آرا بیگم بنت منیب احمد'

دیوناگری میں لکھا نام واضح تھا۔

وہ سیدھی ہوئی اور واعد نے فون تپائی پر رکھ دیا۔

پہلی دفعہ واعد نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھی۔

"اس کی اہمیت ـــ" بینا نے ہاتھ میں پکڑا پرچہ ہوا میں لہرایا۔

"پھر بھی اس سے زیادہ ہے۔" آنکھ سے فون کی طرف اشارہ کیا اور تن فن کرتی چلی گئی۔

اپنے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے سلمٰی کی پکار سنائی دی، مگر وہ ان سنی کرکے باہر نہیں نکلی۔ اسے معلوم تھا وہ اسے چائے لے جانے کے لیے بلا رہی ہیں۔ آخر سلمٰی ہی واعد کو چائے دے گئیں۔

"جانے کیا چل رہا ہے اس لڑکی کے دماغ میں۔" اس کے بند دروازے کو دیکھ کر انھوں نے سوچا۔

ذرا دیر بعد بے یقینی اور دکھ کی کیفیت کم ہوئی تو وہ نئے عزم سے اس مسئلے کا حل سوچنے لگی۔

جانے کتنی دیر وہ گوگل سے مختلف سوال پوچھتی رہی اور جوابات کاپی میں درج کرتی گئی۔

ناشتے کے بعد واعد کو دادا ابا نے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ وہاں ان کے ساتھ اپنے دادا اور ان کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کی تصاویر اور ہر تصویر کی کہانی سنتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ یادیں اور باتیں اتنی دلچسپ تھیں کہ ظہر کی اذان گونجی تو وہ چونکا۔

دادا ابا کے ساتھ وہ ظہر پڑھ کے واپس آیا۔ کچھ دیر بعد بینا کے ہمراہ وہ تینوں بھی واپس آگئے۔ آج کھانا اس نے سب کے ساتھ کھایا۔ دادا ابا کے کمرے میں فرش پر دسترخوان لگا کر وہ سب فرش پر ایک ساتھ بیٹھے تھے اور وہ ان کے ہمراہ، ان کے بستر پر رکھی چھوٹی سی میز پر۔ اس عمر میں ان کے لیے فرش پر بیٹھنا اٹھنا مشکل تھا اور انھوں نے اس کے اصرار کے باوجود اسے بھی فرش پر بیٹھنے نہ دیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ سلمٰی سے کہہ کر شہر دیکھنے نکل گیا۔ جنید اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن خالہ کی ایک گھوری کے بعد اس نے دوبارہ منہ نہیں کھولا۔

"ڈکٹیٹر ہے یہ لڑکی اس گھر کی۔" باہر نکل کے اس نے رائے قائم کی اور پھر سر جھٹک کے نئے شہر کی خاک چھاننے لگا۔

رات تھکا ماندہ واپس آیا تو صحن میں سلمٰی اسے کھانا دینے اور بینا اسے نئی معلومات بہم پہنچانے اس کی منتظر تھی۔

"سوری میں اطلاع دینا بھول گیا۔ میں نے باہر ہی ڈنر کرلیا تھا۔" سلمٰی نے پوچھا تو وہ واقعی نادم ہوگیا۔

"کوئی بات نہیں لیکن اگر یہ کسی تکلف میں کیا ہے تو آئندہ ایسا مت کرنا۔ ہمیں آپ کی مہمان نوازی کرتے خوشی ہوگی۔ یہ بھی آپ کا ہی گھر ہے۔" سلمٰی کی بات پر بینا کو آگ ہی لگ گئی جس کی آنچ واعد نے محسوس کرلی تھی تبھی مسکرا کے تیل چھڑکا۔

"جی آپی، بالکل کوئی تکلف نہیں آخر میرا ہی گھر ہے۔"

URDU NOVELS MAG

"شاباش! کیسا لگا ہمارا شہر؟"

"میری توقع سے زیادہ جدید اور بڑا ہے۔" اس نے ایمان داری سے کہا۔

بینا دعا کر رہی تھی سلمٰی وہاں سے جائیں اور وہ اور واعد تنہا ہوں۔

"تھک گئے ہوں گے جاؤ آرام کرو۔" اپنے شہر کی تعریف پر کھل کے مسکراتیں سلمٰی نے کہا تو وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔

"شب بخیر۔" وہ ان سے کہتا، اسے دیکھے بنا زینے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن کے لیے واعد نے کئی کام سوچ رکھے تھے۔ سب سے پہلے اسے کسی اسٹیٹ ایجنٹ سے ملنا تھا۔ کل اس نے کئی اسٹیٹ ایجنٹ کے دفاتر کے سائن بورڈ اور وہاں لکھے فون نمبرز کی تصاویر لی تھیں۔ اس نے بینا کی دھمکیاں نظر انداز کر کے، دادا ابا سے اپنے آنے کا مقصد مخفی رکھنے کی سلمٰی کی گزارش مان لی تھی۔ اس لیے احتیاط برت رہا تھا، گلی محلے اور آس پڑوس والوں کو اس میں شامل نہ کرے ورنہ ان کی مدد سے اس کا کام آسان ہو سکتا تھا۔

نیچے معمول کی آوازیں تھیں۔ وہ ان تینوں کے جانے کا انتظار کرتا رہا کہ اس بھاگ دوڑ میں سلمٰی کو مہمان کی فکر نہ لاحق ہو۔

وہ بیٹھک میں ناشتہ کر رہا تھا تب بینا بچوں کو چھوڑ کے واپس آئی۔ اندر کمرے میں جانے کے بجائے وہ سیدھی بیٹھک میں پہنچی۔ اسے دیکھتے ہی واعد نے سینے پر ہاتھ باندھ کے لمبی تقریر سننے کی تیاری کا اظہار کان اس کی طرف کر کے کیا۔

"مکان کسی کا بھی ہو اگر کرایے دار بارہ سال یا اس سے زیادہ وقت وہاں رہ چکا ہو تو، وہ اس پراپرٹی پر مالکانہ حقوق کا دعویٰ کر سکتا ہے اور ہمیں یہاں رہتے صدیاں گزر گئی ہیں۔" اس نے وزن دوسرے پیر پر منتقل کیا اور ہاتھ اٹھا کے گویا واعد کو تسلی دی۔

"ہمیں مالکانہ حقوق کا دعویٰ نہیں، لیکن جب تک چاہیں رہنے دیا جائے اور ہم ہمیشہ کے لیے بھی یہاں رہنا نہیں چاہتے۔" وہ اب درمیانی راہ پر بات کر رہی تھی۔

"کرایے دار جتنا پرانا ہوگا اس کے حقوق اتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں لیکن ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے، چاہو تو کرایہ بڑھا لو۔" وہ اسے باور بھی کرانا چاہتی تھی وہ اب بھی شریف کرایے دار ہیں، جو بے جا فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

وہ کچھ دیر اور اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ اب اس کی سننے کی منتظر تھی۔

"تم نے لاء پڑھا ہے؟" واعد کھڑا ہوا۔

"نہیں۔"

"اچھا تو کسی لائر سے کنسلٹ کیا ہے؟" وہ دو قدم آگے آیا۔

"تمہیں ان سب سے کیا؟ جو کہہ رہی ہوں وہ سنو۔"

"تو تم نے سب گوگل سے پوچھا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کسی سے بھی پوچھا ہو، ہے تو درست نا۔"

"تمہیں گوگل نے بارہ اور اس سے زیادہ سال والے کیس کے اگینسٹ سپریم کورٹ کا فیصلہ نہیں بتایا؟"

"تم جھوٹ سے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔" بینا کا دل کیا کمرے میں جا کر وہ کاپی لے آئے جس میں گوگل سے ملے مارے اہم نکتے لکھ رکھے تھے۔

"تم نے گوگل کی مدد سے اپنی پسند کے جواب تلاش کیے ہیں کم سے کم مکمل ریسرچ ہی کر لیتیں۔" اس کے انداز پر بینا کے تیور بھی بگڑ گئے۔

"ویسے اس کی ضرورت بھی نہیں تم چاہو تو کل ہم دونوں وکیل کے پاس چلتے ہیں اور اسے اپنا اپنا کیس بتا کے سب پوچھ لیتے ہیں۔"

اس نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں مجھے، میں خود بھی جا

سکتی ہوں۔" اس نے بے رخی سے مشورہ رد کیا۔
"دیکھو!" واعد نے اسے کچھ حقائق سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔
"سب سے پہلے تو تمہارے پاس قانونی معاہدہ نہیں ہے۔ اتنے برسوں سے تم سب بنا کسی ایگریمینٹ کے رہ رہے ہو، اس صورت میں، میں کسی بھی قسم کی قانونی اور فوج داری کارروائی کر سکتا ہوں۔ اپنے لائر کے ذریعے ایک نوٹس کے بعد اگلے ہفتے ہی پولیس مکان خالی کروانے آجائے گی۔۔۔"
بینا کا دل کانپ اٹھا۔ وہ بھی یہ جانتی تھی۔
"لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا، بس تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ تم ہر لحاظ سے کمزور پارٹی ہو۔ بہتر ہے ہم میچوئل انڈر اسٹینڈنگ سے یہ مسئلہ حل کر لیں۔"
"یہ تمہارے لیے ٹوٹی پھوٹی چار دیواری ہے لیکن ہمارے لیے یہ گھر ہے اور میں اتنی آسانی سے تمہیں ہم سب کو بے گھر نہیں کرنے دوں گی۔" وہ اپنی بات کہہ کے رکی نہیں۔
"کیا آبسیشن ہے اس کا اس گھر سے؟" واعد نے تعجب سے سوچا۔
"میں کہاں کل ہی انھیں یہاں سے نکال رہا ہوں۔"
اس دن بھی وہ شام میں گھر واپس آیا۔ جاتے ہوئے اس نے سلمٰی سے فون نمبروں کا تبادلہ کیا اور دوپہر میں کھانے پر اس کا انتظار نہ کرنے کا بھی کہہ دیا تھا۔ دن بھر میں اس نے دو تین متعلقہ افراد سے ملاقات کر کے یہاں پر زمین اور مکانوں کی قیمتوں کے بارے میں معلومات اکٹھا کی تھیں۔ اس دوران دادو کو بھی یقین دلایا کہ اس کا یہاں آنا جلد ثمر یاب ہونے والا ہے۔
رات کھانے کے لیے جنید اسے اوپر بلانے آیا تھا۔
"آپ سارا دن کہاں رہتے ہیں؟" سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے سوال داغا۔
"میں یہاں جس کام کے لیے آیا ہوں، اس کام میں بزی رہتا ہوں۔"
"ہو گیا کام؟"
"ابھی نہیں۔" اس نے سرد آہ بھری۔
"اللہ کرے آپ کا کام پورا ہونے میں بہت سارے دن لگے۔" جنید نے چہک کے دعا کی۔
اس نے جھٹ دل میں اللہ نہ کرے کہا اور جنید نے لمبا سا آمین۔
وہ تینوں بہن بھائی صحن میں اپنے بستے اور کتابیں پھیلائے تھے۔
"کوکو!" اندر سے سلمٰی کی آواز آئی۔
"رکھ دو اب اٹھا کے بعد میں کر لینا، کھانا لگاؤ۔" سلمٰی کی آواز میں سختی تھی۔ کہکشاں اپنا پھیلاوا بستے میں رکھ کے اٹھ گئی۔
"چلو مومو۔" جاتے ہوئے اس نے مومنہ کا دھکا دیا۔
واعد نے غور کیا تھا کہ بینا اور ان دونوں کے میچنگ دوپٹے ہمیشہ کسی اور کے پاس ہوتے تھے۔ وہ تینوں اسے شاذ ہی اپنے جوڑے کا دوپٹا اوڑھے نظر آتی تھیں۔ بینا جب گھر سے باہر جاتی تب ہی اس کے پاس میچنگ دوپٹا ہوتا تھا جب کہ کہکشاں اور مومنہ کے پاس کبھی نہیں۔ وہ تینوں جس کے ہاتھ جو لگا دوپٹا اوڑھنے کی عادی تھیں۔
"تمہارا ہوم ورک نہیں ہوا؟" اس نے انگلیوں پر گنتی کرر ہے جنید کو دیکھا۔
"آپ ہیلپ کریں نا۔" اس نے مسکین صورت بنا کے مدد طلب کی۔ واعد نے ہنستے ہوئے اس کی کاپی اٹھا کے دیکھی۔
جب تک کھانا لگا اور اسے بلایا گیا، جنید کا کام بھی مکمل ہو گیا اور دسترخوان پر بیٹھتے ہی اس نے اعلان کیا۔
"واعد بھائی سم بہت اچھا سمجھاتے ہیں، میں اب میتھس ان سے ہی پڑھوں گا۔"
"غازی کا ریاضی بھی ساری کلاس میں سب

digest library.com

سے اچھا تھا......'' دادا ابا کے پاس اس عمر میں ہر بات اور یاد سے جڑی ایک کہانی تھی۔

☆☆☆

سب کمروں میں تھے۔ وہ آخری جائزہ لینے باہر آئی تھی۔ اپنے کمرے کے باہر کی بتی جلائی۔ داخلی دروازہ جا کے بند ہونے کی یقین دہانی کی اور پلٹ رہی تھی کہ اوپر ستون کی آڑ میں کھڑے واعد پر نظر پڑ گئی جو اسے دیکھ کر پیچھے ہوا تھا۔

''کوکو!'' اس نے کن انکھیوں سے اوپر دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں پکارا۔

''جی خالہ۔'' اس نے اپنے کمرے کے دروازے سے سر نکالا۔

''جوجو اور مومو کو بھی بلالو، تم اس گھر کا راز پوچھ رہی تھی نا۔'' اس نے مڑ کے اشارہ کیا اور سیانی کوکو سمجھ گئی۔ ان دونوں کو بھی اتنے دنوں میں اس کے آنے کی وجہ معلوم ہو ہی گئی تھی۔

''ابھی آئی۔'' وہ جھپاک سے اندر غائب ہوئی اور بینا وہیں برآمدے کی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''گھر کا راز! ہمم۔'' اوپر واعد نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے خود کو لمبی نشست کے لیے تیار کیا۔

ذرا دیر بعد وہ تینوں تابعداری اور تہذیب کی مثال بنے اس کے آگے بیٹھے تھے۔

''اس گھر کی تاریخ سو سال پرانی ہے۔'' گلا صاف کر کے، پراسرار سے لہجے میں اس نے ماحول بنایا۔

''اس حساب سے یہ اتنا کھنڈر تو نہیں لگتا۔'' مومنہ نے اطراف میں نظر گھما کے مدبرانہ انداز میں سر ہلایا۔

''جب تک پوری کہانی ختم نہیں ہو جاتی، کوئی بیچ میں نہیں بولے گا۔'' اس نے مومنہ کے سر پر چپت لگا کے باقیوں کو بھی تنبیہ کی۔ مومنہ نے ہاتھ باندھنے کے ساتھ منہ پر انگلی رکھ لی۔

''ہاں تو کیا کہہ رہی تھی میں۔'' اس نے مدد طلب نگاہ کہکشاں پر ڈالی جو تنبیہہ کے زیر اثر سختی سے لب سیے تھی۔

''ہاں۔'' ادھر سے کوئی امدادی کمک نہ آئی۔

اب کہانی اسے ہی بننا تھی۔

''سو سال پہلے اس جگہ پر ایک شمشان ہوا کرتا تھا۔ شمشان مطلب جہاں غیر مسلم اپنے فوت ہوئے لوگوں کو آخری رسم کے طور پر جلاتے ہیں۔ ان شارٹ یہاں مردے جلائے جاتے تھے۔'' جنید بری طرح چونکا اور ہاتھ اونچا کیا۔

''سوال جواب بعد میں۔'' اس کا عندیہ جان کر بینا نے اسے تسلی دی۔ اس نے مایوسی سے ہاتھ گرا لیا۔

''اب جیسے سارے انسان نیک نہیں ہوتے ویسے ہی کچھ روحیں بھی بد معاش ہوتی ہیں ایسی جگہیں وہ چھوڑتی نہیں ہیں۔ بد قسمتی سے اس جگہ جلائی گئی ڈیڈ باڈیز سے نکلی روحیں بدمعاش تھیں۔'' اس نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے لہجہ سنسنی خیز بنایا۔ ان تینوں کی جان پہ بنی تھی کہ بھوت پریت سے ڈر بینا سمیت ان چاروں کو لگتا تھا مگر اس وقت نیک مقصد کے تحت وہ سب بہادر بنے ہوئے تھے۔

''وہ آج بھی یہیں ہیں۔ تم سب کو یاد ہے نا۔'' اس کی آنکھیں اور تاثرات پہلے ہی اشارہ کر رہے تھے کہ انہیں یاد ہونا ہی چاہیے۔

''یہاں پڑوس میں جو اس کے ساتھ ہوا تھا؟''

''اونہوں۔'' منہ بند رکھنے کی ہدایت کے پیش نظر جنید نے سختی سے بند ہونٹوں کے پیچھے سے انکار کیا۔

''شیرو کو سر کٹا آدمی نہیں دکھائی دیتا تھا......؟'' اس نے آنکھیں دکھا کے 'اس طرح میری ناک تو نہ کٹواؤ!' کی دہائی دی۔ کہکشاں نے جنید کو کہنی ماری تینوں نے تیزی سے گردن ہلائی۔

''ہمم۔''

تب ہی اوپر چھجے میں چھت سے وائر کے ذریعے لٹکا بلب جھومنے لگا۔ سلمیٰ اور دادا جان اور ان

کے کمرے کے آگے کی بتیاں بند تھیں وہ چاروں بینا کے کمرے کے آگے چارپائی پر بیٹھے تھے۔ صحن کے تاریک حصے میں بلب کے ہلنے سے روشنی کا دائرہ بھی ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ چاروں کی نظریں ایک ساتھ ادھر گئیں۔ وہاں ستون کے پاس واعد بھی نہیں تھا۔ وہ تینوں میکانیکی انداز میں ایک ساتھ کھسک کے بینا کے قریب آئے۔

''خالہ!'' جنید کی منمنائی آواز بمشکل حلق کے باہر نکلی۔

''ہوا۔ ہوا سے ہل رہا ہے۔'' اس نے حلق تر کرتے ہوئے بچوں کے ساتھ خود کو بھی دلاسا دیا۔ یکا یک بینا کے کمرے کے پاس والی بتی بھی گل ہوگئی، ساتھ ہی ان جاں بازوں کے حوصلے بھی۔ مکمل اندھیرے میں ڈوبے صحن میں ڈولتے بلب کی روشنی کا دائرہ ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے کسی ڈراؤنی فلم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اچانک واعد ان کے سامنے آیا اور ان سب نے اپنی بے ہنگم چیخیں دباتے تیزی سے منہ پر ہاتھ رکھے کہ اگر سلمٰی باہر آجاتیں تو سب کی شامت تھی۔

''ابھی نیچے آتے ہوئے جانتے ہو میں نے کیا دیکھا؟'' واعد نے باری باری سب کو دیکھا۔ بینا سنبھل گئی تھی۔ اس نے وہاں سے اٹھنے کے لیے پیر نیچے لٹکائے۔

''سر کٹا آدمی!'' واعد نے پراسرار لہجے میں قریب جھک کے سرگوشی کی۔ کہکشاں اور مریم نے اس کا بازو پکڑا اور جنید روتے ہوئے بس اس کی گود میں چڑھنے لگا تھا کہ وہ جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔

''کہاں چلیں؟'' وہ تینوں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔ واعد نے راستہ روکا۔ وہ تینوں اپنے کمروں میں بھاگ گئے۔

''میں بھوتوں اور بدروحوں کی داستان سننے ہی تو نیچے آیا ہوں۔''

''سننے سے اچھا ہے یہیں بیٹھو اور ان کا دیدار کر لو۔'' اس نے چبا کے کہا اور دروازہ کھول کے کمرے میں بند ہوگئی۔

واعد نے ہنستے ہوئے بند دروازے کو دیکھا اور پھر آگے جا کے سوئچ بورڈ پر بٹن دبا کے بتی جلا دی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ اس کے سامنے ناشتے کی ٹرے لے جانے سے کترا رہی تھی لیکن سلمٰی سے انکار کرتی تو وجہ بھی بتانی پڑتی، اس لیے دل پر پتھر رکھ کے ٹرے اٹھالی۔ وہ ابھی نیچے آیا نہیں تھا۔ وہ ٹرے میز پر رکھ کے پلٹی تاکہ سلمٰی سے کہے وہ اسے آواز دے کر بلا لیں کہ وہ سامنے آخری زینے پر نظر آگیا۔

''سر یسلی؟'' وہ سوال پوچھتا اس کے پاس آن رکا۔

''تمہیں لگتا ہے میں بھوت اور چڑیل سے ڈر کے چلا جاؤں گا؟'' کل چڑیل کا تذکرہ نہیں تھا لیکن اس وقت جس انداز میں اس کی زبان سے 'چڑیل' ادا ہوا تھا، وہ اشارہ خوب سمجھ گئی۔

''تم غلط سمجھے۔'' اس کا ازلی اعتماد لوٹ آیا تھا۔

''اور میرا پلان خراب کر دیا۔''

''اوہ! کیسے؟'' واعد کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''کل میں نے تمہارا ذکر کرنا تھا، تمہارا یہاں رہنے کا ارادہ بیان کرنا تھا کہ یہاں موجود بھوت اور بدروحیں بھاگ جائیں۔''

''واؤ!'' اس نے متاثر کن انداز میں تالی بجائی۔

''دن کے اجالے میں بینا جی بہادر ہوتی ہیں۔''

''وہ گزشتہ رات اس کا خوف دیکھ چکا تھا۔ بچوں کو سر کٹے آدمی نے اور بینا کو اس بات نے ساری رات سونے نہیں دیا تھا کہ اس کی کمزوری دشمن کے ہاتھ لگ گئی ہے۔

''میرا نام بینا ہے یہ جی کی دم اپنے پاس رکھا کرو۔'' وہ رکی نہیں۔ ذرا دیر بعد سلمٰی دادا جان کے ساتھ ان کا ناشتہ لیے صحن میں آئیں۔

اس دن دادا ابا اور اس نے صحن میں ایک ساتھ ناشتہ کیا۔

digest library.com

☆☆☆

گزشتہ رات وہ شہر کے متمول علاقے کا چکر لگا کے دیر سے لوٹا تھا۔ وہ وہاں موجود ریستوران، آئس کریم پارلر، پیزا پوائنٹس اور فاسٹ فوڈ چینز وغیرہ کا معائنہ کرتا رہا تھا۔

فجر بھی اس نے کمرے میں پڑھی تھی اور پھر سو گیا تھا۔

صبح دستک پر اس کی آنکھ کھلی۔ دروازہ کھولا تو سامنے یونیفارم میں جنید کھڑا تھا۔

"تھینکس ہوم ورک۔" اس نے کاپی لہرائی۔

"آؤ۔" آنکھیں ملتے ہوئے اس نے ایک طرف ہو کے اسے اندر آنے کی جگہ دی۔

اپنے کام سے فارغ ہو کے جنید جا ہی رہا تھا کہ نیچے سے بینا نے اسے پکارا۔

"جوجو!" وہ تیزی سے بھاگا۔ واعد بھی اس کے پیچھے باہر آیا اور وہ ستون سے ٹک کے نیچے کی افراتفری دیکھنے لگا۔

"جوجو!" بینا جہاں کھڑی تھی وہاں اس کی طرح تازہ تازہ بے دار ہوئے سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں، جن سے بچنے کے لیے اس نے ہتھیلی کا چھجا سا بنا کے ماتھے کے اوپر رکھا اور گردن اونچی کر کے دیکھا۔

سلمٰی اور بینا کے پاس دادا ابا کی رنگت نہیں تھی۔ وہ دونوں سانولی تھیں لیکن اس وقت سورج کی کرنیں تھیں، اس کے کان میں چمک رہے جھمکے پر پڑ رہی کرنوں کا عکس، اس کا لہراتا سرمئی دوپٹا، عجلت میں بندھے بالوں سے نکلیں آوارہ لٹیں یا پھر سراپا بینا کا وجود ہی کہ اس پر نگاہ پڑتے ہی واعد کو کسی انوکھے احساس نے چھوا، جو بڑا ہی لطیف اور خوش کن تھا۔ بدن میں دوڑی ایک سنسنی خیز لہر کے ساتھ ہی سینے میں وہ ہلچل مچی کہ اندرونی خلفشار پر وہ دم بخود سا اپنی جگہ جم گیا تھا۔ کچھ تو ایسا اس لمحے میں رونما ہوا تھا کہ جوجو کے سامنے آ کر 'میں آ گیا۔' کہنے پر بھی وہ وہاں سے اپنی آنکھیں ہٹا نہیں پائی۔

"خالہ!" مومنہ نے اس کا ہاتھ ہلایا تو چونک کے سیدھی ہوئی اور فضا میں کھنچی وہ مقناطیسی ڈور ٹوٹ گئی۔

"چلو آج پھر دیر کر دی تم تینوں نے۔" اس نے جنید کے ہاتھ سے کاپی لے کر بستے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"تینوں نہیں، صرف جوجو نے۔" کہکشاں نے تصحیح کی۔

ان کے باہر نکلنے تک وہ وہی کھڑا رہا پھر سست سا ذرا دیر پہلے کی کیفیت سمجھنے کی کوشش کرتا بستر پر ڈھے گیا۔

آنکھ بند ہوتے ہی وہ اوپر دیکھتی مورت چھم سے سامنے آ گئی اور اس نے مزید سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

☆☆☆

چھٹی کے دن نیچے خاموشی ہوتی تھی۔ مکان دیکھنے کے لیے اکثر لوگ چھٹی کا دن چنتے تھے جب کہ سلمٰی کا کہنا تھا مکان دیکھنے والے چھٹی کے دن نہ آئیں۔ اس تضاد میں ابھی تک کوئی ایک بھی مکان دیکھنے آ نہیں پایا تھا۔

اسے نیچے کی آوازوں پر اٹھنے کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ آج خاموشی میں بھی اسی وقت آنکھ کھل گئی۔

وہ نہا کے کمرے سے باہر آیا تو دادا ابا دھوپ سینک رہے تھے۔ ان کی کرسی صحن کے اس مختصر حصے میں رکھی تھی جہاں صبح کی دھوپ اپنی جھلک دکھاتی تھی۔ وہ کچھ سوچ کے پیچھے چلا آیا۔

"دادا ابا چہل قدمی کے لیے چلیں گے؟" اس نے سلام کے بعد ان سے پوچھا۔

"چلو۔" وہ اپنی چھڑی کے سہارے کھڑے ہو گئے۔

باورچی خانے سے کھٹر پٹر آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے وہیں سے بلند آواز میں کہا۔

"آپی! میں اور دادا ابا واک کے لیے جا رہے

ہیں۔"

"زیادہ دور مت جانا۔" سلمٰی نے بھی وہی سے جتایا۔

"جی۔"

اس وقت گلی میں نسبتاً کم بھیڑ اور کم شور تھا۔

دادا ابا اپنے ماضی میں گلی اور محلے کا نقشہ کھینچتے، قصے سناتے اسے اپنے پسندیدہ سب سے پرانے ہوٹل میں ناشتہ کروانے لے گئے۔

"بچوں کو یہاں لے کر آتا ہوں تو انھیں تنگ سی جگہ میں اس پرانے سے ہوٹل میں کھانا اچھا نہیں لگتا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہوٹل کے مالک کی آمدنی کی بڑی وجہ یہاں کے ذائقے کے علاوہ اس کا وہی پرانا ماحول اور وہی ماضی کے رنگ ڈھنگ بھی ہیں۔ لوگ یہاں اپنا ماضی، بچپن، جوانی اور اچھی یادیں دہرانے زیادہ آتے ہیں، کچھ جگہیں نا سٹیلجیا ہوتی ہیں، ہمیں مسرت سے بھر دیتی ہے۔ مجھ جیسے کچھ چاہتے ہیں اگلی نسل اسے بھی ہماری نسل کا حصہ سمجھے۔" اسے یکا یک ابا کے ہوٹل کے لیے اس کے کہے فقرے یاد آنے لگے۔

"یہاں کا قیمہ پاؤ بہترین ہوتا ہے، بینا کو یہاں کا بھیجہ فرائی پسند ہے، سلمٰی کو یہاں کی چائے۔" بولتے ہوئے ان کے چہرے پر ناز اور طمانیت سی تھی۔ جیسے ان کے وجود، ان کی پسند اور ان کے وقت کو اس نسل سے قبولیت کی سند مل گئی ہو۔

واعد نے سلمٰی کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ دونوں ناشتہ کر کے آئیں گے تاکہ وہ ان کے لیے اہتمام نہ کریں۔

سلمٰی کو اس کا یہ دوسروں کو تکلیف سے بچانے اور پروا کرنے والا مزاج بہت بھایا تھا۔

جب وہ رکشا سے واپس گھر آئے تو سب ناشتے سے فارغ ہو کر چھٹی کا دن منا رہے تھے یعنی بیٹھک میں ٹی وی چل رہا تھا۔ صحن میں واشنگ مشین لگی تھی۔ وہ تینوں کوئی اینیمیشن مووی دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

وقفے میں کہکشاں نے اشتہاروں کی آواز بند کی تو اسے کب سے پریشان کرتا سوال زبان پر آ گیا۔

"یہ تمہارے پیٹ نیم کس نے رکھے تھے؟" اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔

"خالہ نے" وہ دونوں وفاداری نبھاتے ہوئے چپ رہیں لیکن جنید کی زبان مچل ہی گئی۔ اتنی خواتین کے درمیان، ان سے 'سہیلیانہ تعلقات' نبھاتے ہوئے اچانک ایک مرد کی موجودگی میں اس کے اندر خالص 'یاری دوستی' قائم کرنے کی خواہش جو بڑھ گئی تھی۔

"یہ ہی سوچا تھا میں نے بھی۔" اس نے حسب توقع جواب ملنے پر اپنے درست ثابت ہونے کے ناز میں سر ہلایا۔

"نادیدے اور چٹورے لوگ کھانے کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔"

"مطلب؟" الجھن اور سوال وفاداروں کی آنکھوں میں بھی پھیلا لیکن انھوں نے پھر ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارا بوجھ 'غدار' پر ڈالا اور ان کی تیز نظروں سے گھبرا کے جنید نے فوراً ایک لفظی سوال میں وضاحت طلب کی۔

"کوکو۔۔۔۔۔ کوکیز، کولا، کیڈبری اور موموتو موموز کا سگیولر ہے، رہ گئے تم جوجو تو اس کا مطلب ہے جو جو کھانے کو مل جائے!"

"ابھی ابھی تمہارے لیے بھی ایک نک نیم آیا ذہن میں۔" دروازے سے بینا کا ٹھنڈا ٹھار لہجہ سنائی دیا۔

"مجھے میرا پورا نام پسند ہے اور پیار سے جو پکارا جاتا ہے وہ اس کی سماعت کے لیے یہ ننھی آڈیشنس انڈر ایج ہے۔" واعد نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"یہاں کسی کو جاننے کا اشتیاق بھی نہیں۔" وہ سامنے آئی۔

"لیکن کیا تم میں سننے کا حوصلہ ہے؟" اس کا

چیلنج کرتا انداز ٹھیک نشانے پر لگا۔ اس نے سر کی خفیف سی حرکت اور آنکھ کے اشارے سے عندیہ دیا کہ وہ ہمہ تن گوش ہے۔

''تمہارا نک نیم ہوسکتا ہے، گوگو!'' اس نے آنکھ اور ہاتھوں سے صحن کے داخلی دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ وہ تینوں منہ دبا کے کھی کھی کرنے لگے۔

''ابھی ابھی تمہارے لیے بھی ذہن میں ایک نک نیم آیا ہے۔'' وہ برا مانے بنا دل جلانے والے تبسم کے ساتھ بولا تھا۔ بینا خاموشی سے گھورتی رہی جب کہ وہ تینوں مودی بھول کے منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''تمھارا پیٹ نیم ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔'' اس نے کچھ یوں تجسس پیدا کیا مانو ابھی جادوگر کی طرح کوٹ سے کبوتر نکالے گا۔

''بی بی نونو!'' اس نے ذرا سا جھک کے بینا کی آنکھوں میں دیکھ کے اس کی گوگو کا جواب تھمایا۔

''لیکن نک نیم اسمال ہوتا ہے یہ تو بہت۔۔۔۔۔'' جنید کی بات منہ میں ہی رہ گئی کہ کہکشاں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا اور مومنہ اس کا ہاتھ کھینچتی اسے وہاں سے دور لے جا رہی تھی۔

پیچھے وہ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

اگلے دو دن ان کے درمیان تیز نظروں کے تیر برساتی سرد جنگ چلتی رہی۔

☆☆☆

سلمٰی نے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''آج تک انھوں نے ایک لفظ نہیں کہا یہ ان کی مہربانی ہے بینا! اب انھیں ضرورت ہے تو ہمیں بھی سمجھنا چاہیے۔''

اسے پتا تھا منطق اور دلائل کے لحاظ سے اس کا موقف بودا اور کمزور تھا اس لیے خاموشی سے سن لیتی تھی اور سلمٰی کو لگ رہا تھا اس پر ان کی باتوں کا اثر ہو رہا ہے۔

آج بچوں کو اسکول سے واپس لانے سلمٰی گئی تھیں۔ دادا ابا اپنے کمرے میں تھے۔ وہ سائبان میں چارپائی ڈالے کہکشاں کا سائنس جرنل لیے بیٹھی تھی۔ اس دونوں کے سائنس جرنل میں تصاویر بنانے کی ذمہ داری اسی کی تھی۔

اسے علم نہیں تھا اوپر واعد کھڑا ہے۔ جانے کتنی دیر بعد نگاہوں کا احساس ہونے پر اس نے سر اٹھایا۔ واعد مسکرایا اور نیچے آیا اور فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم اس عمر میں بھی پڑھ رہی ہو؟'' اس نے چھیڑا۔

''پڑھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔''

''ٹینتھ پاس کرنے کی ہوتی ہے۔'' بینا نے چونک کے اسے دیکھا۔

''میری سسٹر کی جرنلز کی ڈائگرامز بھی میں ہی بناتا ہوں۔'' اس کی وضاحت پر بینا نے سر ہلایا۔

وہ سنجیدگی سے کام کر رہی تھی اس لیے چپ رہی۔ واعد کی وجہ کچھ اور تھی۔

''تم منہ بند رکھو تو کافی معقول ہو بلکہ خوبصورت بھی لگتی ہو۔'' کچھ دیر بعد اس کی دھیمی آواز ابھری اور بینا نے بڑی کوشش سے سر یونہی نیچے کیے رکھا۔ جب خاموشی کا دورانیہ لمبا ہونے لگا تو اچانک اسے کچھ یاد آیا۔

''حق ہا!'' بینا نے گہرا سانس لیا اور سر اٹھایا۔

''یہ پرانی ٹرک آج کل کی اور مجھ جیسی لڑکیوں پر تو بالکل نہیں چلتی۔''

''تم جیسی یعنی کیسی؟'' اس نے 'کون سی ٹرک' نہیں پوچھا۔

''جو کسی جھانسے میں نہیں آتیں۔'' بینا کو اس کی گہری نظریں بے آرام کر رہی تھیں۔

''کون سا جھانسہ؟''

''جو تم دینے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وہ اعتماد سنبھالے رہی۔

''میں کون سا جھانسہ دینے کی کوشش کر رہا

digest library.com

ہوں؟'' وہ کرسی سے اٹھا اور کرسی عین اس کے سامنے رکھ کے اس پر بیٹھ گیا۔ کرسی الٹی تھی اور اس کی پشت پر دھرے واعد کے ہاتھ اسے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے خود کو سنبھالا، تیار کیا اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیوٹ اور پیاری باتیں کر کے لڑکی پھانسنے کی کوشش اور اس کے رام ہوتے ہی اپنا مطلب پورا کر کے اڑن چھو ہونے والا جھانسہ'' یہ وہ ہی جانتی تھی کہ اس کی آنکھوں میں، چہرے پر بنا تاثر لائے دیکھنے میں کس قدر دشواری پیش آ رہی تھی۔

''میری کون سی بات تمہیں پیاری اور کیوٹ لگی؟'' ادھر وہ سراپا اشتیاق تھا۔

''کوئی نہیں۔'' اس نے جرنل بند کیا اور پینسل و دیگر اشیاء اٹھائیں۔

''تم وقت برباد کرنے کے بجائے چلے جاؤ تو سب کے لیے آسان ہوگا۔'' بینا نے مشورہ دیا۔

''کیوں میرے یہاں رہنے سے تمہیں کوئی مشکل ہے؟'' یہ تجاہل عارفانہ کی حد تھی۔

''ہاں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم میری بات مان جاؤ تو میں آج ہی چلا جاؤں۔'' واعد نے سچائی بیان کی۔

''میرا موقف نہیں بدلے گا اور اگر تم نے دادا ابا سے کچھ کہا تو یقین کرو اپنے ہاتھوں سے جان لے لوگی تمہاری۔'' یہ اسے اس نئے 'موڈ' سے نکالنے کی دانستہ سعی تھی جو اس کے لیے 'ہانی کارک' (نقصان دہ) ہو سکتا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے ہنس پڑا۔

''تم بڑی فنی لگتی ہو جب دوسروں کو ڈرانے کی کوشش کرتی ہو۔'' اب وہ اسے زچ کر رہا تھا۔

''اور تمہارے 'لگنے' میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اول دن کی طرح ہر حال میں برے ہی لگتے ہو۔'' وہ اٹھ کے کمرے میں بند ہو گئی۔

واعد بینے بند دروازے کو دیکھ کے گہرا سانس لیا۔

☆☆☆

جنید ابھی ابھی اپنا ریاضی کا کام ختم کر کے نیچے گیا تھا۔ اس نے گھر فون کیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

آنکھ بند ہوتے ہی پھر وہی ماتھے کے اوپر ہتھیلی کا چھجا بنا کے اوپر دیکھتی بینا چھم سے آنکھوں کے سامنے آئی تو وہ اٹھ بیٹھا۔

''ہوش میں آؤ اعد!'' اس نے جھرجھری لے کے گالوں پر ہاتھ مارے اور اٹھ کے ٹہلنے لگا۔ پیر ٹوٹے فرش پر پڑا اور وہ گرتے گرتے بچا۔

''اس لڑکی نے تجھے۔۔۔'' اس نے گول گھوم کے اپنے دل و دماغ کو جیسے کمرے کا نظارہ کروایا۔

''تیرے اپنے مکان میں، اس کمرے میں رکھا ہے جو انسانوں کی رہائش کے قابل نہیں۔''

رنگ و روغن کے تکلف سے بے نیاز، اکھڑے پلستر اور ان کے عقب سے اینٹوں کا دیدار کرواتی دیوار پر پھر وہی سورج کی کرنوں سے بچتی، سر اونچا کیے اوپر دیکھتی، اسے روشنی میں شرابور کرتی شبیہہ ابھری تو وہ پیچھے ہوا، لڑکھڑایا، بس اگر میز کو نہ تھامتا تو گر جاتا۔

میز پر جنید کی کاپی دھری تھی جو وہ شاید بھول گیا تھا۔

کسی خیال کے تحت وہ کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا اور کاپی کھولی۔ قریب رکھا قلم اٹھایا اور نمبر ڈال کے لکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک طویل فہرست تھی کہ اسے کیوں بینا کے لیے کوئی لطیف احساس نہیں رکھنا چاہیے۔

''مجھے روز صبح شام یہ پڑھتے رہنا ہے تاکہ میری ٹرین پٹری سے نہ اترے اور اپنے ریسٹورنٹ پر جا کے ہی رکے۔'' اس نے کاپی اٹھا کے آج کا 'ڈوز' لینا شروع کیا۔

''مکان سیل کرنے میں سب سے بڑی

رکاوٹ۔
مکان کو خستہ حال کر کے اس کی قیمت کم کرنے کی ذمہ دار۔
کم کرایے پر اتنے بڑے مکان پر قابض۔
لڑاکا۔
بدتمیز۔
میرے فیوچر کی دشمن۔
میرے حال کی ٹینشن۔
مجھے، یعنی مالک کو گھر کا سب سے برا کمرہ دینے والی کینہ پرور۔
کمرے کی چھت تلے دب کے یا ٹوٹی سیڑھیوں سے گر کے میرے مرنے کی منتظر۔
جابر، ظالم۔
بلیک میلنگ ایکسپرٹ۔"
بستر پر لیٹ کے وہ دشمن، ٹینشن، کینہ پرور وغیرہ یوں دہراتا رہا جیسے بینا کے کے تصور میں نہ آنے کا منتر ہو۔
صبح آنکھ کھلی تو کسلمندی سے کروٹیں بدلتے ہوئے یک لخت گزشتہ رات، جنید کی کاپی اور اپنی فہرست یاد آئی۔ اس نے وہیں سے کروٹ بدل کے میز کی سمت دیکھا جہاں کاپی ندارد تھی۔ وہ جھٹ اٹھ بیٹھا۔ دروازے میں کنڈی تھی نہ قفل اور اگر جنید نے دستک دی بھی ہوگی تو وہ اکثر گھوڑے گدھے بیچ کر سونے والے قبیلے سے تھا۔ وہ فون میں وقت دیکھتے ہوئے باہر آیا جہاں سلمٰی تینوں کے ٹفن اٹھیں تھما رہی تھیں۔
"چلو۔" تینوں نے ٹفن بستے میں رکھے ہی تھے کہ بینا اندر سے کلائی پر گھڑی باندھتی باہر آئی۔
"پورے چار منٹ لیٹ ہیں۔ دعا کرو چوک میں ٹریفک نہ ہو ورنہ آج تینوں کو لیٹ ریمارک ملے گا ڈائری میں۔" اس نے جنید کا بستہ اٹھایا اور داخلی دروازے کی طرف دوڑی۔ وہ تینوں بھی اس کے پیچھے بھاگے۔
وہ ان کے اسکول سے واپس آنے تک دعا کرتا رہے کہ جنید اس کی فہرست نہ دیکھے۔
سہ پہر بچے واپس آئے تو وہ اوپر منتظر تھا۔
"چینج کر کے منہ ہاتھ دھولو، میں کھانا لگاتی ہوں۔" جنید کا بیگ صحن کی کرسی پر رکھتے ہوئے بینا نے کہا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"یا اللہ! جنید بیگ وہاں سے اٹھائے نہیں۔"
آج دعاؤں کا دن تھا۔
تھکے ہارے بستے کے بوجھ سے جھکے کاندھے لیے کہکشاں اور مومنہ اندر چلی گئیں۔ جب کہ آتے ہی تیزی سے اندر بھاگے جنید کی عجلت رفع حاجت جیسے ضروری کام کی غماز تھی۔
جب وہ سب باری باری باورچی میں چلے گئے تو وہ دبے پیر نیچے آیا۔ بستہ اب بھی وہیں تھا۔ وہ اسے لیے بیٹھک میں گھس گیا اور صوفے پر رکھ کے اندر سے کاپیاں نکال کے دیکھنے لگا۔
"تمہیں شاید اس کی تلاش ہے۔" پیچھے سے بینا کی آواز آئی اور وہ پلٹا۔ وہ اس طرح کاپی ہاتھ میں پکڑے تھی جیسے عدالت میں حلف لیتے ہوئے ہاتھ اٹھایا جاتا ہے۔
واعد نے پاس آ کے اس سے کاپی جھپٹ لی۔ بے قراری سے اسے کھولا مگر اندر اس کا لکھا صفحہ ندارد تھا۔ اس نے دوبارہ دیکھا۔
"پلیز ٹیل می کہ صفحہ تم نے نکالا ہے جو جو نے نہیں؟"
"تم نے اس کی کاپی میں لکھا تو اسی لیے تھا کہ وہ پڑھ لے۔" اس کا چبھتا طنزیہ لہجہ بڑا مضبوط تھا۔
"نہیں، وہ صرف میرے لیے تھا۔" جلد بازی میں زبان پھسل گئی۔
وہ شعلے برساتی نظر اس پر ڈال کے جانے لگی تھی واعد شتابی سے بولا۔
"ہم سنجیدگی سے اس موضوع پر بات کر لیں پلیز۔" بینا نے منہ سے کچھ کہنے کی بجائے ہاتھ باندھے۔
"بیس پچیس سال کم نہیں ہوتے، کبھی کسی نے

digest library.com

تم سب کو یہاں سے جانے نہیں کہا لیکن اب ضرورت کے تحت لازم ہے کہ یہ مکان خالی ہو۔"

"بیس پچیس سال پلٹ کر خبر نہ لینے والے کہ یہ چار دیواری رہنے لائق ہے بھی یا نہیں، وہاں رہنے والے کس طرح سروائیو کر رہے ہیں، یہ مکان قائم ہے بھی یا ڈھے گیا ہے۔ جب مالکانہ حقوق سے بات کرتے ہیں تو زہر لگتے ہیں۔ یہ اجڑا دیار تمہیں نہیں ہمیں پہچانتا ہے۔ اپنے اجداد کی نشانی کو چار پیسوں کے لیے بیچنے والے۔"

"بینا!" واعد نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

"اس فضول جذباتی اور کتابی لیکچر کی جگہ مجھے اصل وجہ بتاؤ کہ تمہیں یہ خالی کیوں نہیں کرنا؟" وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

کتنے لمحے اسے گھورتے وہ کشمکش و بیچ میں مبتلا رہی اس کے کھلتے، بند ہوتے ہلکے سے متحرک لب اس کی کشمکش کے گواہ تھے۔

"میں اس عمر میں دادا ابا کو بے گھر نہیں کرنا چاہتی۔"

"بے گھر کہاں! یہاں سے نکل کر تم سب سڑک پر تو نہیں جاؤ گے۔ سلمٰی آنٹی کا سسرال ہے، دادا ابا کا اپنا مکان ہے اور اگر وہاں نہ جانا چاہو تو کوئی اور اس سے بہتر مکان کرایے پر مل جائے گا۔ میں ڈھونڈ دیتا ہوں نیا مکان۔"

"بہت شکریہ۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"لیکن دادا ابا کی زندگی میں ہم یہاں سے کہیں نہیں جانے والے۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"کم آن بینا!" اس کا تحمل ختم ہو گیا۔

"یہ کیسی ضد ہے؟ وہ اپنی زندگی جی چکے انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہیں بھی رہیں، گھر نیا ہو یا پرانا اس عمر کے افراد کو اللہ اللہ کرتے ہوئے دن گزارنے ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے کسی کا مستقبل داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

"چپ ہو جاؤ!" بینا نے ہاتھ اٹھا کے اسے رکنے کہا۔

"ان کی موت کے انتظار میں میں اپنی زندگی بر۔" اس کا جملہ شدید حیرت اور ناقابل یقین صورتحال نے خذف کر لیا کہ بینا کا اٹھا ہاتھ اس کے گال پر پڑا تھا۔ دونوں اپنی جگہ بے یقین، حیران اور پھر غصے میں تھے۔ بینا کی آنکھیں برسنے لگیں۔

پیچھے سے سلمٰی گرتی پڑتی اندر آئیں۔

"پاگل ہو گئی ہو بینا!"

"آئی ایم سوری واعد، میں معافی مانگتی ہوں اس کی طرف سے۔" انھوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"نہیں آپی!" واعد نے تیزی سے کہا۔

"آپ یوں نہ کہیں۔"

"معافی مانگو بینا!" انھوں نے سختی سے اسے حکم دیا۔ بینا کچھ کہے بنا پلٹ کے باہر نکل گئی۔

"میں شرمندہ ہوں واعد، پلیز اسے۔"

"آپ معافی مانگ کے مجھے شرمندہ نہ کریں آپی۔" وہ صدمے سے سنبھل گیا تھا۔

سلمٰی نڈھال سی آگے جا کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بیٹھو۔" انھوں نے اسے دیکھا۔ ان کے انداز کہہ رہے تھے وہ لمبی گفتگو کا ارادہ رکھتی ہیں۔

وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"دکھ سکھ سب کی زندگی کا حصہ ہیں مگر اللہ کے کچھ بندوں کے لیے زندگی مسلسل امتحان، نہ پر ہونے والا خلاء اور نہ ختم ہونے والا ہجر بن جاتی ہے۔ دادا ابا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔ ان کی پانچ اولادوں میں سے بس دو کو اتنی زندگی ملی کہ وہ جوانی کی عمر تک پہنچ سکے اور پھر ان سے بچھڑ گئے۔ میں چھوٹی تھی لیکن یاد ہے مجھے کہ سب سے پہلے انھوں نے اپنا کنوارا جوان بیٹا کھویا۔

چاچو کی شادی کی باتیں چل رہی تھی کہ ایک دن بائیک کے حادثے نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ اس کے کچھ وقت بعد جب بینا دو سال کی تھی، ہماری امی چل بسیں۔ ابو دوسری شادی کے لیے راضی نہیں

ہوئے اور جلد ہی امی کے پاس چلے گئے۔ دادا ابا اور دادی اماں کس قدر ٹوٹے اور دکھی ہوں گے تم بھی اندازہ کر سکتے ہو لیکن انھوں نے ہم دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا، ہمیں اپنے جینے کی وجہ بنالی۔

دادی اماں بھی جوان بیٹوں اور بہو کا بچھڑنا زیادہ دن برداشت نہیں کر سکیں۔ ایک دن وہ بھی خاموشی سے چلی گئیں۔ دادا ابا نے ہم دونوں کے لیے خود کو مضبوط کیا، اپنا سارا غم چھپا لیا، ضبط کے کڑے پہرے بٹھا دیے۔ انھوں نے ہمیں ماں باپ، دادی، دادا سب بن کے پالا ہے۔ ہم دونوں کو ننھیال والوں نے لے جانا چاہا مگر دادا ابا نے ہمیں خود سے دور نہیں کیا کہ ہم ہی ان کا کل سرمایہ تھیں۔ موت نے کچھ برس ان پر مہربانی کی لیکن اس کی نظر اب بھی دادا ابا پر ہی ٹکی تھیں کہ جنید کے پیدا ہونے سے پہلے میرے خالہ زاد اور شوہر بھی ایک ہارٹ اٹیک کا شکار ہو گئے۔'' سلمٰی نے آنکھیں خشک کیں۔

''جب چاچو کا ایکسیڈنٹ ہوا ان دنوں دادا ابا اور ابا اپنا پرانا مکان گرا کے وہاں نیا اور بڑا مکان تعمیر کروا رہے تھے تاکہ چاچو کی شادی نئے گھر میں ہو۔ تعمیر مکمل ہونے تک دادا ابا سب کے ساتھ یہاں اپنے دوست کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو ان ہی دنوں سب چھوڑ کے شہر جا بسے تھے۔ چاچو کے بعد جب مکان مکمل ہوا تو دادی اماں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا کہ اس گھر سے چاچو کا جنازہ اٹھا تھا اور وہ اس جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کا اپنا مکان جہاں چاچو کا بچپن اور زندگی گزری تھی وہ بھی نہیں رہا تھا، اس کی جگہ نیا مکان مگر اجنبی در و دیوار تھے۔ وہاں سے ان کے بیٹے کی یادوں کو مٹا دیا گیا تھا۔ وہ اس نئے مکان میں ایک بار گئیں تو پھر دوبارہ وہاں قدم نہیں رکھا۔ ان کا دکھ دیکھتے ہوئے ابو نے کچھ دنوں کے لیے نئے گھر جانا ملتوی کر دیا گیا تھا لیکن وہاں جانے کی نوبت ہی نہیں آئی کہ اس سے پہلے امی اور ابو بھی چل بسے۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس کے بعد دادی جان اور دادا ابا اس جگہ کو برا یا منحوس مانتے کہ اس گھر نے ان سے اولادیں چھین لیں لیکن وہ دونوں تو ہم پرست اور کمزور ایمان والے نہیں تھے۔ انھیں اس گھر میں اپنے بیٹوں اور بہو کی یادیں اور نشانیاں عزیز تھیں۔ دادا ابا، بیوی کی خوشی میں راضی تھے۔ یہ ہی وقت تھا جب دادی اماں کو مطمئن کرنے کے لیے آپ کے دادا نے دادا ابا کو وہ وعدہ، معاہدہ لکھ کر دیا تھا کہ وہ جب تک چاہیں یہاں رہیں۔ پھر یہیں دادی امی اور ابو نے آخری سانسیں لیں۔ یہ جو صحن میں لیموں کا پودا ہے یہ دادی کا لگایا ہے، کیاری کے گلاب ابو کے لگائے ہوئے ہیں۔ دادا ابا کے کمرے میں کھڑکی کی گرل چاچو نے اپنے ہاتھ سے لگائی تھی۔ یہ کھونٹی۔۔۔۔۔'' انھوں نے دروازے کے دائیں جانب لکڑی کی پرانے طرز کی کھونٹی کو دیکھا۔

''یہ بھی چاچو نے یہاں فٹ کی تھی۔ دادا ابا آج بھی اس قدر محتاط اور خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ بچوں کو اکیلے رکشہ یا وین سے اسکول نہیں جانے دیتے، ان کا حکم ہے کہ بچے جب بھی باہر نکلیں کوئی بڑا ان کے ساتھ لازمی ہونا چاہیے، سب ان کے پاس، ان کی نگاہوں کے سامنے ہوں اس وجہ سے انھوں نے بینا کو جاب نہیں کرنے دی نہ عالم کے بعد مجھے کچھ کرنے دیا۔ بینا کی اس گھر کو نہ چھوڑنے کی ضد دادا ابا کو دکھ سے بچانے کے لیے ہے۔ ہم میں سے کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس گھر کو چھوڑنے کی بات ہوگی تو ان کا کیا ردعمل ہوگا۔ اس عمر میں ہم سب انھیں کسی نئے دکھ سے بچانے کی کوشش میں ہوتے ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے مالک ہم نہیں اور یہ تم سب کی مہربانی تھی کہ اب تک بھی ہم سے گھر چھوڑنے کا تقاضہ نہیں کیا۔'' ایک گہرا سانس لے کر وہ تھکی تھکی سی کھڑی ہو گئیں۔

''تم فکر نہ کرو میں کوئی حل نکالتی ہوں اس کا۔ ویسے تم یہ فروخت کرنا چاہتے ہو پہلے لوگ مکان دیکھنے آئیں گے پھر پسند آئے تو بات آگے بڑھے گی۔۔۔۔ یعنی یہ وقت طلب کام ہے تو تم کہہ دو

digest library.com

جس سے بھی کہنا ہے بس یہ خیال رکھنا کہ مجھے کال کر کے وقت لینے کے بعد ہی وہ مکان دیکھنے آئے۔" وہ بھی گم صم سا کھڑا ہو گیا تھا۔

"بینا کو معاف کر دو۔ وہ جذباتی اور بے وقوف ہے۔" وہ بیٹھک سے باہر چلی گئیں۔

واعد بس سر ہلا کے رہ گیا۔

ذرا دیر پہلے اپنی زبان سے ادا ہوئے الفاظ اس کے آس پاس گونجے اور اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"شٹ!"

☆☆☆

وہ اتنا صبح خیز کبھی نہیں تھا لیکن اب فجر کے بعد اسے نیند ہی نہیں آتی تھی۔ نیچے کی ہلچل اور آوازوں میں انکا دھیان اسے سونے نہیں دیتا تھا۔

"خالہ!" مومنہ کی جھلائی آواز پر وہ باہر نکلا۔

"جوجو نے پھر میرا کلر باکس لیا تھا اور اب تک واپس نہیں کیا ہے۔"

بینا جو، جوجو کا بستہ اٹھائے باہر آ رہی تھی، بیگ چارپائی پر رکھتے ہوئے جوجو کو دیکھا۔

"جوجو؟" اس کا لہجہ اور نظریں سرزنش لیے تھیں۔ جنید دوڑ کے اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں کلر باکس تھا۔

"سوری، میں بھول گیا تھا، آئندہ یاد سے رکھ دوں گا۔" اس نے شرافت سے کلر باکس بہن کے سامنے کیا۔

"حد ہے یعنی آئندہ بھی لو گے۔ تمہارے پاس بھی تو ہے۔"

"بس دو تین کلر بچے ہیں، باقی ختم ہو گئے۔" کہکشاں اپنا ٹفن لیے باہر آئی۔ اس کے پیچھے سلمٰی تھیں جن کے ہاتھ میں بقیہ دو کے ٹفن تھے۔

"تصویر میں رنگ بھرنے ہوتے ہیں ان سے پیٹ نہیں بھرتے، اس کے لیے یہ ٹفن ہوتا ہے۔" سلمٰی کے ہاتھ سے ڈبہ لے کر بستے میں رکھتے ہوئے اس نے بھائی کو گھورا۔

"بس کرو مومو۔" بینا نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

"اس نے واپس کر دیا نا اور معافی بھی مانگ رہا ہے۔"

"تو غلطی بھی اسی کی تھی۔"

"بحث مت کرو اور دعا پڑھ کے نکلو اب۔" سلمٰی نے باری باری سب کے سر پر ہاتھ پھیر کے کہا اور واپس باورچی خانے میں چلی گئیں۔

"اس نے غلطی مان لی، معافی مانگ لی اور ایسے اچھے لوگوں کو گلے لگا کے آگے بڑھتے ہیں۔" بینا نے منہ بنا کے کھڑے جوجو کے پاس آ کے کہا۔ مومو وہیں جمی رہی۔

"آؤ۔" بینا نے اسے اشارہ کیا اور اس نے آگے آ کے بڑے تکلف سے بھائی کو گلے لگایا۔

"ویسے آپ کا بھی گرین کلر ختم ہو گیا ہے۔" مومنہ سے الگ ہوتے ہوئے جنید نے اسے اطلاع دی۔

"خالہ!" وہ پیر پٹخ کے ٹھنکی۔

"اب ہاتھ بھی مت لگانا کلر باکس کو۔" اس نے بستہ شانے پر ڈالتے ہوئے سارا غصہ بستے پر نکالا

"نیکسٹ ٹائم میں کوکو آپی کا لوں گا۔" اس نے بھی اپنا بستہ اٹھایا۔

"میرے کلر باکس میں کرنٹ ہے، لگاؤ ہاتھ پھر دیکھنا۔" کہکشاں نے سکون سے کہا۔ جنید نے اس بیان کی صداقت جاننے بینا کو دیکھا۔

"میں آج تمہارے لیے نیا لے آؤں گی، کسی کا لینے کی ضرورت نہیں۔" اس نے جنید کا بستہ اپنے کاندھے پر ڈالا اور باورچی خانے کے قریب جا کے سلمٰی کو مخاطب کیا۔

"ہم جا رہے ہیں آپی!" ان کے پیچھے دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے اوپر دیکھا اور اتنی دور سے بھی واعد کو اس کے چہرے کا بدلا تاثر نظر آ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ ایسے دیکھتے ہی منظر سے غائب ہونے لگی تھی۔ یہ اس تھپڑ کی شرمندگی نہیں بلکہ اس کی باتوں پر غصے کا اظہار تھا جو اس بے اختیار اور بے ارادہ چانٹے کے بعد بھی کم نہیں ہوا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی جو کام سارا گھر مل کے نہیں کر سکا تھا وہ اس نے کر دیا تھا۔ واعد کی سوچ کا دھارا کسی اور سمت چل پڑا تھا۔

کمرے میں بیٹھا وہ اپنے مستقبل کا خاکہ اور بزنس پلان بنا رہا تھا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد پہلی بار دادو اور ابا سے تفصیل سے بات کی تھی۔

اس دن وہ دوپہر میں سو گیا تھا اس لیے دادا ابا اور جنید کے ساتھ عصر کی نماز کے لیے مسجد نہیں جا سکا۔ چائے کی طلب میں وہ نیچے اترا تھا۔

"آپ چائے لیں گے؟" اسے دیکھتے ہی کہکشاں نے پوچھا۔

اس گھر میں چائے کی ذمہ داری اسی کے سر تھی۔ اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور صحن میں ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ بینا کہیں دکھائی نہیں دی نہ اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اندر سے سلمٰی اور مومنہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ امی اور جویریہ کے پیغامات کے جواب دے رہا تھا کہ دھاڑ سے دروازہ کھول کے روتا ہوا جنید اندر آیا۔

"دادا ابا گر گئے ہیں؟" واعد گھبرا کے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں؟"

"مسجد میں۔" شور سن کے سلمٰی اور مومنہ کے ساتھ کہکشاں بھی صحن میں تھی۔

واعد باہر بھاگا اور اس کے پیچھے سلمٰی۔

تینوں بچوں کو گھر چھوڑ کے وہ دونوں دادا ابا کو لیے اسپتال دوڑے۔ ساتھ محلے کے دو افراد اور بھی تھے۔

جب بینا دوڑتی ہوئی راہ داری میں آئی تو سب سے پہلی نظر دوسرے سرے پر کھڑے واعد پر پڑی اور وہ بپھر کے اس کی سمت جھپٹی۔

"کیا کہا تم نے دادا ابا سے؟" سلمٰی نے اس کا بازو پکڑ کے پیچھے کھینچا ورنہ وہ اس پر ٹوٹ پڑتی۔

"ایک ہی بات کہی تھی کہ دادا ابا سے کچھ مت کہنا، میں۔۔۔"

"کسی نے کچھ نہیں کہا ہے دادا ابا سے، وہ مسجد میں گر گئے تھے، تم ریلکس ہو پہلے۔"

"سلمٰی باجی!" ان کے ہمراہ آئے محلے کے دونوں لڑکے ان سے اجازت لینے کے لیے بلا رہے تھے۔ وہ ان کے پاس چلی گئیں۔

"یہ ہی چاہتے تھے نا تم، اب یہاں منہ اتارے ڈرامہ کس لیے کر رہے ہو، جاؤ جشن مناؤ تمہاری دعائیں قبول ہوئی ہیں۔"

"بینا!" اس کی آواز صدمے سے چور تھی اور دل گہرے دکھ میں ڈوب گیا۔

"تم میرے بارے میں ایسا سوچتی ہو؟" اس کا لہجہ ٹوٹا تھا۔

"تو کیا سوچوں؟ تم نے کہا تھا نا ان کی موت کے انتظار میں تم اپنا مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتے۔۔۔ تم نہیں جانتے یا تم بھول گئے ہو کہ کوئی کسی کا رزق نہیں روک سکتا نہ چھینتا ہے۔۔۔ اگر یہ ایمان کامل رکھتے تو کبھی یہ نہ کہتے اور کیا فائدہ تمہاری جوانی کا اگر ایک بوڑھے کو جس کے پاس وقت بہت کم ہے تم مطمئن اور خوش نہیں رکھ سکتے۔"

اس نے وزن دوسرے پیر پر منتقل کیا۔

"تمہارے آگے تو ساری زندگی پڑی ہے تم جسے سنوارنے پر قادر ہو، تقدیر بدلنے کا جوش ہے ابھی تم میں لیکن وہ کمزور اور بے بس ہیں، ان کی گزر چکی زندگی کے داغ، درد، زخم سب ہمارے سامنے ہیں کیا اس کا مداوا، اس کی تلافی ہم محض اس لیے نہیں کریں کہ وہ اپنی زندگی گزار چکے، ان کا وقت پورا ہوا، اب انھیں اور ہمیں صرف ان کی موت کا انتظار کرنا چاہیے؟"

"بس کرو بینا۔" سلمٰی نے آ کے اسے ٹوکا۔

"دادا ابا سے مل لو جاؤ، وہ ٹھیک ہیں اب بی

digest library.com

پی لو ہو گیا تھا۔"

وہ سانسیں درست کرتی دادا ابا کے کمرے میں چلی گئی۔

"اس کی باتوں کا برا نہ مانو واعد! بہت جذباتی ہے اور دادا ابا کے معاملے میں تو حد سے گزر جاتی ہے۔ میں معافی مانگتی ہوں اس کی طرف سے۔" وہ جیسے ہوش میں آیا۔

"آپی پلیز! آپ معافی مانگ کے مجھے شرمندہ نہ کیا کریں۔ مجھے بینا کی کسی بات کا برا نہیں لگا۔" وہ بمشکل مسکرایا تھا۔

کچھ دیر بعد انھیں چھٹی دے دی گئی اور وہ انھیں گھر لے آئے۔ بچوں کی شکلیں بتا رہی تھیں وہ بھی گھر میں روتے رہے ہیں۔ اس وقت وہ سب ان کے پلنگ پر ان کے گرد اکٹھا تھے۔ وہ خاموشی سے اوپر چلا گیا۔ بینا نے اسے جاتے دیکھا اور دل میں کہیں ملال ابھرا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

"وہ میرے بارے میں ایسا سوچتی ہے؟"

واعد تب سے جانے کتنی بار یہ جملہ سوچ چکا تھا اور ہر تکلیف پہلے سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ ناشتے سے پہلے دادا ابا کو دیکھنے ان کے کمرے میں گیا تھا جو دواؤں کے زیر اثر اب تک سو رہے تھے۔

اسے ناشتہ بھی سلمیٰ نے لا کر دیا۔ بینا اسے نظر نہیں آئی تھی۔ اسے آج کہیں جانا بھی نہیں تھا لہٰذا وہ وہیں بیٹھا اخبار کی ورق گردانی کرتا رہا۔

بینا صحن میں آئی اور سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گئی۔ جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اوپر کمرے میں یا گھر سے باہر جا چکا ہوگا، وہ تب ہی باہر نکلی تھی۔

"بینا!" وہ واپس اندر جانے لگی تھی کہ واعد اسے آواز دیتا صحن میں آیا۔ وہ رک کے پلٹی۔ اس کی نظریں اب بھی ناراض اور تیز تھیں۔

"میں نے دادا ابا کے متعلق بہت فضول باتیں کی تھیں آئی ایم سوری۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور صداقت بھرا تھا۔

"میرے یہاں بھی ایک بزرگ ہیں، میری دادو اور بخدا میرے خیالات ان کے لیے یا کسی بھی بزرگ کے لیے یہ نہیں ہیں کہ انھیں اللہ اللہ کرتے ہوئے بس موت کا انتظار کرنا چاہیے۔"

بینا کے تاثرات کچھ لطیف ہوئے لیکن اگلے ہی پل وہ بنا کچھ کہے چلی گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور پورا دن اسی پر کام کرتا رہا۔

رات میں اس نے پہلے دادو سے بات کی اور پھر ابا سے۔ انھیں اپنا بنایا 'بزنس پلان' ای میل کیا اور پہلی بار سلیقے سے ان کی رائے مانگی۔ ہٹ دھرمی یا ضدی لہجے میں یہ نہیں کہا کہ مجھے یہ ہی کرنا ہے۔

اب جانے دادو نے ابا کو قائل کیا تھا یا واقعی انھیں اس کا اس شہر میں فاسٹ فوڈ پوائنٹ کھولنے یا کسی انٹرنیشنل فاسٹ فوڈ چین کا فرنچائز لینے کا اردہ پسند آ گیا تھا، انہوں نے صبح اٹھتے ہی اسے فون کیا کہ آ جاؤ پھر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

اس نے سلمیٰ کو اپنا ارادہ بتا دیا تھا۔

"بہت شکریہ واعد۔" وہ رونے لگیں۔

"تم نے ہم بہنوں کا موقف سمجھا ورنہ دنیا میں عمر رسیدہ افراد کے لیے قربانی دینے یا سمجھوتہ کرنے کو یہ کہہ کر بے وقوفی گردانا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی جی چکے ہیں۔ جب کہ سچ یہ ہے کہ عمر کوئی بھی ہو ہر انسان آخری سانس تک اپنی زندگی جیتا ہے، اسے ہمیشہ خوشیوں اور سکون کی ضرورت اور تمنا ہوتی ہے اور یہ دینا ان کا کام ہے جن کے پاس اختیار اور قوت ہوتی ہے یعنی تم جیسے جوان!"

واعد کو کبھی اپنے کسی فیصلے پر ایسا فخر محسوس نہیں ہوا تھا جو اس وقت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اچانک سامنے آکر اس نے راستہ روکا۔

"تم بچوں کو جو سکھاتی ہو اس پر خود عمل نہیں کرتیں؟" اس کی دھیمی آواز ہی نہیں لہجے میں سمویا جذبہ بھی نیا نیا تھا۔

"منہ توڑ جواب دینے کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی میں خود توڑتی ہوں اور وہی انھیں بھی سکھایا ہے۔" اس کی ناراض نگاہیں اور غصیلے تاثرات آواز کے ہم نوا تھے۔ سلمیٰ اسے اس کا فیصلہ سنا چکی تھیں تاہم اس کا غصہ ہنوز جواں تھا۔

"تخریبی کارروائی اور دہشت گردی کے علاوہ بھی تو سکھایا ہے تم نے انھیں بہت کچھ۔" وہ یوں راستہ روکے کھڑا تھا کہ آگے بڑھنے کے لیے اسے ایک طرف ہٹانا پڑتا۔ وہ چپ بس ابرو اچکا کے اسے دیکھے گئی کہ وہ اس کے بارے میں اچھی بات کر رہا تھا۔

"جیسے کوئی غلطی مان کے معافی مانگ لے تو اسے گلے لگا لینا چاہیے۔" اسے مومنہ سے کہا گیا اپنا جملہ یاد تھا اور اس یاددہانی کے ساتھ جو داعد کی نظریں تھیں، وہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔

"آؤ۔" اچانک خلاف توقع اس نے داعد کو پیچھے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور داعد کو لگا' وائلڈ ڈریم' اسے ہی کہتے ہیں۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا اور داعد ایک طرف ہو گیا۔ وہ آگے بڑھی اور داعد اس کے پیچھے۔

"دادا ابا!" وہ کمرے میں ان کے پلنگ کے پاس جا کے رکی۔ وہ بستر پر بیٹھے تھے۔

"داعد کو آپ سے گلے ملنا ہے۔" اس انوکھی فرمائش پر دادا ابا چونکے اور وہ اس کا مقصد جان گیا۔

"آجاؤ بیٹا۔" دادا ابا ہنستے ہوئے کھڑے ہوئے۔ وہ ان کے پیچھے جا کے اسے جتاتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے غازی ہی سمجھ لو۔" انھوں نے بازو پھیلائے اور وہ ان کے گلے لگ گیا۔ اس کا چہرہ بینا کے سامنے تھا۔

"سوری۔" اس نے سیدھا بینا کی آنکھوں میں دیکھ کے سرگوشی کی اور اس لفظ کے علاوہ اس کی آنکھوں اور چہرے پر رقم التجاؤں نے اسے پلٹنے پر مجبور کر دیا کہ اسے ڈر تھا اس کا چہرہ اور آنکھیں بھی اس سے متکلم نہ ہو جائے۔

"کیا؟" دادا ابا نے پوچھا، انھیں اس کی سرگوشی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"آپ کی یہ پوتی اتنی پتھر دل کیوں ہے؟" ان سے الگ ہوتے ہوئے داعد نے اونچی آواز میں سوال کیا جو بینا نے سنا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر تبسم بکھر گیا۔

"کون؟ بینا۔۔۔ نہ بیٹا۔۔۔ بالکل بھی پتھر دل نہیں ہے۔" اس نے انھیں بستر پر بٹھایا۔

"وہ تو بہت نرم دل اور معصوم ہے اور اس معصوم نے اپنے پیاروں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے کاندھے پر اٹھا رکھی ہے۔" دادا ابا کم ہی اتنے طویل جملے بولتے تھے۔

"وہ اس گھر کا مرد بننے کی کوشش میں ایسا ظاہر کرتی ہے۔"

پھر وہ پہلی بار بڑی دلچسپی سے ان کا 'بینا نامہ' سنتا رہا۔

☆☆☆

وہ چارپائی پر سب پھیلائے سائنس جرنل میں تصویریں بنا رہی تھی جو تکمیل کے آخری مرحلے میں تھا۔

کرسی کھینچ کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے داعد نے کورا کاغذ جرنل پر رکھا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے بھی ایک معاہدہ لکھنا ہے اپنے دادا جیسا۔"

digest library.com

"تمہارے پاس کون سی اپنے دادا جیسی پراپرٹی ہے!"

"پھر بھی میں ان جیسا وعدہ پلس معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا۔" اس نے کورے کاغذ کو گھورا۔

"میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"مجھے ڈھنگ سے اردو لکھنی نہیں آتی، تم لکھ دو۔" اس نے گزارش کی۔

اس نے پینسل رکھ کے قلم اٹھایا۔

"بولو۔" بینا نے پیر گھٹنے سے موڑ کے جرنل اس پر رکھا اور پھر کاغذ جرنل پر۔

"میں واعد غازی ولد فاروق غازی اپنے پورے ہوش۔"

"دھیرے۔" اس نے ٹوکا۔

"ہمم؟" اتنا لکھ کے بینا نے اسے آگے بولنے کا اشارہ کیا۔

"پورے ہوش و حواس میں وعدہ اور اعلان کرتا ہوں کہ۔۔۔" اس نے وقفہ لیا اور بینا کو احساس ہوا عبارت کس رخ پہ جا رہی ہے جب کہ ابتدا میں وہ اسے واعد کا کوئی مذاق سمجھ رہی تھی۔

"بینا بنت کلیم احمد تا عمر میرے خانہ دل کی مکیں ہوں گی۔"

حسب توقع و معمول، بینا نے جھٹکے سے سر اٹھایا نہ کاغذ اس کے منہ پر مارا بلکہ اس کا بیان مکمل رقم کرنے کے بعد پرچہ اس کی سمت بڑھایا۔

"تم نے تو یقیناً اسکول کی صورت دیکھی ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی لگتے ہو سو سمجھتے ہو گے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔"

"اس کی حیثیت کسی بھی قانون سے بڑھ کے ہے۔" واعد نے عقیدت سے پرچہ اس کے ہاتھ سے لیا۔ اسے بھی وہ باتیں من و عن یاد تھیں۔

"یہ ایک جیتے جاگتے انسان کی خواہش، اس کا وعدہ ہے اور جو تمہیں اتنی خوبصورت اور حسین جگہ کا مکیں بنائے، اس کی خواہش اور وعدے کا پاس رکھنا تمہاری اولین ذمہ داری ہے۔" وہ جس اعتماد سے اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا، بینا نے وہاں سے غائب ہونے کی تیاری پکڑی اور پینسل، ایریزر اور دیگر چیزیں بٹوے میں ڈالنے لگی۔

"یہ تمہاری عقلی، خلقی، اخلاقی اور دلی ذمہ داری ہے۔"

"تمہاری خوش فہمی میں مبتلا رہنے والی اسکل کمال کی ہے۔" بٹوے کی زپ کھینچ کے اس نے سائنس جرنل اٹھائی۔

"اور تم مجھے اس وقت یقین دلاؤ کہ تمہاری جرأت اور محبت زیرو نہیں ہے۔" واعد نے اس سے پہلے کھڑے ہو کے راستہ روکا۔

"تم بھول گئے، میری عقلی صحت سلامت ہے اس لیے میں ان جھانسوں میں نہیں آتی۔" وہ بازو سے نکل کے آگے بڑھی۔

"مطلب تم قانونی حیثیت والے دستاویز سے کم پر نہیں مانو گی۔۔۔" اس نے پھرتی سے پھر راستہ مسدود کیا۔

"یہ ہی کہنا چاہ رہی ہو نا؟"

بینا جواب دیتی اس سے پہلے ہی اس کی نظر اپنے کمرے کی چوکھٹ سے لگ کے کھڑی متبسم سلمٰی پر پڑی جو جانے کیا کچھ سن اور دیکھ چکی تھیں۔

"آپی! اپنے مہمان کو اب چلتا کریں، بہت ہوا۔" وہ تیزی سے کہتی اپنے کمرے میں بھاگی۔

سلمٰی واعد کے پاس آئیں اور اس کے ہاتھ سے پرچہ کھینچا۔

"سچ میں اسے قانونی دستاویز بنانا چاہتے ہو؟"

دروازہ بند ہونے سے پہلے بینا نے سلمٰی کا سوال سنا تھا اور بند پٹ سے پشت ٹکاتے ہوئے وہ اپنے بے ایمان دل کے جواب پر حیران رہ گئی۔

☆☆☆

ابا اس کے فاسٹ فوڈ ریستوران کے لیے

سرمایہ دار' بننے تیار ہو گئے تھے۔ ایک معرکہ سر ہوا تو دوسرا درپیش تھا۔

امی ابا کی عدالت میں حاضری — سے پہلے اس نے جویریہ اور دادو کے آگے اپنا مقدمہ پیش کیا اور وہ دونوں جو اس کے اتنے دن وہاں ٹکنے پر حیران تھیں، اصل وجہ جان کے مزید حیران رہ گئیں۔

"لیں دادو!" جویریہ نے دادو کا دیکھا۔

"آپ تو جانے کیا کیا سوچ رہی تھیں کہ انھیں وہاں عقل آجائے گی، یہ ہوگا وہ ہوگا مگر بھائی تو رہی سہی بھی گنوا آئے۔"

"کیا مطلب؟" اسے پہلی بات نے چونکایا۔

"دادو کا پلان تھا کہ۔۔۔" اس نے رک کے دادو کو دیکھا۔

"بتادوں؟" انھوں نے سر کی جنبش سے اجازت دے دی۔

"دادو کو یقین تھا کہ اس چھوٹے سے شہر کے پرانے اور ٹوٹے مکان کی وہ قیمت ہی نہیں ملے گی جس سے آپ کا کام ہو سکے، آپ یہ حقیقت سمجھ کے ہی لوٹ آئیں گے دوسرا انھیں علم تھا وہ فیملی وہاں سے جانا نہیں چاہتی اور دادو کو یہاں یہ غلط فہمی بھی کہ آپ ان سب کی وجہ سے مکان بیچنے کا خیال دل سے نکال دیں گے۔"

"غلط فہمی کیسی؟ آخر میں نے وہ خیال دل سے نکال ہی دیا۔"

"لیکن اس وقت جب دل میں بینا جی آ سمائیں۔" جویریہ نے آنکھیں مٹکائیں۔

"یہ دادو نے بلکہ کسی نے نہیں سوچا تھا کہ وہاں لو اسٹوری شروع ہو جائے گی۔"

"ہاں میری لو سٹوری اس شہر سے، اس مکان سے، دادا ابا سے، جوجو سے۔۔۔" اس نے جویریہ کو مصنوعی سنجیدگی سے دیکھا۔

"یاد رکھیں یہ بات میں ان تک پہنچادوں گی جن کے ساتھ اپنی لو اسٹوری کو آپ کاؤنٹ نہیں کر رہے ہیں۔" جویریہ نے دھمکی دی تو وہ ہنس دیا۔

☆☆☆

"کسی نے ایسا انتقام نہیں لیا ہوگا۔" بینا نے چاروں سمت نظریں گھما کے تینوں کی محنت کا جائزہ لیا جو انھوں نے اس کمرے کو حجلہ عروسی میں ڈھالنے کی کوشش میں کی تھی کہ واعد کی ضد تھی اسے اسی کمرے میں ٹھہرنا ہے جو اول دن اسے دیا گیا تھا۔ اُن سب سمیت بارات کی واپسی اگلی صبح تھی۔

"مجھے مستقبل کا علم ہوتا تو اپنا کمرہ ہی نہ دے دیتی۔" اس نے سر اونچا کر کے پنکھے کو دیکھا جو پنکھا ہونے کی فارملیٹی نبھاتے ہوئے گھوم رہا تھا۔ پلنگ کے پاس ہی پیڈسٹل فین رکھا تھا لیکن سرد موسم کی وجہ سے خاموش کھڑا تھا۔

"واہ!" تبھی دروازہ کھول کے اندر آئے واعد کے منہ سے نکلا۔

"بچوں نے تو صورت ہی بدل دی۔"

"ایک کمی رہ گئی ہے۔" اس نے پاس رکھا اپنا کلچ کھولا اور اس میں سے کچھ مٹھی میں دبا کے نیچے اتری۔

"اسے فریم کر کے لگانا رہ گیا۔" اس نے جوجو کی کاپی کا مڑا تڑا صفحہ سیدھا کیا۔ اور ابرو اچکا کے اسے دیکھا۔ اسے اس صفحے کے اندراج بھولتے نہیں تھے۔

"یہ تو پرانی بات ہے۔" واعد نے جھپٹ کے اس کے ہاتھ سے صفحہ لیا اور شیروانی کی جیب میں ٹھونسا۔

"فریم کرنے کے لیے ہمارے پاس اب تو قانونی غیر قانونی سارے معاہدے اور ڈاکیومینٹس ہیں۔" وہ پاس آیا۔

"اس لیے کیا تم یہ پرانا قصہ بھول نہیں سکتیں؟"

"ایک ساتھ، ایک جگہ کبھی کسی نے میری اتنی برائیاں نہیں کی تھیں۔" اسے اب موقع ملا تھا

digest library.com

اپنائیت بھری ناراضی دکھانے کا۔ اب تک تو دشمنی نبھائی جارہی تھی۔

''یہی تو تمھارا چارم ہے کہ۔۔۔'' واعد نے اس کا چہرہ اوپر کیا۔

''اتنی برائیاں دیکھنے اور جاننے کے باوجود خود کو روک نہیں سکا۔''

''میں برے کے ساتھ بری اور اچھے کے ساتھ اچھی والے اصول پر چلتی ہوں۔'' اس نے اب بھی اپنی 'مبینہ برائیوں' کا دفاع کیا اور اپنے ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل میں رواں رہنے والے رویوں کا ذمہ دار بھی واعد کے رویوں کو بنا دیا۔

''اور تم تو صرف برے نہیں دشمن تھے میرے اس وقت۔''

''اس دشمنی کے نتیجے میں، میں نے طے کیا ہے کہ تمہیں اپنے دل اور زندگی کا مالک نہیں بلکہ ان کا کرایے دار ہی بنائے رکھنا ہے۔''

بینا نے شاکی ہو کے سجے سنورے چہرے پر ناراضی کا اضافہ کیا۔

''تم کرایے دار ہو کے جس طرح ڈٹ کے، پورے استحقاق سے مورچہ سنبھالتی ہو وہ کوئی مالک بھی نہیں کر سکتا۔'' اس کے پاس بطور مالک اپنا برا تجربہ جو تھا۔

بینا اس تو جیہہ پر ہنس دی۔

واعد نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے ہی تھے کہ باہر شور ابھرا۔ دونوں کے ذہن میں دادا ابا آئے اور واعد نے جھٹ دروازہ کھولا لیکن باہر کچھ اور ہی منظر تھا۔

جنید آگے تھا اور اس کے پیچھے کہکشاں، میمونہ اور جویریہ اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

دروازے کے پاس آکر ہانپتے جنید نے بینا کو دیکھا۔

''خالہ!'' وہ بڑے غصے میں تھا۔

''جو جو صرف میرا پیار والا نام ہے نا؟''

''ہاں۔'' بینا نے تعجب سے اس کے پیچھے کھڑی لڑکیوں کو دیکھا۔

''جویریہ نے کہا اسے بھی ہم سب جیسا کیوٹ پیٹ نیم چاہیے۔۔۔'' کہکشاں گویا ہوئی۔

''مومو نے کہا تم بھی جو جو رکھ لو تو بس۔۔۔'' اس نے بے چارگی سے جنید کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے تو اس میں غصہ ہونے والی کون سی بات ہے۔'' واعد نے جنید کو اپنے پاس کھینچا۔

''ہمارے پاس نیک نیم، پیٹ نیم ایکسپرٹ ہے نا، وہ ابھی جویریہ کا کیوٹ سا پیار والا نام بتا دیں گی۔'' واعد سراسر اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی شرارت اور گوگو اور نونو کی یاد نے اسے بھی مجبور کر دیا۔

بینا نے اکلوتی نند کو دیکھا جو پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک نظر نئے نئے اور شوخ ہو رہے شوہر کو دیکھا اور پھر دروازے کے ایک طرف ہو کے سب کو دعوت دی۔

''آجاؤ سب اندر۔ آج جب تک جویریہ کا پیٹ نیم طے نہیں ہوتا کوئی نہیں سوئے گا۔''

واعد ارے ارے کہتا سب کو روکتا رہ گیا اور وہ اندر گھس کے پلنگ پر چڑھ کے بیٹھ بھی گئے۔

اگلے ایک گھنٹے میں سب سے بڑھ چڑھ کے نام تجویز کرنے والا واعد تھا لیکن نہ جویریہ کو اس کے تجویز کردہ نام پسند آرہے تھے نہ ہی اس کی آنکھوں کی التجا کو درخواعتنا نہ سمجھنے والے 'ایکسپرٹ' کی تسلی ہو رہی تھی۔

جانے اس شب کا اختتام کیا ہوگا مگر آپ کے لیے یہ داستان یہاں ختم ہوتی ہے۔

☆☆

Digest Novels Lovers Group

URDU NOVELS MAG

شمائلہ دلعباد

اُترن

پیاری قاری بہنو! میں نند نامہ سنانے آئی ہوں بڑا ضبط لیے، چودہ سال سے ہر قسم کے نامے صرف شوہر کو سنا رہی ہوں قسم لے لو جو کوئی فائدہ ہوا ہو۔ بندہ مان لو برف کی سل ہے۔ ٹھنڈے کا ٹھنڈا کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

ہزار بار ایسے ایسے تنور کی طرح تپ کر قصے سنائے مانو یوں لگا میاں صاحب جا کر اب نند یا دیور کی گردن دبوچ لیں گے پر یہ کہاں تھی قسمت۔

کمرے سے باہر نکل کر بات ہی بھول جاتے ہیں بلکہ جس دن میں نے اپنے ساتھ ہوئی زیادتی جتائی ہو اس دن تو ان کے ساتھ زیادہ ہی خوش نظر آتے ہیں جیسے مجھے چڑا رہے ہوں یا ان کو شاباش دے رہے ہوں۔

اب آپ بہنیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ان کو اپنے سامنے دم نہیں مارنے دیتی اس لیے جو مجھے دم نہیں مارنے دیتے ان پر خوش ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا سوچا تو مجھے بڑا دکھ ہوگا، دکھ سے یاد آیا میری نند نے مجھے بڑا دکھی کر رکھا ہے اتنا دکھی کہ نثر لکھنے بیٹھ گئی ہوں اگر شاعری لکھتی تو یقین کرو درد کی شاعرہ کہلاتی۔

ویسے تو میری دو نندیں ہیں لیکن میں بڑی نند باجی تسلیم کی طرف سے زیادہ دکھی ہوں ایک تو پھاپھے کٹنی سیانی بنتی رہتی ہے اوپر سے امیر بھی ہے۔ دوسرا مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا باجی تسلیم جیسی عورت کو ان کی تائی نے بہو کیسے بنا لیا۔ دراصل میری شادی سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے ان کی شادی ہوئی تھی تو مجھے اس لیے بھی اصل معاملے کا پتا نہیں چل سکا کہ کیسے ہوگئی۔

میرے تایا سسر کھاتے پیتے سسرالی خاندان کے امیر ترین شخص دوسرا بھائی یعنی میرا سسر زیبا محمد علی کی فلم کی طرح غریب۔ تیسرا چچا سسر جو ہمسایہ بھی ہے وہ بھی ہم سے بہتر ہے۔

قاری بہنو جیسے سسرال کی عادت ہوتی ہے نا بہو کو جھوٹا ہی کہتے رہنا بالکل ایسے جب میں انہیں غریب کہتی ہوں مانتے ہی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں ہم پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔

ہونہہ۔ کرم ہے۔ میری بھانجی کی شادی پر میں اسے انور ٹرائے کی تحفے میں دینا چاہتی تھی۔

اتنا کرم ہوتا تو میاں اور ساس شطلے نہ نکالتے بلکہ میرے ساتھ اے سی بھیجتے پر نہ جی لے دے کر جڑواں واشنگ مشین دے دی جس کے ساتھ سپنر جڑا ہوا تھا۔ بہنو دل پر پتھر رکھ کر شادی اٹینڈ کی تھی خیر باجی تسلیم کی بات کر رہی تھی اسموگ کی چھٹیوں کی وجہ سے باجی تسلیم آئی ہوئی ہیں بمع آل اولاد اور تین بیگ۔ پہلے تو میں بیگ دیکھ کر گھبرا گئی کہ روٹھ کر آئی ہیں۔

میرے سینے پر مونگ دلیں گی پر یاد آیا تائی زلیخا تو جب بھی آتی ہیں مجھے خاص طور پر سنا کے جاتی ہیں۔ میری تسلیم نے میرا گھر جوڑ رکھا ہے۔ اپنی اولاد کی طرح چھوٹے دیور نند کو پال کر شادیاں کی ہیں۔ بڑی بہو اچھی ہو تو خاندان سنور جاتے ہیں۔"

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں یہ مجھ معصوم کو جان بوجھ کر کیوں سنا کر جاتی ہیں جیسے میں تو ہاتھوں میں تلوار لیے گھوم رہی ہوں یا میں ہتھوڑے سے ان کا

URDU NOVELS MAG

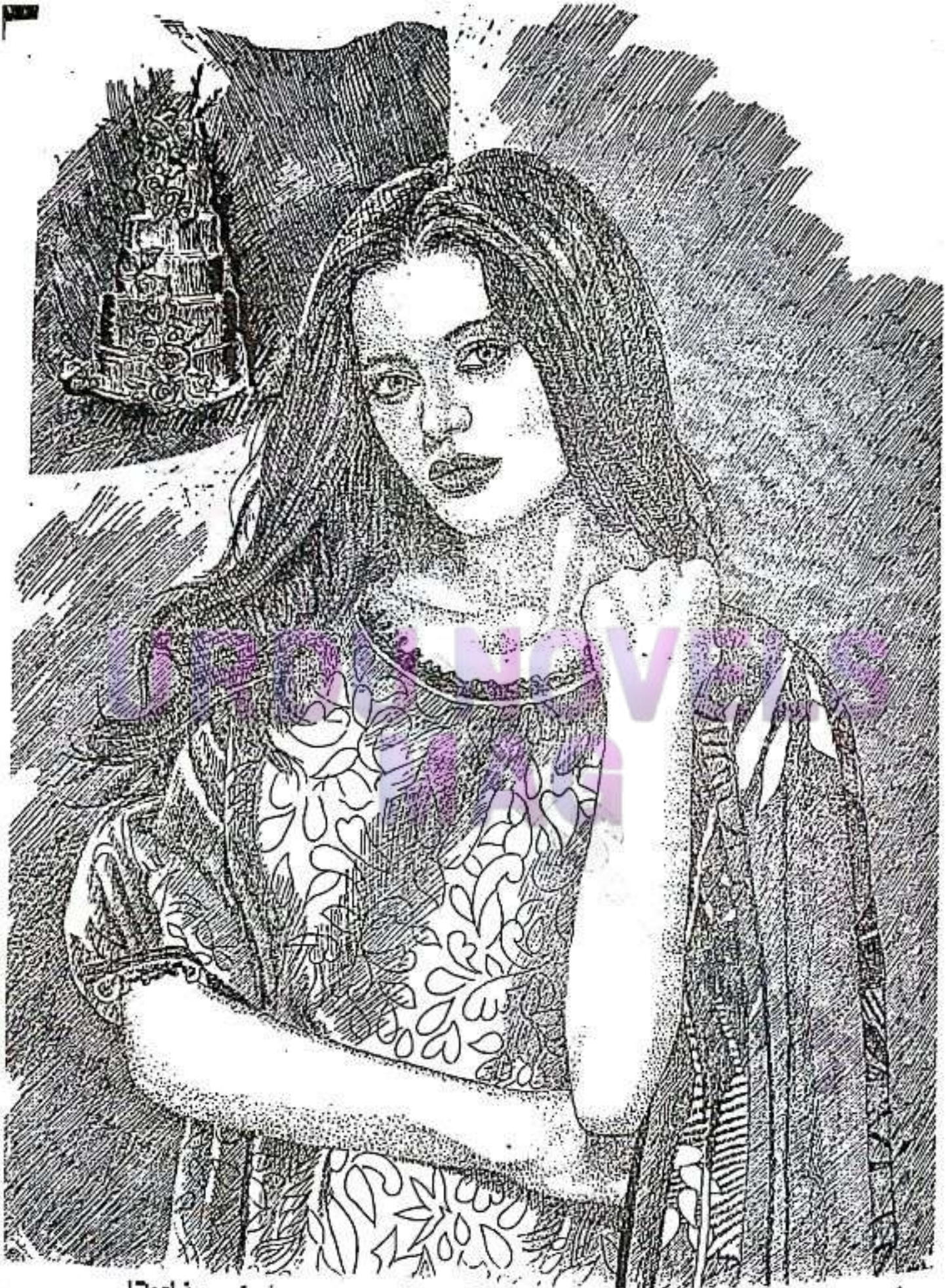

گھر توڑ رہی ہوں ہونہہ یہ ڈرامے بازیاں۔
ڈرامے بازیوں سے یاد آیا۔ میری ساس بھی

کم ڈرامہ نہیں ہے دونوں دیورانی جیٹھانی یعنی تسلیم
باجی کی ساس اور میری ساس جب بھی اکٹھی ہوں

گھنٹوں من من باتیں کر رہی ہوتی ہیں، بہنو آج کل تو سگی بہنیں ایسے بہنا پے نہیں دکھاتیں جیسے یہ دونوں بوڑھیاں لگی ہوتی ہیں۔ آگے آپ خود سمجھ دار ہیں کیا گفتگو فرماتی ہوں گی، اسی من من کا نتیجہ ہوتا ہے جو تائی ساس مجھے اچھی بڑی بہو پر لیکچر دے کر جاتی ہے ویسے نا بڑی بہو ہونا بھی مصیبت ہی ہے، میں نے تو سوچا ہوا ہے اپنی بیٹی کو گھر کے بڑے لڑکے سے ہرگز نہ بیاہوں گی۔ کوئی درمیانہ پیس دیکھوں گی۔ ہائے ہائے بات کدھر کو چلی گئی میں تسلیم باجی کا بتا رہی تھی۔

بہنو میں نے تسلیم باجی کے روٹھ کر آنے والی آپشن پر مٹی ڈال دی اور مہمان داری کے لیے کمر کس لی۔

قاری بہنو! میرا تو درد ہی نرالا ہے سنو گی بلکہ پڑھو گی تو کلیجہ منہ کو آئے گا کہ کیسی ظالم سسرالی عورتوں سے واسطہ پڑا ہے جو کھا پی کر عزت اتارتی ہیں۔

میں نے دوپہر کو دہی پھلکی اور پلاؤ بنا کر سیوا کی تھی اس کا صلہ باجی تسلیم نے کچھ یوں دیا کہ مجھے آواز دے کر پاس بلایا۔ ساس کے کمرے میں پہنچی تو کیا دیکھتی ہوں دونوں ماں بیٹی بیڈ پر کپڑوں کا ڈھیر الٹائے بیٹھی ہیں۔ میری شہزادی قارئین بہنو! مجھے پاس بٹھا کر میری بے عزتی کی، باجی تسلیم کہنے لگیں۔

"طاہرہ یہ بچوں کے پچھلے سال کے سردیوں کے کپڑے ہیں۔ یہ جیکٹ دس ہزار کی لی تھی وہ پینٹ اتنے کی، وہ جرسی اتنے کی، یہ بوٹ اتنے کے، انر ویئرز یہ وہ۔ پیارے قارئین! میں تو ٹکر ٹکر دیکھوں، مجھے کیوں قیمتیں بتا رہی ہیں اور تین بیگوں کا عقدہ تو اب آپ لوگوں پر کھل ہی گیا ہوگا کہ ان میں اپنے بچوں کے پچھلے سال بلکہ مجھے تو اس سے بھی پچھلے سال کے بھی شامل لگے کے گرم کپڑے لے کر آئی ہیں۔

"طاہرہ بچوں کا سارا اسٹف بہترین برینڈز کا اور قیمتی ہے۔ تم دیکھ سکتی ہو کنڈیشن بھی کتنی اچھی ہے استعمال شدہ تو لگ ہی نہیں رہے لیکن میرے بچوں کے یہ سب چھوٹے ہو گئے ہیں اگرچہ نئے ہیں پر بچے بڑھنے کی عمر میں ہیں۔ ہر سیزن پر نیا ہی سب لینا پڑتا ہے اوپر تلے کے دونوں لڑکے ہوں یا لڑکیاں تو پہلے بچے کی چیز دوسرے بچے کو بھی پہنائی جا سکتی ہے پر تمہیں پتا ہے میری طرف ایسا نہیں ہے اس لیے رکھنے کا فائدہ نہیں۔ کسی اور کو میں دینا نہیں چاہتی قیمتی چیزیں بھکاریوں کو دینے کو دل نہیں مانتا، اسی لیے سوچا اپنے بھائی بھاوج کے بچوں کو ہی دوں۔ یہ بھی میرے ہی بچے ہیں تمہیں تو میری عادت کا علم بھی ہے۔ میں بچوں میں فرق نہیں کرتی کیا تیرے کیا میرے جب خون ایک ہے۔ اس لیے تم بچوں کے لیے رکھ لو۔"

عزیز بہنو! اتنی لمبی تقریر اور پھر اپنے بچوں کی اترن میرے بچوں کے لیے سن کر میں تو دنگ ہی رہ گئی مجھے پکا یقین ہے اس وقت میں شیشہ دیکھتی مجھے ہونق کی تعریف سمجھ میں آ جاتی بلکہ ہونق دکھائی دے جاتی شاید اسی لیے باجی تسلیم نے کچھ وقفے سے کہا۔

"اگر مناسب سمجھو تو..... دراصل طاہرہ تمہیں پتا تو ہے، قیمتی برانڈڈ چیزیں جلدی خراب کہاں ہوتی ہیں بچوں کے چھوٹی ہو جاتی ہیں اور بڑوں کی دے دلا کر جان چھڑانی پڑتی ہے طبیعت اکتا جاتی ہے۔"

میں ابھی شروع ہونا چاہتی تھی کہ بی بی غریب ہیں اپنے گھر ہیں" یہ الگ بات ہے میاں میرا تو غریب مانتا ہی نہیں، اپنا گھر، مستقل نوکری، اچھے سکول میں پڑھتے بچے اسے غریب ماننے ہی نہیں دیتے حالانکہ نہ کوئی سیونگ پاس ہے نہ ہی گھر رینوویٹ کرنے کی گنجائش پھر بھی ہواؤں میں اڑتا ہے یہ شخص۔

ابھی باجی تسلیم کی کلاس لینی تھی۔ رخ میاں کی طرف مڑ گیا ہے۔ میں نے خوب سنائی تھیں کہ ہم پر امارت کا رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں ہم اپنے بچوں کو اترن نہیں پہناتے لیکن برا ہو، ہمسائیوں کا اسی

وقت آن پہنچیں تو مجھے ان کے پاس جانا پڑا اور بات بیچ میں رہ گئی لیکن میں اٹھتے ہوئے انہیں اپنی لک ایسی ضرور دے کر آئی ہوں کہ میری ان کہی سمجھ جائیں۔

ویسے بھی سارا خاندان کہتا ہے تسلیم سیانی ہے اب سیانی ہوئی تو میری خاموشی کا جواب سمجھ جائے گی نہ سیانی ہوئی تو پھر اپنے بھائی سے بات کرے گی۔

قاری بہنو! میں نے بھی سوچا ہوا ہے باجی کے بھائی صاحب اگر ایک لفظ بھی مجھ سے اپنے بھانجوں بھانجی کی اترن کے معاملے میں بولے تو وہ حشر کروں گی، بہن بھی یاد رکھے گی۔

بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں خون ایک ہے تو اترن کیسی، ایک دوسرے کی چیزیں جیسے مرضی استعمال کریں والا چورن آج بھی بکتا ہے اسی لیے تو میرے شوہر نامدار ایسی، چکنی چپڑی باتوں میں گم رہتے ہیں۔ اسی گمشدگی میں مجھے قائل کرنے کی کوشش کریں گے اور منہ کی کھائیں گے ان شاء اللہ بہن اکیلے میں جتنی مرضی پٹیاں پڑھا لے چلنی تو میری ہی ہے۔

ابھی پارلر کا چکر لگا آؤں۔ محلے میں شادی ہے رات کو مہندی کا فنکشن ہے میرے آئی بروز نیٹ کرانے والے ہیں ساتھ ہی کلینزنگ کروا آؤں گی تب تک میرے شوہر صاحب اور ان کی بہن اور ماں کو اکیلے میں بات کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ رات کو بیڈ روم میں مجھے ان کی دی دلیلوں سے قائل کریں گے تو اگلے دن اگلا قصہ سناؤں گی۔ ویسے سچی بات تو یہ ہے لکھتے لکھتے میرا آدھا غصہ ختم ہو گیا ہے۔ عزیز بہنو! ایک بات پر تو یقین آ گیا کہ لکھنے سے بڑا کتھارسس ہوتا ہے۔ باقی کتھارسس صبح کروں گی ابھی پارلر ہو آؤں پھر سب نے رات کو مہندی میں شرکت بھی کرنی ہے۔

☆☆☆

"ماما آپ نے دیکھا بڑی پھوپھو نے سارے گفٹ خدیجہ اور اس کے بھائیوں کو دے دیے۔"

"ہائے ہائے کون سے گفٹ؟ رولا ڈال کر میرا آئی لائنر ہی بگاڑ دیا تو نے۔ اب دیکھ ایک آنکھ سیدھی اور دوسری ٹیڑھی لگ رہی ہے۔"

"مما آپ کو آئی لائنر کی پڑی ہے، میں کیا بتا رہی ہوں۔"

"کیا بتا رہی ہو؟" بالآخر مجھے آئی لائنر نیچے رکھنا پڑا لیکن عائشہ ناراض ہو کر کمرے سے نکل گئی ہے۔

عائشہ میری بڑی اولاد ہے، اس لیے نازک مزاج بھی ہے۔ ایک تو مجھے پارلر میں خاصا وقت لگ گیا اوپر سے اولاد نے اپنے رونے دھونے شروع کر دیے ذرا اچھا آئی لائنر نہیں لگا خیر شامیانے میں چلتی ہوں، ایسا نہ ہو جب تک میں پہنچوں۔ کھانا ختم ہو جائے۔ سنا ہے چکن منچورین کے ساتھ فرائیڈ راکس ہیں۔ میٹھے میں ٹلیبی ہوگی مجھے یہ مینیو بڑا پسند ہے اس لیے میں وقت سے پہنچنا چاہ رہی ہوں۔

میری عزیز قاری بہنو! ادھر آ کر مجھے سمجھ میں آئی۔ میری عائشہ کیا بول رہی تھی۔ باجی تسلیم نے اپنے بچوں کی اترن سے بھرے بیگ اپنے چچازاد کی بیوی کو دے دیے ہیں۔ دیکھا آپ نے کیسی پھاپھے کٹنی ہیں صدف بھابھی صدف بھابھی کر کے جذباتی ڈائیلاگ مار کر اترن بھرے گٹھر پکڑا دیے ہوں گے اس نے خوشی خوشی لے لیے۔ اب صدف بھابھی کے بچے پورے شامیانے میں وہی کپڑے پہنے پھر رہے ہیں۔

"مما! پھوپھو ہم سے جھوٹا پیار جتلاتی ہیں۔ اتنے پیارے اور لیٹسٹ فیشن کے اپر اور جیکٹیں خدیجہ کو دی ہیں۔ میں نظر نہیں آئی پھوپھو کو۔"

"ہاااا عاشی ایسے کیسے رو رو کے بے حال ہوئی جا رہی ہو عاتکہ کی اترن ہے۔ باجی نے مجھے دکھائی تھی۔"

"مما آپ کو پتا ہے یہ کتنی بڑی برینڈ کے ہیں،

digest library.com

مہنگے بھی ہیں اور فیشن میں بھی۔ عاتکہ میری اتنی اچھی فرینڈ پلس کزن ہے۔ دادی تو کہتی ہیں بہن ہے اس کی چیزیں اترن کیسے ہو گئیں؟ جب پھوپھو آپ کو دکھا رہی تھیں آپ پھوپھو سے کہہ دیتیں، مجھے دے دیں یا پھر مجھے بتاتیں۔ میں خود پھوپھو سے بات کرتی۔ کہیں پھوپھو آپ کو تو نہیں دے رہی تھیں اور آپ نے اترن سوچ کر انکار کر دیا ہو۔"

ہائے ہائے عاشی اتنے درست اندازے نہ لگاؤ دل میں کہہ رہی ہوں۔

"ممابتائیں نا؟"

قارئین! زندگی کے نشیب و فراز میں ایسے بھی مقام آتے ہیں جب جھوٹ بولنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔

"نہیں۔ میں نے انکار تو نہیں کیا تھا۔ کوئی ملنے آ گیا تھا تو ادھر متوجہ ہو گئی تھی یوں ہماری بات بیچ میں رہ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں گھر جا کر پھوپھو سے بات کروں گی ہم زیادہ قریبی ہیں یا خدیجہ لوگ؟ خدیجہ کیسے اترائی پھر رہی ہے۔ ہمیں پھوپھو کی وجہ سے برانڈڈ چیزیں مل سکتی تھیں جو ہمارے بجٹ میں نہیں آتیں لیکن۔"

لو بہنو! نئی پسوڑی پڑ گئی ہے، مجھے کیا پتا تھا، میرے بچے اترن پہننے کے لیے اتنے باؤلے ہو جائیں گے۔ عائشہ اب سوں سوں کرتی اٹھ کر گئی ہے۔ قسمیں بیٹی کے لیے دل بڑا دکھی ہو رہا ہے۔

"صدف بھابھی آپ نے عاتکہ کی جیکٹ اور احمد کے شوز آن لائن منگوائے ہیں؟"

"نہیں تو"

"تو پھر کسی بڑے شہر سے لائی ہوں گی در اصل اپنے شہر میں تو ان کا آؤٹ لیٹ ہی نہیں ہے۔"

"میں نے نہیں خریدے تسلیم باجی نے دیے ہیں ان کے بچوں کے سائز چینج ہو گئے تو وہ ہمارے بچوں کے لیے لے آئیں۔"

"اوہ سو سویٹ....."

"اچھا ہی ہوا عائشہ نے اپنی ٹیوشن والی باجی کی صدف کے ساتھ گفتگو نہیں سنی۔ حیرت مجھے یہ ہے کہ صدف نے کس کھلے دل سے منہ پھاڑ کر بتا دیا تسلیم باجی کے بچوں کے ہیں۔

پیاری بہنو! کیا ایک فیملی کے بچوں کے چھوٹے ہوئے سامان کو اترن نہیں کہتے؟ کیا تسلیم باجی اور صدف صحیح ہیں کہ فیملی کے بچے ایک خون اور ایک نانا دادا ہونے کی وجہ سے سانجھے ہوتے ہیں۔

باقی کا فلسفہ بعد میں، ابھی میں اپنے تیسرے نمبر والے نمونے کے دو تھپڑ لگا آؤں۔ وہ تسلیم باجی کے دیے ہوئے شوز پہن کر کھڑے صدف کے بیٹے کے پیروں میں بیٹھ کر جوتے کی بتیوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ دل ہی خراب ہوا جا رہا ہے، باجی تسلیم کو بھلا اتنا سیانا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی جو میری خاموش نگاہ کا اصل مطلب سمجھ کر صدف کو بیگ پکڑا آئیں۔ انسان اتنا بھی سیانا نہ ہو کہ فوراً ان کہے مطلب سمجھ لے۔ مجھے موقع تو دیتیں، ہو سکتا ہے سوچ بچار کے بعد میں رکھ ہی لیتی۔ پرایے ظلم نہ کریں تو سسرالی کیسے بنیں۔ میں نے بتایا تھا نا میں ویسے تو دکھی ہوں ہی پر باجی تسلیم نے تو دکھی کرنے کی حد کر ڈالی ہے، خاموش نگاہیں بھی پڑھ لیتی ہیں۔ اب منجورین میرے گلے میں پھنس رہا ہے، اوپر سے ناہید اختر بفرز میں گرج گرج کر گا رہی ہے۔

تھا یقین کہ آئیں گی یہ راتاں کبھی۔

ارے کوئی ناہید اختر سے کہے اپنا وہ والا گانا گائے۔

ہمیں غم ملا ہمیشہ صورت بدل بدل کے۔

ساتھ سُر ملا کر سب سے اونچا میں گاؤں گی۔

☆☆

Digest Novels Lovers Group ❤❤

URDU NOVELS MAG

فرح بخاری

سامنے والی کھڑکی

پنچھی بنی، اُڑتی پھروں ۔۔ مست گگن میں
آج میں آزاد ہوں ۔۔ دُنیا کے چمن میں

دادا جان اِس بڑھاپے میں بھی سرما کے دیوانے تھے۔ نومبر دسمبر ان کی یادوں کے دوار کھولنے میں بڑے معاون ثابت ہوتے تھے۔ صائم کہتا اللہ جانے کیسی قوس وقزح کی نہر میں ہاتھ دھوئے تھے بزرگوار نے ۔۔ مزاج کی رنگینی تھی کہ پھیکی ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ دسمبر لگا تو بالکنی میں ٹیپ ریکارڈر سج گیا اور کیسٹس والی الماری بھی کھل گئی۔ اب ایک ایک کیسٹ سے دھول صاف کرتے جاتے اور باری باری ریکارڈ بجا کر یادوں کے گارڈن میں اُڈاری لگاتے پھرتے۔ حالانکہ اشعل نے کان بھرنے کی بھرپور کوشش بھی کی

"دادا جان ۔۔ میں تو سمجھتا تھا یہ فیمنزم (آزادیٔ نسواں کی طرف داری) آج کی بیماری ہے۔ پر اب پتا چلا یہ تو پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں بھی عروج پر تھی۔"

"ہیں...... وہ کیسے؟" دادا ابا صاحب نے ٹیپ ریکارڈر کا والیوم کم کیا اور اشعل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہی......" اس نے دونوں ہاتھوں کا اشارہ ٹیپ ریکارڈر کی جانب پھیرا "پنچھی بنی اُڑتی پھروں ۔۔ کے بجائے پنچھی بنا اُڑتا پھروں کیوں نہیں ۔۔ مجھے کیا حق حاصل نہیں ہے دنیا کے گگن میں آزاد پھرنے کا ۔۔ لیکن نہ ۔۔ وہی عورت کارڈ ۔۔ وہی پھپھی۔"

"اررے یارر......" دادا ابا نے سخت بیزاری سے والیوم دوبارہ اونچا کیا۔ "جاؤ، پتر کسی اور کو بور کرو ۔۔ میں ہی ملا ہوں صبح صبح۔"

"ٹھیک ہے دادا جان ۔۔ آپ بھی پروموٹ کریں اِن خرانٹ کلیوں کو۔ یہ ۔ پاپا کی پریاں نہیں ۔۔ چھریاں ہیں چھریاں ۔ اور گلا کٹنے پر آواز بھی نہیں نکلتی۔" وہ بوریت کا خطاب ملنے پر سخت کبیدہ خاطر سا بڑبڑ کرتا کمرے میں آ گیا۔

"پھر کیوں تیرہ بجے ہیں چوکھٹے پہ۔" رفعت نے ناک منہ سکوڑ کر اپنے اکلوتے سڑیل کو دیکھا۔

"میں تو بھیا ۔۔ بور ہو رہا ہوں یہاں سے۔ میری بلا سے، کوئی بالکنی کو چنڈو خانہ بنائے ۔۔ یا ۔ یہ ۔" "اس نے پلنگ پہ بکھرے آن لائن ڈریسز کو دیکھا "لاڈلیوں کو دبئی فیسٹیول کے مزے فراہم کرے۔"

"اب کہاں کو روانگی ہے؟" رفعت نے کپڑے پلنگ پہ رکھ کر اسے بغور سننے کا عزم کیا۔ پچھلے ایک ماہ سے اُس نے ٹیبل پر پراسپکٹس کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ وحید چاچا نے جسے طنزیہ ہنسی سے دیکھتے جملہ جوڑا تھا کہ "زیادہ پراسپکٹس لیاقت کی نہیں نالائقی کی نشانی ہوتے ہیں۔"

"لاہور جاؤں گا پڑھنے ۔" اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر خود کو بااعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ رفعت کی ہنسی نکل گئی۔

"باپ سے پوچھ لیا؟"

"جی ۔ پوچھ لیا۔" اشعل کے لہجے میں ایکدم بشاشت جھلکی۔

"واہ ۔ شیشے میں کیسے اُتارا؟"

"اُن کی مرضی کا پروفیشن چن کر۔" اشعل نے

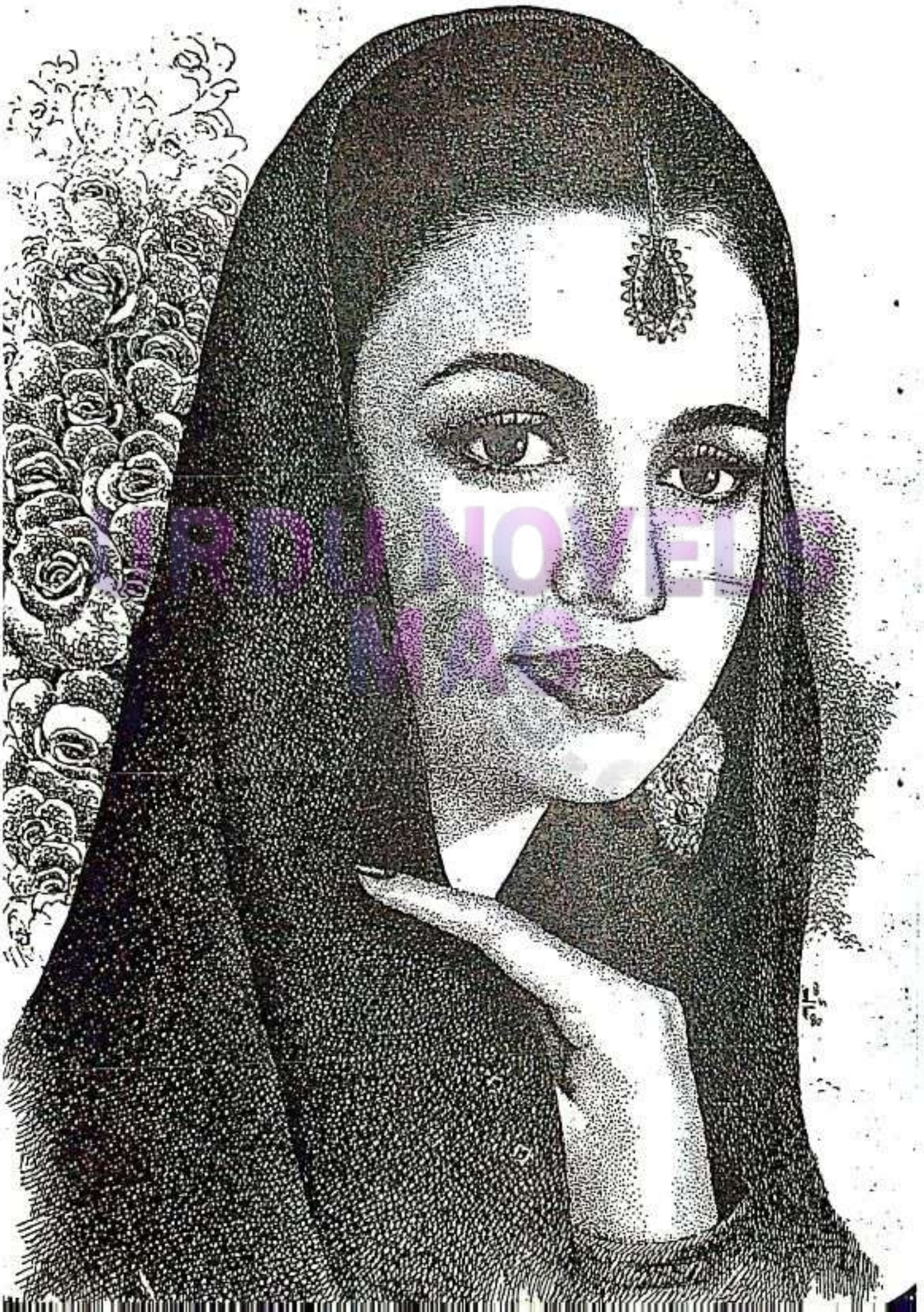

digest library.com

ابرو اٹھا کر اپنے اسمارٹ ہونے کا اشارہ دیا

"یعنی..... کیا کرنے لگے ہو۔" رفعت کا حیرت سے منہ کھلا۔ کل تک ان باپ بیٹے کا سارا اختلاف ہی پروفیشن پر تھا۔ اشعل کمپیوٹر ڈیزائننگ کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اور باپ زبردستی ایم فل کروانے کے بعد اب پی ایچ ڈی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اور رفعت خوش تھیں کہ اگر باپ جیت گیا تو بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ کیونکہ اپنے شہر میں بھی اچھے انسٹیٹیوٹ تھے، اور اشعل کے متعلق تو انہیں پتا تھا کہ ڈیزائننگ وغیرہ تو ایک بہانہ ہے۔ پروفیشن کا اصل میں مسئلہ ہی نہیں تھا۔ جس بندے کو پڑھائی سے ہی دلچسپی نہ ہو، پروفیشن سے اسے خاک لگاؤ ہونا تھا۔ اسے تو بس لاہور بھاگنے کی جلدی تھی۔ اور اس کی وجہ بھی بڑی سیدھی تھی۔ اول تو شیخ فیملی کے سب ہی آدمی ہی اپنے تئیں پھنے خان تھے۔ "میں" سے اسٹارٹ ہوتی گفتگو کا انجام بھی "میں" پر ہی ہوتا تھا۔ اللہ جانے کس سیارے سے اُترے تھے۔ پر یہ اشعل حمید تو مکھیا (لیڈر) تھے سب کے۔ اُن کی الگ اپنی ہی لائن تھی جس پر نہ صرف وہ خود چلتے تھے بلکہ پوری کوشش تھی کہ باقی بھی انہی کے پیچھے چلیں۔ رفعت نے ایک بار فضہ اور عمارہ کی باتیں سنیں۔ اشعل کو وہ پائیڈ پائپر (بانسری والا) کہتی تھیں۔

اس حساب سے ہم سب تو چوہے ہوئے۔ عصمہ چاچی کو مثال پسند نہیں آئی تھی۔ خیر تو بات ہو رہی تھی اشعل کی کھینچی لکیر کی۔ اب باقی مکھیا گیری تو چلو ایک طرف ہوگئی۔ اصل روگ یہ تھا جناب والا کو کہ انہیں کزن میرج نہیں کرنی تھی۔ اور کسی قیمت پر نہیں کرنی تھی۔۔ دنیا کی بے کار ترین مخلوق ہوتی ہیں یہ خالہ زاد، ماموں زاد، چچازاد۔۔ اُف۔۔ وہ زچ ہو کر کانوں کو ہاتھ لگاتا۔ "کوئی باہوش و حواس انسان ان کو بطور بیوی جھیل بھی کیسے سکتا ہے۔"

"کیوں بھئی۔ میں تمہارے ابا کی ماموں زاد ہوں۔ بتاؤ کیا برائی ہے ہمارے کپل میں۔ رفعت کی تیوری چڑھ جاتی، کیونکہ جن سب رشتوں کے باقاعدہ نام لے کر وہ اظہار بے زاری کرتا تھا۔ وہ سب ہی بھر بھر کے موجود تھیں۔ اور رفعت نے انہی میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی کرنا تھا۔ تب ہی وہ بری طرح چڑ جاتیں۔

"آپ کے دور کی کزنز قدرے انسان تو تھیں۔ یہ جو آج کل کی ایلیئن کزنز ہیں نا۔" اس نے کان کی لو کو چھوا۔ "شیطان بھی پناہ مانگے، میری کیا اوقات۔"

"اور جو تم باہر سے کسی اسٹرینجر کو لاؤ گے۔ کسی نہ کسی کی تو وہ بھی کزن ہوگی۔"

"ہاں..... یہی بات....." اس نے تو نشست سنبھال لی، اپنا تھرڈ ریٹ فلسفہ بڑے اعتماد سے پیش کرنے کے لیے۔ "جن کی وہ کزنز ہیں نا۔ ان کے لیے وہ بھی ایلیئن ہی ہیں۔ یہی لڑکیاں جب غیر فیملی میں جاتی ہیں تو ایک دم سیدھی رہتی ہیں۔ ہمارے والیوں کو کہیں دور پار بھیج دیں تو یہ بھی تیر کی طرح ہو جائیں گی۔ کوئی نخرہ نہیں۔ کوئی چونچلے نہیں۔ لیکن جونہی دم تلے اپنا کوئی بے چارا کزن آ گیا۔۔ چُن چُن کر پہلے اس کی کمزوریاں مٹھی میں دبائیں گی اور پھر اسے بھی دبوچ لیں گی۔"

"اور تمہیں لگتا ہے، تم جو کہہ رہے ہو، وہ بالکل درست ہے؟" رفعت کا اندر سے خون کھول رہا تھا۔ اشعل سے بات کر کے ہمیشہ اسے یہی لگتا کہ ساری عقل و دانش اس وقت ریت ہو جاتی ہے جب سامنا اشعل جیسی فولادی دیوار سے ہو۔

"آپ کو پتا ہے، میں کبھی غلط نہیں کہتا۔ کیا کانفیڈنس تھا۔"

"اُف۔" رفعت بلڈ پریشر اوپر جانے کے خوف سے کمرا ہی چھوڑ جاتیں۔ پر آج تو قصہ ہی نیا تھا۔

"اچھا اگر باپ کی مرضی کا پروفیشن چُنا ہے تو پھر۔۔؟ بات ابھی پوری کہاں سمجھ میں آئی تھی۔"

"تو میں نے شرط رکھ دی کہ ٹھیک ہے نہیں کرتا

digest library.com

کمپیوٹر ڈیزائننگ۔ لیکن اگر پی ایچ ڈی کی تو یونیورسٹی اور جگہ میری پسند کی ہوگی۔" اس نے کالر بھی کھڑا کیا

"آں۔۔ہاں۔" رفعت کھلا منہ لیے اب بات تک پہنچی تھیں۔ اشعل کا اصل مقصد تو گجرات سے بھاگنا تھا۔ اور باپ سمجھ رہا تھا کمپیوٹر ڈیزائننگ ترک کر کے اس نے اپنے دیرینہ خواب کی قربانی دی ہے۔

"تو۔اب۔؟"

"لو جی۔ آپ کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ سعد اللہ چاچا سے بات بھی ہوگئی ہے۔ وہ سب مجھے ویلکم کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"ہوں۔ کب جا رہے ہو؟" رفعت کا موڈ تو خوب بگڑا لیکن تاثرات چھپا لیے۔ وہ ماں تھیں اور اشعل کے پر پھیلانے کی وجہ سے بھی واقف تھیں۔ اُسے کسی طرح کزنز کے جھرمٹ سے نکل کر آزاد فضاؤں میں جانا تھا۔ یونیورسٹی میں داخلہ لے کر نت نئی دوستیاں کرنی تھیں۔ اور اسے پورا یقین تھا کہ خوابوں کی شہزادی خاندان میں تو کیا پورے گجرات میں کہیں نہیں ہے۔ "لاہور" ہی تھا اس کی اُمنگوں کا محور و مرکز۔ اور یہی رفعت نہیں چاہتی تھیں۔ پتا نہیں بیگانے شہر میں کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے۔ وہ الجھی الجھی سی اپنے کمرے میں آ گئیں۔ سوچا شام کو حمید صاحب سے پوچھیں گی۔ لیکن شام کو مایوسی بھرے خیالات بجائے کم ہونے کے حمید اللہ صاحب کو سن کر کچھ اور بڑھ گئے۔

"اشعل کی بات تو بالکل درست ہے رفعت۔ اب تو ہر کوئی بڑے شہروں کا رخ کر رہا ہے۔ ڈگری کی ویلیو کچھ اور بڑھ جائے گی۔"

"آپ بھی بھائی اچھے عہدوں پر ہو۔ روپے پیسے کی بھی کوئی کمی نہیں۔ آپ بھی تو اسی شہر سے پڑھے ہیں۔"

"وقت وقت کی بات ہے بیگم۔ دور بدل رہا ہے۔" وہ تو ذہن بنائے بیٹھے تھے۔ اب رفعت کی کہاں سننے والے تھے۔ وہی خاندانی "میں" کا مرض۔۔ وہ بجھے بجھے خیالات لیے وہاں سے چلی آئیں۔

☆☆☆

"بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو رفعی! کب تک بچوں کو گھٹنے سے لگا کر بیٹھ سکتے ہیں۔ جہاں نظر ڈالو۔ بچوں کے اچھے فیوچر کے لیے سب ہی ایسے فیصلے کرتے دکھائی دیں گے۔ مجھے تو سعد اللہ نے بتایا۔ بچی بڑی خوش ہوئی۔ اسی بہانے ذرا تم بھی لاہور کا چکر لگا لیا کرو گی۔ میں نے تو اوپر کا کمرا خالی بھی کروا لیا۔ اب اشعل کے لیے سیٹ کروا رہی ہوں۔

دیکھو تم نے ضرور آنا ہے ساتھ، خود اپنی تسلی سے اس کو یہاں سیٹ کر جانا۔" نادیہ سے فون پر بات ہوئی تو وہ بڑی خوش نظر آئی۔ اور رفعت کو سعد اللہ یا نادیہ کی وجہ سے تو مسئلہ تھا ہی نہیں۔

نادیہ اور رفعت سگی خالہ زاد بھی تھیں اور اب دیورانیاں جیٹھانیاں بھی۔ اول جماعت سے لے کر کالج کی پڑھائی تک دونوں ایک ساتھ ایک بنچ پر بیٹھی تھیں۔ گہری پکی سہیلیاں۔ دوستی ڈبل رشتے داری میں بدلی، تب بھی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ حتیٰ کہ منجھلی دیورانی عصمہ بھی اپنے جیسی دوست مزاج تھی۔ اور یہی پیار یہاں بھائیوں میں تھا۔ حمید اللہ، وحید اللہ اور سعد اللہ بھی جان چھڑکنے والے بھائیوں میں سے تھے۔

اشعل کو لاہور میں ہاتھوں ہاتھ لیا جانا تھا۔ یہ تو رفعت بھی جانتی تھیں۔ پر اصل مسئلہ اشعل کے پلانز کا تھا۔ اسے گجرات سے صرف اس لیے بھاگنا تھا کہ اسے کسی کزن سے باندھ نہ دیا جائے۔ اور خالی کھوپڑی میں ایک ہی بھرکس بھرا تھا کہ شادی اس نے آؤٹ آف فیملی کرنی ہے۔ اب نادیہ اور سعد اللہ اس کا یونیورسٹی کے اندر تو خیال نہیں رکھ سکتے تھے۔ پتا نہیں یہ بچے کبھی سکھ چین سے کیوں نہیں بیٹھنے دیتے۔ اوپر سے ہم پاکستانی ماؤں کا ایک دکھڑا یہ بھی

ہے کہ بچوں کے اُلٹے کام ہمیں ان کے باپوں سے بھی چھپانے پڑتے ہیں۔ وہ کسی قیمت پر اشعل کے خیالات حمید اللہ کو نہ بتا سکتی تھی۔ ایک تو ہمارے پاکستانی باپ لڑکوں سے پیش بھی ایسے آتے ہیں کہ ماں کا کلیجہ باہر نکل پڑے۔

وہ بھی بس اپنے آپ سے جنگ لڑتے اشعل کو لاہور روانہ کرنے کی تیاری میں لگ گئیں۔ آج بدھ تھا۔ پیر کو اس کی پہلی کلاس تھی اور چچا سعد اللہ نے کہہ دیا تھا کہ ہفتے کی صبح وہ ان کے ہاں پہنچ جائے تاکہ وہ دو دنوں میں اسے یہاں کے روٹ سمجھا دیں۔ پروگرام یہی طے ہوا تھا کہ وہ چچا کے گھر سے بائیک پر یونیورسٹی جایا کرے گا۔ اب انہی دو دنوں میں انہیں اشعل کی پیکنگ کرنی تھی۔ کچھ سامان نیا لینا تھا اور اس کی لسٹ اشعل سے پوچھ کر تیار کرنی تھی۔

☆☆☆

"ہاں بھئی۔ کیسا رہا آج کا دن؟" نادیہ کھانا بنا چکی تھیں۔ چولہا اور سلیب صاف کرتے اشعل کو دیکھا۔ تھکا ہارا سا وہ سامنے ہال کی ڈائننگ ٹیبل پر آبیٹھا تھا۔

"ایک دم فرسٹ کلاس۔ دھاک بٹھا دی سب پر۔" وہ اپنی عادت مطابق گھٹنے پہ دھپ جما کر بتا رہا تھا۔ بلکہ سنجیدہ بھی تھا۔

"ہوں......" نادیہ نے ہنسی روکی "ویسے تمہاری امی کا فون آیا تھا۔ کہتی ہیں۔ اس کو سمجھانا کلاس میں سب کا ابا بننے کی کوشش نہ کرے۔ لوگ تو اپنے فائدے کے لیے یوز کرتے ہیں۔"

"ارے یار! یہ امی بھی بڑی وہمی ہیں۔۔ آپ کا بھتیجا پہلے ہی ہفتے سی آر بن گیا ہے۔" اس نے کالر اونچے کیے۔

"یہی کہہ رہی تھیں وہ بھی۔۔ پہلے بڑی بڑی باتیں کرے گا۔ پھر ان کو ثابت کرنے کے لیے عملاً اپنی کارکردگی شو کرے گا۔ کلاس فیلوز سمجھ جائیں گے اور ٹیچرز بھی کہ یہی ہے وہ شاہکار جس کی تلاش تھی۔"

نادیہ کے کان رفعت نے اپنے ہی سپوت کے خلاف خوب بھر رکھے تھے۔ تب ہی وہ فراٹے سے شروع تھیں۔ لیکن شاہکار بھی ڈھیٹ نمبر ون تھا۔ رفعت یونہی تو فولاد کی دیوار نہ کہتی تھیں۔ مجال ہے جو کوئی نصیحت کبھی سنی یا سمجھی بھی ہو۔

"آپ کو نہیں پتا چاچی! جانے کس جنگل سے اٹھ کر آجاتے ہیں۔ ان کو کچھ آتا جاتا نہیں ہے۔ ہر چیز مجھ سے پوچھ پوچھ کے کر رہے تھے۔"

"ہاں کیونکہ ساری عقل و دانش تو گجرات سے امپورٹ ہوئی ہے۔" نادیہ بھی باز نہ آرہی تھیں۔

"مجھے سمجھنا آسان نہیں ہے چاچی! پر ایک دن لوگ اس پوائنٹ پر آہی جاتے ہیں، جہاں میں کھڑا ہوں۔" وہ ایک انگڑائی لیتا فائلز اٹھا کر اوپر چلا گیا۔

نادیہ نے ہنس ہنس کر رفعت کو احوال سنایا۔

"سچ بتاؤ، یہ آخری بار کب کسی سے قائل ہوا تھا؟"

"توبہ کرو۔ رفعت نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "بیس سالہ زندگی میں تو قطعی نہیں۔ میرے پیٹ سے پہلے کے اشعل کا مجھے پتا نہیں۔" وہ بھی اس کی ماں تھی۔ نادیہ کا قہقہہ نکل گیا۔

"بس کردو...... بے چارا اتنا بھی ضدی نہیں۔ نرم دلی کی حد بھی دیکھو۔ آدھی کلاس کی اسائمنٹس اس نے اپنے سر لے لی ہیں۔ ایک کڑک ٹیچر سختی سے وارن کر چکا ہے کہ چیٹ جی ٹی پی کو میں دور سے سونگھ لیتا ہوں۔ خبردار کسی نے اس جانب کھسکنے کی کوشش بھی کی۔"

"چلو جی۔ اس اعلان کے بعد اگلا اعلان اکبر اعظم کی طرف سے کلاس کو مخاطب کرکے ہوا ہوگا کہ حاضرین۔ یہاں دیکھو، یہ سانس لیتی جیتی جاگتی چیٹ جی ٹی پی ہے نا۔ غم کیوں کرتے ہو۔"

"ہاہاہا۔" نادیہ سر ہلاتے ساتھ ساتھ چائے بنانے لگیں۔ اشعل کے آنے سے بھی بڑا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آگیا تھا۔ وہ خود تو ماں کی طبیعت کی وجہ سے اس کو پورا حال نہیں سناتا تھا۔ لیکن نادیہ چاچی تو

URDU NOVELS MAG

digest library.com

بڑی فرینڈلی تھیں۔اور یوں کا حال پوچھتی بھی خود تھیں۔تو ساری ڈیٹیل رفعت وہاں سے نکلوالیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

"ہائے اللہ میاں...... میرا گھر کدھر گیا۔" وہ چھوٹی انگلی منہ میں ڈالے پلٹ کر ایک مرتبہ پھر گلی کے نکڑ پر آ گئی۔ بڑی سڑک سے نیچے اتر کر جس ذیلی روڈ پر آتے تھے۔ اس کے دائیں بائیں لین جاتی تھیں۔کم بخت ساری ایک جیسی تھیں۔ پانچ مرلے مکانات کا یہ سلسلہ بڑا ہی طویل تھا۔ ساری گلیاں ایک جیسی تھیں۔ دائیں بائیں کے گیٹ اوپر کی بالکنیاں۔۔ گھروں کے رنگ، بس تھوڑا بہت فرق کے ساتھ۔ دور تک جاتے جا رہے تھے۔ انہی میں سے ایک گلی اس کے نئے گھر کی بھی تھی۔ دو روز تو اسے مما اسٹاپ تک چھوڑنے گئی تھیں۔ اور واپسی پر بس سے اترتے انہیں کال کر لیتی، اور وہ سڑک تک اسے لینے آجاتیں۔ ان کے ساتھ باتوں میں مگن وہ تھوڑی کچھ یاد رکھتی تھی۔ آج مما نے کال کر کے بتایا کہ وہ کچھ گروسری لینے جا چکی ہیں۔ گھر کی چابی وہ شکیل فاروقی صاحب کی مسز کو دے گئی تھیں۔

"ایکسکیوزمی۔ سس۔ سنیں ذرا۔" اس نے قریب سے گزرتی بائیک کو آہستہ ہوتے دیکھ کر آواز لگائی۔ بائیک والا گلی میں مڑ رہا تھا اس لیے بائیک کی رفتار آہستہ ہوئی تھی۔

"یس......" لڑکے نے بائیک روک کر ہیلمٹ اُتارا اور بڑی مہربان مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"آپ شکیل فاروقی صاحب کا گھر جانتے ہیں؟"

"امممم۔۔ جانتا تو نہیں۔ پر مل کر ڈھونڈ لیتے ہیں۔"

"آپ نے بھی وہیں جانا ہے؟" سماء کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوئیں۔

"او۔ ارے۔ نہیں۔" اشعل کی ہنسی میں نرمی رس گھلے جیسی گھل چکی تھی۔

"آپ کے لیے...... تو۔ کیا کرتے ہیں شکیل فاروقی صاحب؟"

"وہ۔۔ تو شاید۔ وکیل ہیں۔" سماء نے کچھ دیر سوچا تو یاد آ گیا۔

"اور آپ نے ایڈریس نہیں لیا تھا شکیل صاحب سے۔۔؟ دیکھیں نکلنے سے پہلے پتا، نمبر سب پوچھ لینا چاہیے۔ اور۔"

"نن۔ نہیں نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ نفی میں ہلاتے اشعل کو روکا۔ "مجھے شکیل صاحب کے گھر جانا ہی نہیں ہے۔"

"اچھا۔ تو۔۔ ہم شکیل صاحب کا گھر پھر کیوں تلاش کریں۔"

"ارے۔ آپ چپ رہیں نا۔ میں بتاتی ہوں۔ شکیل فاروقی کے ساتھ والا گھر ہی میرا گھر ہے۔ لیکن مجھ سے میرا گھر کھو گیا ہے۔"

"ہائیں۔۔ ہوا کل ہے کیا۔؟ کھو کیسے گیا۔" اشعل کا منہ کھلا۔ ہنسی تو بالکل ہی سمٹ گئی۔ لڑکی کی باتیں کچھ پاگلوں جیسی تھیں۔

"تو پھر آپ شکیل فاروقی کا گھر کیوں پوچھ رہی ہیں۔ اپنے کا پتا کریں۔"

"اُف اللہ۔ آپ سمجھ نہیں رہے۔" وہ زِچ ہوئی۔ "شکیل فاروقی اس علاقے میں بہت پرانے رہائشی ہیں۔ ان کو یہاں سب جانتے ہیں۔ میں اور میری مما پرسوں آئے ہیں۔ مما ابھی گھر پہ نہیں ہیں۔ میں اسٹاپ سے اتر کر ایک ایک گلی میں جھانک رہی ہوں۔ ساری ایک جیسی لگ رہی ہیں۔ اندر تک چل کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔"

"ہاااا۔۔ اب سمجھا۔" اشعل کے دماغ نے چکر پھیریاں لگانا شروع کیں۔ "او کے تو گلی مڑنے کے بعد کتنا آگے جانا پڑتا ہے؟"

"آئی تھنک۔۔ تقریباً ہاف تک۔" وہ سامنے والی گلی کو دیکھتے اندازہ لگانے لگی۔

"ہوں۔۔اور گیٹ کا کلر۔؟ یا کوئی اور نشانی؟"

"گیٹ ڈارک گرین ہے۔اور اوپر بالکنی فان کلر کی ہے۔انیکسی کا کلر لائٹ براؤن ہے۔"

"مسز شکیل کا نام یاد ہے؟" اشعل کچھ زیادہ ہی دماغ لڑا رہا تھا۔

"آں۔۔ہاں۔۔تنزیلہ آنٹی۔"

"جن کے ٹوئنز ہیں نا؟" اشعل نے چہک کر انگلی اٹھائی اور سماء نے ہلکی سی چیخ ماری۔

"یس.....وہی ہیں۔"

"یس۔پھر مل گیا گھر۔چلیں میرے پیچھے آجائیں۔"

"بائیک پر؟" وہ بدک کر پیچھے ہٹی اور پچھلے بنگلے کی سلائڈ پہ چڑھ گئی۔جبکہ اشعل نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سر نفی میں ہلایا

"میں آہستہ رفتار سے بائیک آگے بڑھاتا ہوں۔آپ تیز قدموں سے میرے پیچھے آجائیں۔"

"ہاں۔ٹھیک۔" وہ شرمندہ سی اس کے پیچھے ہولی۔اور یہ دیکھ کر تو ماتھا ہی پیٹ لیا کہ اس کا گھر دوسری لیفٹ سائیڈ والی گلی میں تھا۔اشعل نے بائیک عین اس کے گھر کے سامنے روکی۔کچھ ہی دیر میں وہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"کمال ہے ویسے۔آپ نے بڑی جلدی بوجھ لیا۔"

"دیکھ لیں پھر۔" اشعل نے عادت کے مطابق گردن ہلاتے تعریف وصول کی۔

"لیکن آپ تنزیلہ آنٹی کو تو جانتے ہیں اور شکیل انکل کو نہیں جانتے؟" وہ اچانک خیال آنے پر حیران ہوئی۔

"مجھے بھی یہاں آئے ایک ہی ہفتہ ہوا ہے۔میری چچی نادیہ، تنزیلہ آنٹی کا نام تو روٹین میں لیتی ہیں۔کافی آنا جانا ہے۔لیکن انکل شکیل ان کے ہسبنڈ کا نام ہے، یہ تو مجھے ابھی پتا چل رہا ہے۔"

"تو آپ کا گھر؟" سماء نے دیکھا وہ بائیک سے اتر کر سامنے والا گیٹ کھول رہا تھا۔

"یہی۔آپ کے عین مقابل؟" اس نے ہنس کر ابرو سے اشارہ کیا اور سماء کا حیرانی سے منہ کھل گیا۔

"کمال ہے؟"

"اصل کمال پتا ہے کیا ہے۔وہ گیٹ کھول کر واپس آیا۔" آپ نے جب گرین گیٹ کہا، میں وہیں کھٹک گیا تھا۔کیونکہ صبح جب گھر سے بائیک نکالتا ہوں تو وہ میری تیز رفتاری کی وجہ سے روزانہ ہی سامنے والے اس گرین گیٹ سے ٹکتے ٹکتے رہ جاتی ہے۔پھر جب فان کلر کی ریلنگ، اور لائٹ براؤن پینٹ سنا تو بس مجھے فوراً خیال آیا کہ کسی طرح گھر کی خاتون کا نام پتا کرنا چاہیے۔"

"اللہ۔آپ بہت اسمارٹ ہیں۔" وہ بڑے ہی رشک سے اشعل کو دیکھ رہی تھی۔اور اشعل کے لیے تو یہ روٹین کی بات تھی۔

"آپ بھی نئی آئی ہیں؟" اشعل کو بات بڑھانے کا بہانہ بھی سوجھ گیا۔

"جی، ہمیں آج تیسرا دن ہے۔یہاں تو پاس ان ہی پڑوسیوں سے سلام دعا ہوئی ہے۔اس نے شکیل فاروقی کے گھر کی طرف اشارہ کیا اور اشعل نے دل ہی دل اپنی چچی کی سستی پر افسوس کیا۔عین سامنے نئے لوگ آئے ہیں۔کچھ تو حق میزبانی بنتا تھا۔"

"اچھا۔مجھے گھر کھولنا ہے۔تھینکس۔" سماء کو وہ تو جاتا دکھائی نہیں دیا تب ہی سر ہلاتے خود ہی اجازت مانگی اور شکیل صاحب کے ہاں چابی لینے داخل ہوگئی۔اشعل البتہ دل میں دبے بے شمار سوال اور ان کے جوابات کی حسرت لیے ٹھنڈی آہ بھرتے گھر آگیا۔

☆☆☆

"چابی غلط نہ ہو امی! یہ کہیں اندر روم کی تو۔"

"ارے نہیں سماء۔کی چین دیکھو؟" انہوں نے ہاتھ آگے لہرایا "چابی کا مسئلہ نہیں ہے۔چابی

digest library.com

پوری اندر ہی نہیں جا رہی۔"

"یا اللہ۔ اب کیا ہوگا۔" سماء کو شدید کوفت ہونے لگی۔ یونیورسٹی آج آف تھی۔ تین بجے وہ اور امی مارکیٹ چلے گئے تھے۔ اب شام کے چھ بجے واپسی ہوئی تو آگے سے یہ مسئلہ۔ اشعل کا بھی ڈے آف تھا۔ ایک بجے تک تو وہ سویا ہی رہا۔ نادیہ چچی نے آواز دی، پردے ہٹائے تو وہ بھی اُٹھ گیا۔ ناشتے کے بعد وہ لیپ ٹاپ آن کر کے بیٹھ گیا تھا۔ لیکن لیپ ٹاپ کی بیک پر کھلی کھڑکی سے آتی روشنی اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر پردہ برابر کرنے بالکنی تک آیا لیکن نیچے گرین گیٹ کے سامنے پچھلے روز والی لڑکی اور ایک عورت کو دیکھ کر وہیں رُک گیا۔ دونوں کی باتوں کی آواز بہت واضح تھی جس سے معلوم ہوا کہ گھر کا لاک نہیں کھل رہا۔ اشعل نے بس سیکنڈز لگائے پھر وہ بالکنی کے بجائے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔ متوجہ کرنے کے لیے ہلکا سا کھنکارا اور چہرا اپنے موبائل پر جھکا لیا۔ جیسے وہ تو بس یونہی کھانستا ہوا گھر کے دروازے تک آیا ہے۔ اور توجہ بھی مکمل اپنے موبائل کی طرف ہے۔

"امی۔ کل اسی نے مجھے اپنی گلی اور گھر تک پہنچایا تھا۔ اس سے ہیلپ مانگتے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ سر سے پیر تک اشعل کو دیکھتے سوچ میں پڑ گئیں۔ "تم ہی کہو۔ میں تو جانتی نہیں۔"

"اسلام وعلیکم۔" سماء نہایت خوش خلقی سے مسکراتے ہوئے گلی کے درمیان تک آئی۔

"او ارے آپ۔ وعلیکم اسلام۔" اس نے نہایت شیرینی سے مسکرا کر جواب دیتے دوسری عورت کی طرف دیکھا

"اسلام وعلیکم آنٹی!"

"وعلیکم اسلام۔ جیتے رہو۔"

"وہ۔ اصل میں ہم ابھی مارکیٹ سے آئے ہیں۔ گھر کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کھل نہیں رہا۔"

"او۔ اچھا۔" وہ اتر کر ان کے گیٹ تک آ گیا۔ اور چابی آنٹی کے ہاتھ سے لے کر کی ہول میں ڈالی کی لیکن وہ پھنس رہی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک پوری فٹ نہ ہوتی، لاک کا کھلنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے کچھ دیر سوچا پھر اپنے موبائل کی ٹارچ آن کر کے اندر دیکھا۔ چابی کو ایک بار اندر تک ڈالا۔

ہوں۔۔ اشعل کے چہرے پر تفکر چھا گیا۔

"لگتا ہے بچوں نے کچھ ٹھونسا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں کافی شور بھی تھا۔ یقیناً بچے کھیل رہے تھے۔ اور۔" اس نے ایک مرتبہ پھر ٹارچ کی روشنی میں اندر تک جھانکا۔

"یہ تو مجھے چیونگم لگتی ہے۔"

"ہائے۔ اب کیا ہوگا۔" آنٹی نے ہاتھ پریشانی سے ماتھے پہ مارا۔

"ارے آنٹی۔ فکرمند کیوں ہوتی ہیں۔ میں ہوں نا۔" اس نے پہلے جلدی سے اپنے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا۔ "آنٹی، آپ اِدھر ہمارے گھر بیٹھ جائیں کچھ دیر۔ اتنی دیر آپ سے کھڑا نہیں ہوا جائے گا۔"

"نہیں بیٹا۔ میں۔"

"آجائیں آنٹی!" اس نے اندر چھوٹے لان سے پلاسٹک کی کرسی کھینچ کر گیٹ کے اندرونی جانب رکھی تو آنٹی اس مرتبہ بنا کچھ اور کہے اندر آ کر کرسی پہ بیٹھ گئیں۔ اشعل انہیں بٹھا کر واپس سماء کی طرف آیا۔

"کوئی نوک والی چیز ہے۔۔ آں ہیئر پن۔؟" اسے خیال آیا۔

"ہیئر پن۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اپنی سائیڈ پہ لٹکے ہینڈ بیگ کی زِپ کھولی۔ "ہیئر پن بھی ہے۔ سوئی بھی ہے۔ اور یہ۔"

"ہاں آپ ہیئر پن اور سوئی دونوں دیں۔" اس نے پہلے سوئی اندر ڈال کر چیونگم نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تو کالی سادی ہیئر پن کو دیکھ کر کچھ خیال آیا۔

"آپ یہ ٹارچ پکڑیں اور روشنی یہاں فکس

کریں۔" اس نے موبائل سماء کو دے کر پن کی بیک سائیڈ کو اندر ڈال کر پن کی یوشیپ کی گولائی میں چیونگم پھنسا کر اسے باہر کھینچا تو جمی ہوئی ٹھنڈی چیونگم کا کچھ حصہ باہر آ گیا۔

"ارے واہ، سماء خوشی سے چہکی۔ اور فوراً چابی آگے کر دی۔

"نا۔نا۔ ابھی نہیں۔ سارا کام خراب ہو جائے گا۔ ابھی اور بھی ہے۔" اس نے دوبارہ وہی عمل دوہرا کر کچھ اور چیونگم باہر نکالی۔ اور تیسری مرتبہ کے بعد جب چابی اندر ڈالی تو وہ اچھی طرح فکس بھی ہو گئی اور لاک بھی کھل گیا۔

"امی گھر کھل گیا۔" سماء نے خوشی سے شور مچا دیا۔

"یا اللہ۔ تیرا شکر۔" وہ ہاتھ اٹھا کر شکر پڑھتی باہر آ گئیں۔ اور تھیلے وغیرہ اٹھا کر فوراً ہی اندر داخل بھی ہو گئیں۔ بلاوجہ ان کا کافی سارا وقت ضائع ہو گیا تھا

"بہت شکریہ۔" سماء نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے اشعل کو دیکھا "آپ نہ ہوتے تو مجھے لگتا ہے ،لاک کھلنا ناممکن تھا۔

"ارے کوئی بات نہیں۔ کوئی بھی مشکل ہو، کہہ دیا کریں۔ کون سا دور ہوں آپ سے۔" اُس کی زبان بے ساختہ پھسلی "مطلب۔ یہیں سامنے ہی تو گھر ہے نا۔" وہ بات سنبھالتے نروس سا ہو کر اپنے گیٹ کی طرف اشارہ کرنے لگا اور سماء ہنستے ہوئے گھر میں چلی گئی۔

☆☆☆

جالی دار کریم کلر کا پردہ دھیمی ہوا کے سرد ہلکوروں سے لہراتا بار بار اس کے چہرے پر آ رہا تھا۔ خواب ناک آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ جبکہ وہ آنکھیں کھول کر اس سامنے والی کھڑکی سے جھانکتی دل نشین حسینہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن باوجود کوشش کے آنکھیں نہ کھل رہی تھیں۔ شاید وہ نیند میں تھا۔ کچھ خواب کچھ بیداری کی سی کیفیت میں وہ پچھلے دو روز کے مناظر کو سوچتے ایک الگ ہی سحر میں گرفتار ہو رہا تھا۔ اور چھناک۔۔ نہایت قریب کچھ ٹوٹا تو سوئی جاگتی کیفیت بھی مکمل بیداری میں تبدیل ہو گئی۔ وہ کمبل ہٹا کر فوراً ہی بالکنی میں آیا۔ اتوار کی صبح بچوں کو کہاں کچھ آرام تھا۔ نیچے کرکٹ جاری تھی۔ ٹینس بال گملے سے ٹکرائی اور گملا گلاس ونڈو کی طرف اوندھے منہ گرا تو چھن کی آواز سے شیشے پر دراڑ پڑ گئی۔ اشعل نے بچوں کو ڈانٹ کر دور کھلی جگہ کی طرف بھگایا اور ان کی بال بھی واپس کر دی۔ ان کے وہاں سے بھاگ جانے کے بعد انگلیاں بالوں میں ڈال کر بال سلجھائے۔ کچھ دیر رک کر آس پاس پہ ایک نظر ڈالی۔ سامنے کی وائٹ بالکنی کو دیکھ کر اسے چند لمحوں پہلے کا خواب یاد آ گیا۔ سامنے دکھائی دیتی بالکنی سے کچھ دس بارہ قدم پیچھے کمرے کا دروازہ تھا جس پر لہراتا آف وہائٹ جالی دار پردہ ابھی کچھ دیر پہلے اسے خواب میں پریشان کر رہا تھا۔ جانے وہ لڑکی اس بالکنی سے دکھائی دیتے دروازے کے پیچھے کہاں موجود تھی۔ وہ کچھ دیر وہاں بلاوجہ ہی منتظر رہا لیکن پھر کسی کو وہاں نہ پا کے مایوس ہو کر فریش ہونے چلا گیا۔

واپس آ کر اس نے کمرے سے نکل کر نیچے لاؤنج میں جھانکا تو ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ چچا چچی اور بچے اتوار کی وجہ سے دیر تک آرام کرنے کے موڈ میں تھے۔ ارادہ تو اس کا بھی اگرچہ یہی تھا۔ جب تک چچی خود اٹھانے نہ آتی تھیں وہ سویا ہی رہتا تھا۔ یہ تو بچوں کی شرارت کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے واپس کمرے میں آ کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔ دن کے ساڑھے نو بجے تھے۔ ناشتہ تو چچی کے جاگنے پر ہی ملنا تھا۔ وہ پانی پی کر موبائل ہاتھ میں لیے کرسی کھینچ کر بالکنی میں آ بیٹھا۔ نیچے گلی میں اب سکون ہی سکون تھا۔ نظریں بار بار سامنے بھٹک جاتیں۔

"اُٹھ بھی جاؤ ماہ رُخ۔۔ دسمبر کی ٹھنڈی صبح کی رومانویت کو محسوس کرو، تاکہ اس جاتے سال کی شاعری میں ہم بھی کچھ تھوڑا بہت اضافہ کر دیں۔

digest library.com

پلیز۔۔پلیز۔" وہ چاہ کر بھی خود کو موبائل میں مصروف نہیں رکھ پا رہا تھا۔اور پھر اچانک ایک خیال آنے پر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

واہ۔یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔اس نے جلدی سے کرسی سائیڈ پہ کھینچی اور پردہ برابر کر کے اندر کمرے میں کچھ ڈھونڈنے لگا۔اور پھر سینٹر ٹیبل پہ رکھے مصنوعی پھولوں والے گول مٹول واز میں اسے سفید کنکر دستیاب ہو گئے۔اس نے ایک نسبتاً بڑا کنکر ہاتھ میں لیا اور پردے کے پیچھے سے نشانہ باندھ کر کنکر سامنے کمرے کے بند دروازے پر دے مارا۔پہلا کنکر تو دروازے سے کچھ پہلے بنا کوئی خاص آواز پیدا کیے نیچے گر گیا۔لیکن دوسرا ٹھک سے دروازے پر لگا۔اور کچھ ہی دیر میں جب سامنے کمرے کا دروازہ کھولا گیا تو اِدھر سے اشعل نے بھی پردہ ہٹا کر خود کو چندھی آنکھوں کے ساتھ نیند میں ظاہر کرتے نیچے جھانکا۔

"کون پھینک رہا ہے یہ پتھر، کنکر؟"

"آپ کی طرف بھی آئے کیا؟" وہ جوٹھا کی آواز پر بھاگی چلی آئی تھی اب کھلے بالوں کو ایک سائیڈ پر سمیٹ رہی تھی۔اشعل نے نیچے ایکٹنگ کرتے بلاوجہ ہی جھانکا تھا۔اس کی آواز پر چونک کر سامنے دیکھا تو جواب دینا ہی بھول گیا۔وہ گولڈن پیلے کپڑوں اور کندھے سے لٹکے دوپٹے کے ساتھ کھلے بالوں میں اس وقت دسمبر کی ٹھنڈی خوب صورت صبح کو مکمل کر رہی تھی۔انتظار رائیگاں تو کیا جانا تھا، انعام کی صورت سامنے موجود تھا۔سوچا بھی نہیں تھا کہ گھر چھوڑنے کے دس ہی دن بعد وہ نکمہ شکر بجا لائے گا۔وہ یونی ورسٹی فیلوز جن کی طرف یار دوستوں نے متوجہ کروایا تھا، کہیں بیک گراؤنڈ میں گم ہونے لگیں۔۔واللہ کسی خرافات میں نہیں پڑوں گا۔کوئی دل لگی نہیں۔۔بس ایک مسکراہٹ۔۔یہ۔۔اشعل چونکا۔وہ جواب نہ ملنے پر واپس پلٹ رہی تھی۔

"جی۔جی۔۔کسی نے یہاں بھی کنکر پھینکے ہیں۔بہت شرارتی بچے ہیں یہاں کے۔دیکھیں نا۔۔شیشہ توڑ دیا۔" اس نے جی توڑ کوشش کر کے لڑکی کو روکا۔وہ دوبارہ اِدھر دیکھنے لگی۔نظریں ملنے پر اشعل مسکرا دیا،

"چلیں اچھا ہی ہوا۔"

"کیا.....شیشہ ٹوٹنا؟" وہ تعجب سے پوچھنے لگی۔اشعل جھینپ کر ہنس دیا۔

"نہیں۔ایکچوئلی میری کوشش ہوتی ہے۔چھٹی کا دن سو کر ضائع نہ کروں لیکن پھر اٹھنے کے لیے ہمت بھی تو بہت چاہیے۔پر اب بچوں کی شرارت کی وجہ سے جاگ ہی گیا ہوں تو کافی فریش فیل کر رہا ہوں۔"

"جی یہ تو ہے؟"

"ہاں۔لیکن آپ کی نیند ڈسٹرب ہو گئی۔ہے نا؟" وہ پھر اسے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔

"نہیں۔میں بھی دس بجے تک اٹھ جاتی ہوں۔"

"آپ کیا کر رہی ہیں۔۔آئی مین۔اسٹڈیز؟"

"میں۔بی ایس میتھس۔"

"ہاں۔ماشاء اللہ۔آفس جاب کے لیے تو بہت عمدہ آپشن ہے۔"

"جی۔" وہ اب کسی طرح نکلنا چاہ رہی تھی۔اشعل کو اندازہ ہوا تو کچھ اسی وجہ سے جملے ترتیب دیئے۔

"تعارف حاصل کرنے کے لیے۔کتنے اور اتفاقات ہونے چاہئیں؟" اس نے پلٹ کر جاتی لڑکی سے پوچھا تو جاتے جاتے وہ رکی۔چہرے کی مسکراہٹ بہت واضح تھی۔

"سماء زہرا۔"

"واہ۔بہت خوب صورت۔۔مجھے اشعل رضا کہتے ہیں۔اور میں پی ایچ ڈی کے فرسٹ سمسٹر میں ہوں۔یہ میرے چچا کا گھر ہے۔ہم بیسیکلی گجرات سے ہیں۔" اس نے تعارف کی مد میں کوئی کسر نہ چھوڑتے ہوئے سب کہہ ڈالا۔وہ ہنستے ہوئے پوری

پلٹ آئی۔ ایک نظر نیچے گلی میں جھانک کر کسی کے نہ ہونے کی تسلی کی، پھر اشعل کو دیکھا۔

''اور آپ کی برتھ ڈے کب ہوتی ہے، آپ کے مشاغل، پسندیدہ کلر، فوڈ، موویز۔۔۔ وہ بھی بتاتے جائیں۔'' سماء رکی تو طنز کرنے تھی لیکن پتا نہیں تھا واسطہ کس سے پڑا ہے۔ اشعل نے ساتھ رکھی کرسی گھسیٹ کر سیدھی کی اور بیٹھ کر کہنیاں بالکنی پہ ٹکا دیں۔

''ہاں نا بالکل پتا ہونا چاہیے۔ میری برتھ ڈے چھبیس مارچ کو ہوتی ہے۔ اس حساب سے میں اریز (حمل) ہوں۔ ایج چوبیس برس ہے، مشاغل سب کے کام آنا۔ کلر تو مجھے جتنا یہ گولڈن یلو پسند ہے نا۔۔۔ واللہ آپ تو آج دسمبر کی پینٹنگ کمپلیٹ کر رہی ہیں۔ خزاں کا رنگ اور دھند بھری سرمئی سی صبح۔۔۔ کیا سحر انگیز کمبی نیشن ہے۔۔۔ جواب نہیں۔ اور فوڈ تو سماء مجھے سارے پسند ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتی لوگ تین ٹائم ہی کیوں کھاتے ہیں۔ میں تو پانچ وقت ہی کھاتا ہوں۔ اب نمازیں بھی تو پانچ وقت کی ہیں۔ سچ کہوں تو قدرت کا نظام ہے۔ آپ بھی ذرا غور کر کے دیکھ لیں۔ بھوک بھی بندے کو پانچ ہی مرتبہ لگتی ہے۔'' وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا۔ اور سماء کو کچھ کچھ اندازہ اسی دن ہو گیا کہ یہ بندہ کیا چیز ہے۔ وہ تاسف سے سر ہلاتی واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

''ارے۔ یار۔ تمہارا بیٹا تو بڑا ہی فاسٹ ہے۔'' نادیہ کے پاس بڑی چٹ پٹی خبریں تھیں۔ سعد اللہ اور اشعل رات کو واک کے لیے نکلے تو نادیہ نے فوراً ہی رفعت کو کال ملا دی۔

''کیوں ڈرا رہی ہو۔ پہلے ہی طفیل بھیا نے میرا سانس خشک کر رکھا ہے۔''

''ہائیں۔ طفیل بھائی کا کیا مسئلہ ہے؟'' نادیہ کو اُلٹا نئی خبر کا سامنا تھا۔

''ارے ہاں۔ تمہیں کہاں بتا پائی تھی۔ اس لڑکے کی پیکنگ، شاپنگ پہ کے اتنے دھندے تھے۔۔۔ یار وہ طفیل بھائی اور سمیعہ بھابی اماں کے پاس گئے تھے بڑے گھر۔ انہوں نے صاف اپنی مرضی ان پر ظاہر کی تھی کہ عنایہ کا رشتہ وہ اشعل سے کرنا چاہتے ہیں۔ رفعت اگر دلچسپی رکھتی ہے تو وقت پر بتا دے۔ ورنہ پھر ہم عنایہ کا کہیں اور کریں۔ دراصل بھیا کو ہی بچیوں کی شادی کی جلدی ہے۔''

''ہاں۔ اچھا۔ تو پھر۔۔۔''

''بس فی الحال چھوڑو وہ سب۔۔۔ ابھی مجھے اس بارے میں حمید سے مشورہ کرنا ہے۔ اس کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گی۔ پہلے تم بتاؤ نا۔ کیا کہہ رہی تھی اشعل کے بارے۔''

''ہاں بھئی۔ میں تو سمجھ رہی تھی یونی ورسٹی میں تلاش جاری ہوگی۔۔۔ پر وہ تو لگتا ہے ہر طرف ہاتھ مار رہا ہے۔''

''ہر طرف۔۔۔ مطلب کے؟''

''یار میرے گھر کے عین سامنے کی لڑکی ہے۔ فاریہ لان میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ اس نے آ کر بتایا کہ سامنے والی لڑکی سے کافی فری ہو رہے تھے۔ پھر اشعل نے خود بھی باتوں باتوں میں مجھے بتایا کہ ان کا لاک خراب ہو گیا تھا تو میں نے ٹھیک کر کے دیا۔ اور کہہ رہا تھا کہ آپ کو بھی جانا چاہیے۔ نئے آئے ہیں۔ فرض بنتا ہے۔''

''ہاں بس یہ فرض سمجھ میں آتے ہیں۔'' رفعت کا مزید دل جلا۔ ''اپنا گھر خاندان اچھی شریف لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ فرض بھی تو اپنوں کا بنتا ہے کہ اگر اللہ نے آپ کو لڑکے عطا کیے ہیں تو اپنے گھر کی بچیاں کہیں دور نہ جانے پائیں۔ بہن بھی میرے منہ کو دیکھ رہی ہے۔ بھائی بھی یہی چاہتا ہے۔ وحید بھائی کی فضہ، عمارہ بھی شادی کی عمر میں ہیں۔ میں نے کبھی نہیں چاہا کہ کسی ایک کو اس کے سر تھوپ دوں۔ ہمیشہ یہی کہا سب تمہارے سامنے ہیں۔ جسے تم پسند کر دو۔ لیکن اس نے تو پورے خاندان کی نفی کر دی۔ فیملی تو اُسے بھڑ کی طرح کاٹتی ہے۔''

''پوچھوں گی اس کمینے سے۔ بگاڑا کیا ہے ہم

URDU NOVELS MAG

digest library.com

نے تمہارا [illegible] کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔" نادیہ بھی غصہ میں آگئیں۔

"میں تو کچھ نہیں چھوڑتی نادی۔ ابھی پرسوں ہی میری بات ہوئی تو میں نے کہا اتنے گلے ہیں فیملی سے تو چچا کے گھر کیوں پڑے ہو۔ ہم کیا ہاسٹل کا خرچہ نہیں اٹھا سکتے۔ جاؤ پھر، پورے خود مختار بنو۔"

"اچھا اب یہ تو نہ کہو۔" نادیہ نرم پڑیں "کہیں غیرت میں چل ہی نہ دے۔ ہم سب تو بہت خوش ہیں اس کے آنے سے۔ سچ کہوں تو بچہ تمہارا بڑا ہی لائق اور سگھڑ ہے۔"

"کہیں نہیں جانے والا۔ اوپر سے سامنے والی کھڑکی بھی آباد ہوگئی۔ اب کہاں جاتا ہے۔ اچھا بتاؤ نا۔ کون ہے سامنے والی لڑکی۔"

"میں تو بالکل نہیں جانتی۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہیں محلے میں آئے۔"

"کچھ ہی دن۔" رفعت سوچ میں پڑ گئی "ارے یہ بھی تو ابھی گیا ہے۔ کہیں پہلے سے تو نہیں جانتے ایک دوسرے کو۔ ہیں کون لوگ۔ پتا تو کراؤ۔"

"ہاں۔ جاتی ہوں کسی دن۔ کام والی بتا رہی تھی بس ماں اور بیٹی ہیں۔"

"ہائے اللہ۔ دو اکیلی عورتیں۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوں گے۔ تم نے تو مجھے نئی فکر میں ڈال دیا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ بالکل ہی نئی نئی بات ہے۔ معلوم نہیں معاملہ سنجیدہ ہے بھی یا نہیں۔"

"اچھا پتا کر کے بتانا۔ اور دیکھو اس سے روزانہ کا حال احوال ضرور لیا کرو۔ باتیں اُگل دیتا ہے۔"

"ہاں ہاں۔ پریشان مت ہو۔ سامنے والے معاملے کو تو خود دیکھنا آسان بھی ہے۔ دعا کرو۔ باہر کچھ اور مسئلے نہ ہوں۔"

"ہاں بہن۔ دعا کے علاوہ کیا ہے میرے پاس۔" رفعت بھی آہ بھرتے اجازت لے گئیں۔

☆☆☆

گھنے گہرے بادل تو دسمبر شروع ہوتے ہی چھت کی طرح تن گئے تھے۔ ہر کوئی بارش کی دعا مانگ رہا تھا۔ لیکن بادلوں سے بوند بھی نہ ٹپک رہی تھی۔ وہ اسٹاپ سے یونی ورسٹی بس میں سوار ہوتی اور واپسی بھی اسی اسٹاپ سے کرتی۔ سڑک سے اندر گھر تک فاصلہ ایسا تھا کہ وہ روز ہی کنفیوژ ہو جاتی کہ اتنی مسافت بندہ پیدل طے کرے یا رکشہ کرے۔ لیکن پھر پیدل ہی چل پڑتی۔ اُس روز وہ یونی ورسٹی پہنچی ہی تھی کہ اللہ اللہ کر کے بادل برس ہی پڑے۔ بس سے اتری تو سرما کی بوندا باندی سڑک کو مکمل بھگو چکی تھی۔ یونی ورسٹی کے گیٹ سے اندر بلڈنگ ایریا میں داخل ہونے تک وہ ہلکی سی بھیگ چکی تھی۔ جرسی سوئٹر ابھی شروع نہ کیے تھے، حالانکہ امی روزانہ نکال کر کھڑی ہوتی تھیں۔ وہ بری طرح پچھتائی کہ اگر امی کا کہنا مان لیتی تو اب بجائے کپڑوں کے جرسی گیلی ہوتی اور جسے وہ اندر جا کر اتار لیتی تو دن آرام سے گزر جاتا لیکن ہلکے نم کپڑوں کی وجہ سے تیسری کلاس ختم ہونے تک اسے بخار نے آلیا۔

ابھی ایک کلاس باقی تھی۔ اس کا جسم گرم اور سر بھاری سا تھا لیکن سماء نے کلاس پوری اٹینڈ کی۔ ویسے بھی بس تو اپنے وقت پر ہی نکلتی تھی۔ آخری کلاس کے بعد بھی اسے آدھا گھنٹہ بیٹھنا پڑتا تھا۔ بارش صبح سے جو ہلکی ہلکی شروع ہوئی تھی وقفے وقفے سے جاری ہی تھی۔ جس وقت وہ بس میں بیٹھی بارش ایک مرتبہ پھر شروع ہو چکی تھی اس لیے پارکنگ میں پہنچنے تک ایک مرتبہ پھر کپڑے نم ہو چکے تھے۔ سماء کو بس میں بیٹھتے ہی شدید سردی لگنا شروع ہوگئی۔ اسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ ٹانگوں کی کپکپاہٹ اس کے کنٹرول میں نہیں ہے۔

گھر تک کا سفر بھی قریب چالیس منٹ کا تھا۔ چالیس منٹ بعد جب وہ اسٹاپ پر اتری اس کی حالت بہت بری تھی۔ بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔ اس نے رکشہ کی تلاش میں نظریں ارد گرد دوڑائیں۔ اسٹاپ کے شیڈ کے نیچے خود کو چھپائے وہ کسی رکشے کا

انتظار کررہی تھی۔ آج پیدل چل کر جانے کی حالت نہ تھی۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ رکشے یہاں رکتے ہی نہ تھے۔ ان کا اسٹاپ ذرا سا آگے دائیں مڑتی ذیلی روڈ کے نکڑ پر تھا۔ یہاں اسٹاپ پر کھڑے لوگوں کو دیکھ کر یہی سمجھا جاتا کہ وہ بس کا ویٹ کررہے ہیں۔ بخار کی حالت نے اسے الگ پریشان کررکھا تھا۔ کسی رکشہ کے نہ رکنے پر بالآخر اس نے چلنا شروع کردیا۔ اسے تو بس جلد از جلد کسی طرح گھر پہنچنا تھا تاکہ پہنچ کر کے بستر میں گھس سکے۔

"ارے سماء۔۔ آپ۔۔ پیدل کیوں جارہی ہیں۔" نہایت قریب ایک بائیک رکی اور جانی پہچانی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔

"اشعل۔ آپ۔" وہ کسی اپنے کو دیکھ کر تھوڑی سی مطمئن ہوئی۔ ابھی اسٹاپ سے وہ چند ہی قدم چلی تھی۔ گھر تو اس حساب سے کافی دور تھا۔

"آ۔ آپ۔ ٹھیک تو ہیں سماء۔؟ اشعل کو اس کا چہرا دیکھ کر سمجھ میں آگیا کہ اس کی حالت نارمل نہیں ہے۔

"رکشہ نہیں مل رہا۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"رکشہ تو یہاں مشکل ہے۔ اس کا اسٹاپ تو اگلی گلی کے نکڑ پر ہے۔ اور بارش بھی متواتر ہورہی ہے۔ آپ برا نہ منائیں تو میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں۔" وہ ایک بار پھر فوراً پیچھے ہٹی۔ "مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔" وہ تیز قدموں سے چلنے بھی لگی۔ اشعل باوجود بارش میں بھیگنے کے آہستہ روی سے بائیک اس کے پیچھے رکھے ہوئے تھا جب سماء کے موبائل پر کال آنے لگی۔

"جی امی۔ جی۔ بس سے اتر چکی ہوں۔ بس پیدل۔" بات اس کے منہ میں تھی اور اشعل نے بائیک اس کے مقابل لاتے روکی اور "ایک منٹ" کہہ کر موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آنٹی میں اشعل بات کررہا ہوں سامنے گھر والا۔ آنٹی مجھے لگتا ہے انہیں بخار ہے۔ میں اتفاقاً یہاں پہنچا ہوں۔ رکشہ یہاں سے نہیں ملتا۔ میں اپنی بائیک پر ہوں۔ آپ پلیز سماء کو اجازت دیں تاکہ میں ان کو فوراً گھر پہنچا سکوں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ بیٹا۔" آنٹی نے بات سمجھ کر بس چند لمحے لیے اور فوراً ہامی بھرلی۔

"مل گئی اجازت۔۔ آئیں بیٹھ جائیں۔" وہ کچھ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ سماء بھی مزید وقت ضائع نہ کرتے پیچھے بیٹھ گئی۔

"پیچھے کیریئر ہے۔ اسے پکڑ لو۔" اشعل کو اندازہ تھا کہ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ نہیں رکھے گی، اس لیے اس کی مشکل آسان کی۔ سماء نے ہاتھ پیچھے کر کے کیریئر کو تھاما اور کچھ ہی دیر میں وہ دونوں اس کے گیٹ کے سامنے تھے۔ اس شام اپنے اپنے گھر میں داخل ہوتے بنا کچھ کہے ہی ایک میٹھی ذومعنی مسکراہٹ کے تبادلے نے سب کہہ دیا تھا۔

☆☆☆

سامنے والی کھڑکی ان دنوں اشعل کے لیے کیا تھی۔۔ خواب میں نظر آتی جنت کی جھلک۔ بہار کی خوشبوؤں میں لپٹی ہواؤں کی گزرگاہ، کھڑکی کے اس جانب کبھی کبھار سماء کا لہرا کر گزر جانا جیسے پھول پہ اڑتی خوش رنگ تتلی۔ یونیورسٹی کا وقت تو جیسے تیسے دھکا دے کر گزرتا تھا۔ چچا کے گھر آمد کی کشش ان دنوں دن بھر کا سب سے خوب صورت کام تھا۔ کیونکہ سماء بھی اسی کی طرح ہی بے چین و منتظر ہوتی تھی۔ صبح سویرے یونی ورسٹی جانے سے پہلے تیار ہوکر بالکنی مین آنا۔ ایک دوسرے کو اپنی تیاری دکھا کر روانہ ہونا۔ دن بھر کی روٹین ساتھ ساتھ واٹس ایپ پر بھی لکھ کر تو کبھی واٹس کے ذریعے بھیجتے رہنا۔

واپسی پر گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے بے تابی سے وہاں آنا کہ جہاں سے دیدارِ یار دن بھر کی تھکن اُتار دیا کرتا۔۔ راتیں دیر تک باتیں کرتے بیت رہی تھیں۔ دسمبر کی چھٹیوں میں جب امی نے گھر بلایا تو اشعل کو ہوش آیا کہ یہ گھر بلاوا تو دراصل سماء سے ہفتہ

جدائی کا دوسرا نام ہے۔ وہ دل پہ پتھر رکھے گھر پہنچا تو امی اسے خوب ہی کڑے تیور لیے منتظر ملیں۔ نادیہ چچی نے واردات عشق کی رپورٹ من وعن اُن تک پہنچادی تھی۔

"جانے کون سی بددعا پیچھا کررہی ہے۔ جو سوچتی ہوں وہی ہو نہیں پاتا۔" وہ ماتھے پہ ہتھیلی مارتے سخت مایوس دل گرفتہ دکھائی دے رہی تھیں۔

"اپنے گھر کی یہ پیاری پیاری، سگھڑ، سلیقہ شعار، نیک شریف بچیوں کو دیکھ کر حسرت سے سوچتی تھی، اے اللہ ایک ہی بیٹا کیوں عطا کیا۔ کم از کم تین بیٹے ہوتے تاکہ بھائی، بہن، دیور سب کے گھروں سے بہو پن لاکر سب کو راضی کردیتی۔ کیا خبر تھی ایک اکلوتا چراغ بھی کسی پرائے گھر کو روشن کرنے پہ تل جائے گا۔"

"آپ ایک بار سماء سے ملیں تو سہی۔ آپ کو مل کر صاف صاف فیملی اور باہر کا فرق سمجھ میں آئے گا۔ امی آپ کی سوچ ایک ہی دائرے میں گھوم رہی ہے۔ خاندان برادری ضرور بندے کو پیارے ہوں، لیکن اس چکر میں غیروں سے نفرت کی انتہا کو پہنچنا۔"

"اومیاں۔" رفعت نے پلک جھپکتے میں اس کا کان یوں مروڑا کہ اس کا پورا سر ہی گھوم گیا..... "شرم نہیں آتی بے غیرت اولاد۔ نفرت کا الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔۔ نفرت تو تم کرتے ہو، لفظ "کزنز" سے۔۔ اور جس نفرت نے مجھے دن میں تارے دکھا رکھے ہیں۔ تم نے یہ فتنہ کھڑا نہ کیا ہوتا تو خاندان بھر میں شرمندہ ہونے کی نوبت تو نہ آتی۔ بہن، بھائی۔ سسرال کوئی نہیں بخشے گا مجھے۔"

"لیکن میں نے تین شادیاں تو نہیں کرنی تھیں۔ آپ سے تو کوئی ایک ہی خوش ہوتا۔ باقی دو نے تو پھر بھی خفا ہی ہونا تھا۔"

"ایسا کچھ نہ ہوتا۔ میں نے یہاں سب سے یہی کہہ رکھا تھا کہ آج کے بچوں پر اپنی مرضی نہیں تھوپی جاسکتی۔ اس کے سامنے سب کا نام رکھوں گی، پھر اس کی مرضی کہ جسے چاہے پسند کرے۔"

"ارے، وہی تو کررہا ہوں میری ماں۔" وہ چڑ گیا۔ "اپنی پسند ہی تو بتارہا ہوں۔"

"شرم کرو اشعل۔" رفعت کا نئے سرے سے خون کھول گیا۔ اور غصے میں ہاتھ اٹھ جانا تو معمول تھا۔ دن بھر گھر کے کام کاج کرکے ہاتھ بھی لوہے کے ہوچکے تھے۔ مغز پہ ہاتھ جمایا تو اشعل کا دماغ ہی گھوم گیا۔ منہ بسورتے بے چارا کھوپڑی سہلانے لگا۔

"ایک مہینے میں کون اتنے بڑے بڑے جمپ لگاتا ہے۔ لڑکی پسند بھی آگئی۔ پھر اس سے محبت بھی ہوگئی اور شادی کا فیصلہ بھی کرلیا۔ پتا بھی ہے کچھ، کون لوگ ہیں۔ کیا خاندان ہے، ذات برادری۔ مذہب، مسلک؟"

"مجھے صرف سماء سے مطلب ہے۔" وہ ضدی سا ہو بیٹھا۔

"خبیث انسان۔ چار سال کے لیے پڑھنے بھیجا تھا۔" رفعت کا ایسا خون کھولا کہ جوتا ہی مارنے کے لیے اٹھا لیا۔ "اور یہ نامراد پہلی چھٹی پر اپنا بندوبست کرآیا ہے۔"

"آئی۔" جوتے کی نوک کندھے پر چبھ گئی۔

"نادیہ بتارہی تھی، اکیلی ماں بیٹی رہتی ہیں۔ کچھ تو ہوش کرو کم عقل انسان۔۔ کہیں تمہارے ہی سر پہ کوئی پہاڑ نہ ٹوٹے۔" رفعت نے جوتا تو پھینک دیا پر فولادی ہاتھ کو بالکل آرام نہ تھا۔ پچھلے چار ہفتوں سے دور بیٹھی اپنی باغی اولاد کے کارنامے سن رہی تھیں۔ ہاتھ سینکنے کا موقع کہاں ملا تھا۔ پھر اشعل کا کان سرخ کیا۔ "ارے، کچھ تو پوچھا ہوگا تم نے۔۔ کہاں سے آئی ہیں۔۔ اکیلی کیوں رہتی ہیں؟"

"آپ کچھ بولنے دے رہی ہیں۔" اب وہ کان بچارہا تھا۔

"ہاں۔ بتاؤ۔ سن رہی ہوں۔" رفعت نے کسی امید پر کان لگائے کہ شاید کوئی سقم ہی ایسا نکل آئے کہ جس سے بیٹے کی واپسی کی امید پیدا ہو۔

digest library.com

"وہ۔ بس اتنا پتا ہے کہ اس کی امی ٹیچر ہیں اور پیچھے کسی گاؤں سے آئے ہیں۔ ان کی ٹرانسفر ہوئی ہے۔"

"یہی پتا چلا پائے ایک ماہ میں۔" وہ پھر مارنے لپکیں۔

"اُف اللہ۔ کبھی کہتی ہیں۔ پہلی ہی چھٹی پہ بندوبست کر آیا ہوں۔ کبھی کہتی ہیں پورے ایک ماہ میں اتنی سی خبر۔۔ اب میں کہوں کیا کہ پہلی ہی چھٹی پر اور کتنی معلومات لا سکتا تھا۔" وہ اب ماں کی رینج سے دور نکل کر بات کر رہا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں اشعل۔۔ ابھی کے ابھی پتا کر کے بتاؤ۔ تب ہی کچھ بات ہو سکتی ہے۔ اور کان کھول کر سن لو۔ اگر ہمارے معیار پر پوری نہ اتری تو اپنا بوریا بستر بھی باندھ لینا۔" وہ تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اور اشعل نے جلدی سے پہلا ہاتھ موبائل پر مارا۔ کم بخت عشق نے بھی کہیں کا نہ رکھا تھا۔ اس کی میٹھی سریلی آواز کے سحر میں ڈوبتا تو باتیں بھی رس بھری نکلتیں۔ کسے ہوش تھا کہ بائیو ڈیٹا نکلنے بیٹھتا۔ وہ موبائل لیے چھت پر آ گیا۔ سوچا خاموشی بھرے ماحول میں سکون سے باتیں ہوں گی۔ وہ وہیں کھڑکی کے باہر کرسی کھینچ کر سماء کا نمبر ملاتے وہیں بیٹھ گیا۔

"جاگ جاؤ سوہنیو۔۔ دن کے گیارہ بجے ہیں۔"

"جاگ گئی ہوں۔" اس نے جمائی لی۔

"گاؤں چلے گئے تھے؟" اشعل کو خیال آیا، وہ اور اس کی امی بھی نکلنے والے تھے۔ سرما کی چھٹیوں میں سب ہی ہوم ٹاؤن روانہ ہو جاتے۔

"ہاں۔ پہنچ گئے۔"

"یار سماء۔ میں نے تمہارے گاؤں کا نام ہی ابھی تک نہیں پوچھا۔ خیال ہی نہیں آیا۔" دماغ کو سماء کی میٹھی آواز میں ڈوبنے سے پہلے ہی اسے امی کا ہتھوڑا ہاتھ یاد آیا تو اس نے مائنڈ کو فوکس کیا۔

"منگووال سے ہیں ہم۔"

"منگووال۔" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "یہیں اپنے گجرات کے قریب؟"

"ہاں بھئی۔ بتایا نہیں تھا تمہارے گجرات سے زیادہ دور نہیں ہیں ہم بھی۔"

"ہاں اچھا۔۔ اور فیملی وائز۔۔ میرا مطلب ہے ہم لوگ شیخ ہیں نا تو۔"

"ہم رانا فیملی سے ہیں۔"

"اچھا رانا۔"

"اور سوری یار۔ میں آنٹی کا نام بھی نہیں جانتا۔ امی پوچھ رہی تھیں۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا۔" وہ جھینپے جھینپے لہجے میں انٹرویو لے رہا تھا۔

"امی کا نام فرخندہ نگار ہے۔ یہاں گورنمنٹ ہائی اسکول میں ٹیچر ہیں۔"

"اچھا۔ فرخندہ نگار۔" وہ سماء کا ہر جواب باقاعدہ دوہرا رہا تھا۔

"اور آپ کے ابو؟"

"ابو فوت ہو چکے ہیں۔"

"تو تم اپنے دادا کے گھر جاتی ہو...... گاؤں؟"

"ہاں۔ دادا ابا کا گھر ہے۔"

"ہوں اچھا۔ دادا کے گھر۔" وہ سماء سے ملی معلومات کو ذہن میں دہراتے ہوئے فی الحال اسی پر اکتفا کے موڈ میں تھا۔ زیادہ لمبی باتیں اسے یاد بھی نہ رہتی تھیں۔ وہ کال آف کر کے ذہن میں مسلسل ان ہی کو دہراتا ہوا نیچے اتر گیا۔

☆☆☆

"عدالت میں۔ جج کا ریڈر! ماشاء اللہ۔ اباجی نے سرکاری نوکری لگنے پر بغل گیر ہو کر مبارک باد دی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں یہ بہت بڑی بات ہوا کرتی تھی۔ آس پاس کے بھی ملنے جلنے والے شام ہونے تک جمع ہو چکے تھے۔ رحمت اللہ کے بیٹے حیات اللہ کی شہر میں سرکاری نوکری لگی تھی۔ دو دن تو چائے اور دعوتیں کھلائی گئیں۔ تیسرے روز اتوار کی سہ پہر حیات اللہ کو بڑے اہتمام اور ساز و سامان کے ساتھ جلال پور سے گجرات شہر روانہ کیا گیا۔ اس

digest library.com

زمانے میں سفر اتنے آسان نہ ہوا کرتے تھے نہ رابطے کے ذرائع آج جیسے تھے۔ روانگی کا مطلب صحیح معنوں میں دوری اور جدائی ہوا کرتا تھا۔

حیات اللہ شہر آئے۔ کچھ دن ایک جاننے والے کے ہاں رہنا پڑا۔ اس دوران نوکری بھی جوائن کی اور اپنے لیے ذاتی رہائش کی تگ ودو شروع کردی۔ تھوڑی بھاگ دوڑ کے بعد ایک مکان کا اوپر والا کمرا کرائے پر مل ہوگیا۔ دوست سے اجازت لے کر حیات اللہ اپنی نئی رہائش گاہ آگئے۔ یہ ایک اچھا متوسط علاقہ تھا۔ لوگ بھی اچھے تھے۔ وہ رقم دے کر نیچے والی خاتون سے تین وقت کا کھانا بنوالیا کرتے۔ گھر آنا جانا شروع شروع میں ہر ہفتے رہا لیکن پھر یہاں کی روٹین سیٹ ہوگئی تو دو ہفتے بعد ہو آتا۔

زیب النساء سے ان کا سامنا تو اول روز اس محلے میں آتے ہی ہوگیا تھا۔ وہ بھی پیشے سے استانی تھیں، اوپری کمرے کے عین مقابل ان کے گھر کی کھڑکی میں رہائش پذیر زیب سے خاموش رابطہ بننے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ صبح وہ دونوں تقریباً ایک ہی وقت میں گھر سے نکل کر سڑک تک آتے تھے۔ سڑک سے زیب النساء بھی ایک بس میں بیٹھ جاتیں اور حیات اللہ دوسری بس کے ذریعے عدالتوں کا رخ کرتے۔ واپسی کے اوقات تو اگرچہ مختلف تھے لیکن ایک لگاؤ سا دونوں طرف برابر محسوس ہونے لگا تھا۔

حیات اللہ کی تو رہائش ہی چھت پر تھی۔ لیکن زیب کا بہانے بہانے سے سامنے والی کھڑکی میں آنا یونہی نہیں تھا۔ حیات اللہ کو پردیس کی تنہائی میں زیب النساء کی آنکھوں کے پیغام باقی ہر مصلحت بھلانے میں بڑے ہی معاون ثابت ہوئے۔ محبت کا جواب محبت سے دینے کی راہ حیات اللہ کے لیے یوں تو قطعی سہل نہ تھی لیکن محبت سوچنے سمجھنے کا موقع بھی کہاں دیتی ہے۔ حیات اللہ بھی ہرگز کچھ سوچنے کے موڈ میں نہ تھے۔ زیب النساء کی بیمار والدہ کو بھی ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔ کبھی گھر کا سامان لانا، لے جانا۔ چھوٹے بڑے سب ہی کام ایک ذمہ داری کی طرح اپنے سر لے لینا حیات اللہ کو کبھی بار نہ لگا۔ جواباً زیب النساء کی میٹھی مسکان، گہری آنکھوں کے حسین پیغام اور والدہ کا مکمل تعاون حاصل تھا، کچھ اور سوچنے کی مہلت ہی کہاں ملی تھی۔

حیات اللہ نے پیچھے جلال پور میں باوجود اپنی پہلی بیوی رحیمہ خاتون، دو ننھے بیٹوں کے دوسری مرتبہ گھر بسا لیا۔ زیب النساء اور والدہ کو گھر میں مرد کی اشد ضرورت تھی۔ حیات اللہ شادی کے بعد کرائے کی رہائش چھوڑ کر سامنے والے مکان میں بطور گھر داماد شفٹ ہوگئے۔ ساس صاحبہ اگرچہ گھر والوں کی شرکت پر مصر تھیں لیکن حیات اللہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ تب ہی زیب النساء کو محبت کے اعتماد میں لے کر بیاہ رچانے میں کامیاب ہوگئے۔ گاؤں والوں سے یہ معاملہ چند ماہ تو باآسانی چھپا رہا۔ لیکن شہر میں رہنے والے کچھ خیر خواہوں نے راز کو زیادہ عرصہ راز نہ رہنے دیا اور معاملہ ابا جی تک پہنچ ہی گیا۔

حیات اللہ نے پوری کوشش کی کہ اس کی دوسری بیوی کو قبول کرلیا جائے لیکن حالات دن بہ دن مزید کشیدہ ہوتے گئے۔ جس وقت رحیمہ خاتون کی گود میں تیسرا بیٹا آیا۔ زیب النسا کو اللہ نے فرخندہ نگار سے نوازا۔ اسی سال ہی ساس صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا تو زیب النساء نے خواہش ظاہر کی کہ گجرات میں اب کرائے کے مکان کے بجائے اپنا گھر لیا جائے۔ لیکن حیات اللہ اس پوزیشن میں نہ تھے۔ گھر والوں کی طرف سے تو باقاعدہ زیب النسا کو طلاق دینے کا پریشر تھا۔ شادی کے سال بھر بعد ہی زیب النسا اور حیات اللہ کے ازدواجی تعلقات میں دراڑ آنا شروع ہوگئی۔ کھینچا تانی کا نتیجہ شادی کے دو سال بعد طلاق پر ہی منتج ہوا۔ زیب النسا اپنی بچی فرخندہ کو لیے منگووال چلی گئیں۔ اسکول سے ٹرانسفر بھی دوبارہ گاؤں کے ایک اسکول میں کروالیا۔ حیات

اللہ کے بیوی بچوں کو جلال پور سے اس کے پاس شہر بھیج دیا گیا۔

زیب النسا کو نہ ہی خاندان میں کبھی بلایا گیا تھا نہ کبھی کسی نے دیکھا تھا۔ زیب النسا نے اپنی بچی فرخندہ کو خود پالا پوسا۔ بڑے ہونے پر وہیں اسی گھر میں ماما کے بیٹے منظور کے لیے ماما، مامی نے فرخندہ کا رشتہ مانگ لیا۔

زیب النساء جیسے حالات اپنی محبت کی شادی کے دیکھ اور بھگت چکی تھی۔ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ فرخندہ کا ان پر سایہ بھی پڑے۔ اس لیے فوراً رضامندی ظاہر کردی۔ منظور اگرچہ کم پڑھا لکھا تھا اور مارکیٹ میں اس کی ہول سیل کی دکان تھی لیکن فرخندہ پڑھی لکھی تھی اور اس کی سرکاری نوکری بھی لگ چکی تھی۔ وہ منظور کے ساتھ خوش تھی۔ ماما جی چل بسے تھے۔ گھر پر مامی اور زیب النساء اکٹھی رہتی تھیں۔ فرخندہ خود اگر جاب کے سلسلے میں یہاں وہاں چلی بھی جاتی تو اس کی بچی کو سنبھالنے کے لیے نانی اور دادی دونوں موجود تھیں۔

منظور کے ساتھ فرخندہ کی رفاقت بس پندرہ سالوں پر ہی محیط رہی۔ ہیپاٹائٹس جان لیوا ثابت ہوا اور وہ بیوی اور بچی کو اکیلا کر گیا۔ مامی اپنے اکلوتے بیٹے کا صدمہ بس دو برس ہی سہہ پائیں۔ ان کے گزر جانے کے بعد زیب النسا، فرخندہ اور سماء اپنے باپ دادا کے آبائی مکان میں رہنے لگے۔ فرخندہ کی بیٹی جس وقت انٹرمیڈیٹ میں آئی تو زیب النسا بھی دنیا سے گزر گئیں۔ فرخندہ کا گاؤں میں اب کوئی نہ رہا تھا۔ بچی کی اچھی تعلیم کی خاطر گاؤں کو خیرباد کہا اور لاہور آگئیں۔

ابن انشاء فرماتے ہیں کہ ”ماضی میں کسی شخص نے جو فعل کیا ہوا اُسے فعل ماضی کہتے ہیں۔ کرنے والا عموماً اسے بھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن لوگ نہیں بھولتے۔ حیات محمد یعنی دادا جان کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔ اشعل کی بدولت اب ان کا ماضی بعید ماضی قریب میں تبدیل ہو رہا تھا۔

سماء نے تو اشعل کے پوچھنے پر اپنا تعارف نہایت ہی مختصر سا دیا تھا۔ اشعل نے اس سے گاؤں کا نام۔ امی، ابو کے نام وغیرہ پوچھے تھے پر کوئی تھا وہاں ایسا جس کے لیے یہ مختصر تعارف بھی قیامت ہو گیا تھا۔ جس وقت اشعل چھت پر آیا۔ دادا ابا اندر کمرے میں ہلکی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے باہر سے سرسری دیکھا اور خاموشی کو تنہائی سمجھتے سماء کو کال ملا دی تھی۔ اسے لگا اوپر کوئی نہیں ہے۔ لیکن اندر لیٹے دادا ابا کے کان منگووال کے نام پر کھڑے ہوئے اور اگلا نام فرخندہ نگار سن کر تو وہ پورے ہوش میں آگئے۔ فرخندہ نگار۔۔۔ ان کی اور زیب النسا کی اکلوتی بچی اور فرخندہ کی بیٹی سماء یعنی ان کی نواسی۔ وہ اسی وقت دوڑے چلے آئے اور رفعت کے سر پر پہنچے۔ اشعل نے سماء سے صاف صاف کہا تھا کہ اس کی امی جاننا چاہتی ہیں۔ اس کا مطلب کہ رفعت سے بات کرنا مناسب تھا اور رفعت جو سسر کا کنسرن بالکل نہیں جانتی تھیں، جتنا انہیں معلوم تھا کہہ سنایا۔

”ابا جی۔ اب آپ ہی سمجھائیں اشعل کو۔ مجھے تو جب سے نادیہ نے بتایا، بہت پریشان ہوں۔ کتنی پیاری، سگھڑ نیک بچیاں ہیں اپنے خاندان میں۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے ان کے بابا سے بات کرنے کی۔ آپ ہی حمید اللہ سے کہیں وہ ہی اشعل کو منع کریں گے۔ میں تو کہتی ہوں، کوئی ضرورت نہیں اسے واپس بھیجنے کی۔ کہیں کچھ کر نہ بیٹھے۔“ رفعت نے ایک سچ اُگلا تو پھر بولتی ہی چلی گئیں۔ حیات اللہ شیخ البتہ کسی گہری سوچ میں تھے۔

”کیا بتا رہی تھیں تم۔۔۔ ”کزن میرج“ کے خلاف ہے صاحبزادہ؟“

”جی ابا جی! کہتا ہے یہ خالہ زاد، چچازاد،

digest library.com

ماموں زاد جیسے بھی رشتوں سے چڑتا ہوں۔"

"پھوپھی زاد سے تو نہیں چڑتے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے اندر بڑھ گئے اور رفعت حیرت سے کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ اور پھر شام کو اللہ جانے ابا جی کی بیٹوں سے کیا میٹنگ ہوتی رہی۔ سعد اللہ کو لاہور سے کال پر لیا گیا۔ اور اس وائس ایپ میٹنگ کے بعد ابا جی نے حمید اللہ کے ساتھ منگووال جانے کا پروگرام بنالیا۔

"تم بھی ساتھ چلو۔ اور برخوردار کو بھی تیار کرو۔"

"منگووال کیوں جانا ہے۔"

"بیٹے کا رشتہ لے کر۔" حمید صاحب نے اس مرتبہ مسکراتے ہوئے کف کا بٹن بند کیا۔ گنگناتے ہوئے بالوں میں برش کیا اور رفعت کو شانوں سے تھام کر سامنے پلنگ کی پٹی پر بٹھادیا۔ سامنے والا ٹوسیٹر صوفہ تین قدم ہی دور تھا۔ خود اس پر بیٹھ گئے۔

"لیکن منگووال میں تو وہ لڑکی سماء رہتی ہے۔ میں نے تو ابا جی سے کہا کہ سمجھائیں اشعل کو۔ پھر ابا جی تو فضہ کو پسند کرتے تھے۔ کہتے تھے وحید سے خود بات کروں گا۔ اور۔"

"میں نے تمہیں یہاں سامنے اس لیے بٹھایا ہے کہ تم مجھے سنو۔ اور تم ہو کہ سرپٹ دوڑی چلی جارہی ہو۔"

"ہاں۔ اچھا سوری۔ بتائیں نا جلدی پلیز"

"ابا جی کی بہت پہلے ایک اور شادی بھی ہوئی تھی۔ کبھی سنا تھا تم نے؟"

"آں۔ ہاں۔ جب نئی دلہن بن کر آئی تو ابا جی کی رنگین طبیعت کی باتیں گردش کرتی تھیں۔ میں نے اماں جی سے پوچھا تو انہوں نے سرسری بتایا کہ بہت سال پہلے شہر میں کی تھی۔ کسی سے پر دو سال ہی چلی۔"

"ہاں۔ میں اس وقت چار سال کا تھا۔ وحید دو سال کا۔ جب ابا جی شہر نوکری کرنے گئے تھے۔ وہیں پر کسی سے محبت ہوئی۔ چوری چھپے بیاہ رچایا۔ ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن ہمارے گھر والوں نے اسے قبول نہیں کیا تو ابا جی نے اس کو طلاق دے دی اور وہ بچی کو لے کر گاؤں چلی گئی۔ ابا جی نے کبھی کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ لیکن اپنی بچی کا نام انہوں نے خود رکھا تھا۔ فرخندہ نگار ابا جی کی وہی بیٹی ہے۔ انہوں نے اشعل کے منہ سے منگووال، اور فرخندہ نگار سنا تو سب سمجھ گئے۔

اب وہ برسوں بعد اپنی بیٹی اور نواسی سے ملنا چاہتے ہیں اور انہیں اپنے خاندان سے جوڑنے کے لیے اشعل اور سماء کی شادی پر رضامند ہیں۔

"ہا۔۔ یعنی کہ؟" رفعت حیرت سے منہ کھولے بیٹھی تھیں۔

"جی۔ یعنی کہ اشعل کا "کزن فوبیا" بھی ختم سمجھو۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسے اور رفعت کو بھی تب خیال آیا۔

"تب ہی ابا جی کہہ رہے تھے کہ پوچھو پھوپھی زاد سے بھی نہیں کرنی۔ ہاہاہا۔" وہ بھی بے تحاشا ہستی چلی گئیں۔

☆☆☆

"جتنا زیادہ انسان کسی چیز سے چوتا ہے، اتنا وہ سامنے آکر رہتی ہے۔" نادیہ چاچی نے اشعل کے کان میں سرگوشی کی تو وہ بری طرح جھینپ گیا۔ منگنی کا فنکشن ختم ہوگیا تھا۔ اب گروپ پکچرز بن رہی تھیں۔ سعد اللہ اور نادیہ کو بلایا گیا تو آتے ہی پہلے اشعل کے کان میں گھسیں۔

بات سماء نے بھی سن لی، ذرا سا سر گھما کر تعجب سے دونوں کو دیکھا۔ اسے جملے کا مطلب و مفہوم معلوم نہیں تھا۔ نادیہ نے اس کی آنکھوں کی حیرت بھانپ لی تھی۔ تب ہی جب فنکشن کے بعد سب گھر واپس آئے تو سماء اور فرخندہ کو بھی اپنے ساتھ گھر لے آئے۔

ابا جی نے فیصلہ کیا تھا کہ فرخندہ اب سے اپنے باپ اور بھائیوں کے گھر ہی رہیں گی

۔فرخندہ اپنے والد کے متعلق جانتی تھیں۔اس کی امی کے پاس اپنے ابا اور گھر والوں کی تصویریں اس نے دیکھ رکھی تھیں۔باپ نے اپنی بے خبری اور لاتعلقی پر معافی طلب کی۔فرخندہ کا اب بھری دنیا میں سوائے سماء کے اور تھا ہی کون۔سخت اور بے حس تو وہ تھی ہی نہیں۔زیادہ ناراضی نہ دکھا پائیں۔اور ویسے بھی سماء کو اپنے نانا کا خاندان اور گھر مل رہا تھا۔اب تو وہ تسلی سے اس دنیا سے جا سکتی تھیں۔

انکار کرنے کی کوئی وجہ بھی باقی نہ رہی تھی۔ اس نے باپ کی کوتاہیوں پر اسے دل سے معاف کردیا۔ازالے کے طور پر وہ اپنی نواسی کو ہمیشہ کے لیے نا صرف اپنا رہے تھے بلکہ بڑی عزت سے اپنے گھر کی بہو اور بیٹی بنا رہے تھے۔اشعل کی صورت میں سماء کو ایک محبت کرنے والا شوہر مل رہا تھا۔زندگی سے اور بھلا کیا چاہیے تھا۔

سماء کا دل البتہ الگ ہی تشویش سے بھر گیا تھا۔چاچی نے ایسا کیوں کہا تھا۔کیا اشعل اس سے چڑتا تھا۔۔؟ پر کیوں۔۔کب۔۔کیسے؟ وہ گھر آکر بھی اترا چہرا لیے اداس سی بیٹھی تھی۔رفعت آنٹی اسے آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں بٹھا گئی تھیں۔ڈرائنگ سے ہنسی مذاق کی آوازیں آرہی تھیں۔سماء نے باریک گوٹے والا فیروزی قمیص شلوار پہنا تھا۔بال کھلے ہی رکھے تھے۔ صرف ایک سائیڈ سے پن لگا رکھی تھی۔میک اپ بھی لائٹ رکھا اور زیورات تو اسے پسند ہی نہ تھے۔اشعل کو باہر کہاں آرام آرہا تھا۔کچھ ہی دیر میں وہ اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں آپہنچا تھا۔لیکن سماء کی صورت پہ بارہ بجے دیکھ کر حیران حیران سا سامنے آبیٹھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے مزید برا منہ بناتے پتھر مارا۔اشعل نے ابرو کھینچے۔لڑکیوں کی "کچھ نہیں" میں ہی تو لڑکے کی اصل کرائم رپورٹ چھپی ہوتی ہے۔

"ارے یار بتاؤ نا۔کسی نے کچھ کہہ دیا کیا۔میں تو آیا تھا کہ تمہیں اپنا گھر اور کمرا دکھاؤں۔"

"نہیں دیکھنا کچھ بھی۔مجھے گھر واپس جانا ہے۔" وہ منہ دوسری جانب کیے بیٹھی تھی۔

"اچھا بابا چلی جانا۔ناراضی کی وجہ تو بتاتی جاؤ۔"

"تم چوتے تھے مجھ سے؟" اس نے پہلا وار کیا جس پر اشعل کو غش آتے آتے رہ گیا۔

"کیوں بھئی۔یہ کس نے کہہ دیا۔میں کیوں چوؤں گا تم سے؟" دل دماغ چاروں جانب دوڑنے لگے کہ آخر آتے ہی اس کی ساس اور منگیتر کو کن دشمنوں سے واسطہ پڑ گیا۔کس حاسد سے اس کی خوشیاں دیکھی نہیں جارہیں۔

"نادیہ چچی نے میرے سامنے کہا کہ جس چیز سے انسان چڑتا ہے، وہی اس کے سامنے آکر رہتی ہے۔کہا نا؟" اس نے غصے سے انگلی اٹھا کر تائید چاہی۔اشعل کو فوراً ہال کا اسٹیج اور نادیہ چچی کی بات یاد آئی۔اس نے جبراً مسکراہٹ روک کر ڈرتے ہوئے سر ہاں میں ہلایا۔

"تو۔کیوں کہا۔۔وہ بھی ایسے موقع پر۔اس کا مطلب میرے لیے کہا۔اور اب تم سچ سچ مجھے یہ بتادو کہ کیوں چوتے تھے تم مجھ سے۔جبکہ تم تو مجھے جانتے بھی نہیں تھے۔اور ایک منٹ۔" وہ چونک کر رُکی "تم نے ہم سے کوئی بدلہ لینے کی کوشش تو نہیں کی۔۔یعنی کہ تمہاری دادی کا بدلہ۔۔میری نانی ان کی سوتن تھیں۔"

"اُف اُف اُف۔" اشعل کا اس وقت اپنے نہیں بلکہ ایسی چڑیل منگیتر کے بال نوچنے کا من ہوا۔"کیا بک بک کرتی جارہی ہو۔اسٹاپ ہے کہ نہیں۔"

"تو تم جواب کیوں نہیں دے رہے۔" وہ بھی بلی کی طرح نوچنے پر تلی تھی۔

"ارے تم چپ کرو گی تو کچھ بولوں گا نا۔"

"چپ نہیں بیٹھے، بہانہ سوچ رہے ہو۔"

"میں کہہ رہا ہوں زبان کو لگام دو۔ لاحول ولا۔۔ تمہارے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی۔ الزام پہ الزام۔" وہ بری طرح بوکھلا چکا تھا۔ نادیہ کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔ تو نکار سنی تو دوڑی چلی آئیں۔

"ارے، ارے۔۔ شرم کرو۔ ابھی ابھی تم دونوں کی منگنی ہوئی ہے۔"

"آئیں آئیں۔۔ کوئی اور کسر رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری فرمالیں۔" اشعل نے طنزیہ نادیہ چاچی کو دیکھا تو اس بار وہ حیران لگیں، تب اشعل نے ہی انہیں ان کا جملہ یاد دلایا اور اب سماء کے الزامات بھی

"اوہو۔ نہیں نہیں سماء۔ تم بالکل غلط سمجھی ہو۔ وہ فوراً نزدیک آئیں۔ "تمہیں شاید پتا نہیں کہ اشعل کزن میرج کے سخت خلاف تھا۔ اسے ہمیشہ سے شوق تھا کہ وہ غیر فیملی میں شادی کرے گا۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا لیکن یہ بجائے خاندان میں منگنی شادی کرنے کے لاہور بھاگ گیا کہ مجھے آگے پڑھنا ہے۔ اور وہاں اسے غیر لڑکی پسند بھی آگئی تو اب میں اسے وہی کہہ رہی تھی کہ جتنا تم خاندان سے چڑتے تھے، اتنا ہی وہ معاملہ تمہارے آگے آیا۔ اب یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں نا کہ تم بھی چونکہ اس کزن ہو تو میں نے اس حوالے سے چڑنے کی بات کی۔"

"آں ہاں۔" وہ اب خفت زدہ سی کوئی بھی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ چور نگاہوں سے اشعل کو دیکھ کر زبان دانتوں میں دبائی۔ بات تو چاچی نے بھی سولہ آنے صحیح کہی تھی۔ اشعل مڑا تو نتھنے پھولے ہوئے تھے۔

"ہمارے خاندان کی لڑکیاں بات کو چیونگم کی طرح کھینچتی ہیں۔ آستینیں چڑھا کر مقابلے پر آجاتی ہیں۔ خود کو غلط سمجھنا تو سرشت میں شامل ہی نہیں۔ دیکھ رہا ہوں۔ کزن مماثلت کے اثرات۔"

"جھوٹ، غلط۔" وہ پھر بھڑک گئی "میں اس وقت بھی شرمندہ بیٹھی تھی اور سوری ہی کرنے والی تھی کیونکہ میں اپنی نانی پر گئی ہوں۔ لیکن اب کوئی سوری نہیں، میری نانی بھی بڑی غیرت والی تھیں۔"

"ہاں اچھا۔ یعنی کہ میں اور میری کزنز اپنی دادی پر گئی ہیں۔" اشعل کو اور پتنگے لگے۔

"چلو جی۔۔ اب اِس نانی دادی کا نیا چیپٹر کھل گیا۔ یہ تو رکنے والا بھی نہیں لگتا۔ خیر خوب مزا آئے گا۔" وہ ہنستی ہوئی باہر نکلیں تو سامنا رفعت بھابی سے ہو گیا۔ اُن کے پوچھنے پر نادیہ نے انہیں اشعل اور سماء کی نوک جھونک بتائی۔

"تصور کرو نادیہ۔" رفعت نے مسکراتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سے سامنے فضا میں ایک فرضی اسکرین کھولی "آنے والے وقت میں جب سماء اپنی نانی اور اشعل اپنی دادی کو ڈیفینڈ کر رہا ہوگا۔ فرخندہ آپا اپنی والدہ زیب النساء کی سپورٹ میں میدان میں اتریں گی اور اِس مورچے سے رحیمہ خاتون کے تین سپوت محاذ سنبھال لیا کریں گے۔"

"اور اِس سب میں ہمارے وی آئی پی اباجی کا رول کیا ہوگا۔" نادیہ ہاتھ سینے پر باندھے رفعت کی باتیں انجوائے کر رہی تھیں۔

"خود ہی دیکھ لو۔" رفعت نے اوپر بالکنی کی طرف اشارہ کیا۔ اباجی منگنی کا فنکشن ختم ہونے کے بعد مہمانوں کے چھٹتے ہی اپنی مخصوص نشست سنبھال کر کیسٹس اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں محمد رفیع کی آواز ماحول میں گونجنے لگی۔

دیوانہ مجھ سا نہیں۔۔ اِس امبر کے نیچے

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور قہقہہ لگا کر تالی بجائی۔ اشعل سدھر گیا تھا پر اباجی نہیں سدھر سکتے تھے۔

☆☆

URDU NOVELS MAG

آسیہ ساجد علی

مائے نی میں کنہوں آکھاں

"بھئی سمیرا! لے بھی آؤ ناشتہ دیر ہو جائے گی بچوں کو اسکول سے۔" سمیرا نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ناشتہ رکھا۔ دو دن پہلے ہی اس کی امی کا انتقال ہوا تھا اور شام کو وہ گھر واپس آئی تھی۔

"اوہو دو دن سے یہی روکھا پھیکا ناشتا کر رہے ہیں۔ آلو کے پراٹھے ہی بنا لیتیں۔" شرجیل نے کہا۔

سمیرا نے تاسف سے شوہر کی طرف دیکھا ہے۔

سمیرا کی ساس امینہ بیگم دلیے کے پیالہ میں چمچہ ہلاتے ہوئے بولیں۔

"ہاں بہو! یاد آیا۔ انیقہ کا فون آیا تھا آج آ رہی ہے اپنی ساس اور جیٹھانی کے ساتھ تمہاری امی کے پرسے کے لیے شام کو بھئی انیقہ کی تو خیر ہے، جو دال دلیہ ہوتا کھا لیتی لیکن سسرال کا معاملہ ہے۔ (ہاں معاملے تو سب ہی سسرال کے ہی ہوتے ہیں) بریانی کے ساتھ کباب اور مٹن قورمہ بنا لینا اور میٹھے میں کھیر بنا لینا، روٹیاں چلو شرجیل بازار سے لیتا آئے گا۔"

بچے اور شرجیل اسکول اور آفس کے لیے نکل گئے تو ساس نے کہا۔

"ہاں! بہو میرا چکن کا سوٹ بھی یاد سے استری کر دینا۔"

"جی اچھا اماں جان!"

سمیرا کا میکا اور سسرال ایک ہی شہر میں تھا۔ میکا شہر کے ایک کونے میں اور سسرال دوسرے کونے میں۔ سمیرا کی امی پچھلے ایک ماہ سے بستر پر تھیں اور چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ دو ماہ سے ان کی طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے اس کے شوہر کی طرف سے کمال فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہفتے میں ایک بار جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

سمیرا ہفتے کی صبح بچوں کو اسکول بھیج کر میکے چلی جاتی اور شام کو واپس آ جاتی۔

سمیرا کے دو بھائی تھے، ایک بیوی بچوں سمیت ملک سے باہر مقیم تھے بڑے بھائی اور بھاوج اسی شہر میں تھے۔ امی بڑے بھائی کے ساتھ رہتی تھیں جبکہ مرحوم والد ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تھے۔ کچھ یاد آنے پر سمیرا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کاش کوئی ایسی دوا ہوتی کہ تکلیف دہ یادوں کو ذہن سے مٹایا جا سکتا۔

ایک منظر سمیرا کے ذہن کے پردے پر ابھرا۔ جب دو ہفتے پہلے سمیرا میکے گئی تھی اور امی کو تکیوں سہارے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"امی! دیکھیں آپ کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ دوپہر میں کچھ نہیں کھاتیں۔"

"نہیں بیٹا! بستر پر پڑے پڑے کیا بھوک لگے۔"

"چلیں امی تھوڑا سا کیلا کھا لیں۔" وہ بمشکل آدھا کیلا کھا سکیں۔

"امی، ایک کیلا تو پورا کھا لیں۔"

"بس بیٹا! بہت ہو گیا۔" تب ہی بھابھی کمرے میں آ گئیں۔ سمیرا کو کیلا کھلاتے دیکھ کر بولیں۔

"بھئی سمیرا، معاف کرنا تم تو یہ الم غلم کھلا کر چلی جاؤ گی طبیعت بگڑ گئی تو بھگتان مجھے ہی بھگتنا پڑے گا ناں۔"

"سمیرا بیٹا! برا مت ماننا۔ میں تو گھر میں ہوتا نہیں تو تمہاری بھابھی ہی اماں کو سنبھالتی ہیں۔ یہ اس کا

احسان ہے۔ اب باہر ملک میں بیٹھ کر چند ہزار ماہانہ بھیجنے سے والدین کے حقوق تو پورے نہیں ہو جاتے۔"

سمیرا چاہتے ہوئے بھی یہ نہ کہہ سکی کہ چھوٹے بھائی کے چند ہزار اور ابو کی پنشن جواب امی کے نام تھی، اس سے کم از کم کوئی جز وقتی ملازمہ تو امی کے لیے رکھی ہی جا سکتی ہے۔

پھر خیال کے پردے پر پچھلے ہفتے کا منظر ابھرا۔ وہ امی سے ملنے گئی واپس آنے لگی تو امی نے اس کا دوپٹہ پکڑ لیا۔

"نہ جاؤ سمی! آج رک جاؤ۔"

"اچھا امی دیکھتی ہوں۔"

سمیرا نے شرجیل کو فون کیا کہ امی رکنے کے لیے بہت اصرار کر رہی ہیں۔ شرجیل نے کتنے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

"محترمہ! ہفتے میں ایک ہی چھٹی ہوتی ہے۔ میں تو صبح صبح اٹھ کر تمہیں لینے نہیں آ سکتا۔ اور تم وہاں تیمارداریاں کرو اور یہاں اماں جان بچوں کو سنبھالتے گزر گئیں تو کون ذمہ دار ہوگا۔"

حالانکہ شرجیل کی امی اچھی خاصی صحت مند اور پھرتیلی خاتون تھیں۔

سمیرا چپ چاپ واپس آ گئی اس وقت کیسی بے بسی تھی امی کی آنکھوں میں یا شاید دکھ اور مایوسی۔

ایک اور منظر ابھرا امی کے انتقال کے دوسرے دن کا۔ جب شام کو شرجیل اسے گھر لے آیا تھا۔

"افوہ سمیرا! اپنا موڈ ٹھیک کرو اور حلیہ بھی مرنے والوں کے ساتھ کوئی مرنہیں جاتا۔ اور آنٹی کو کون سا اچانک کچھ ہوا ہے عرصے سے بیمار تھیں، بندہ ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔ تمہیں بھی پتا ہے۔ مجھے اس طرح کا حلیہ پسند نہیں ہے۔"

ہم بیاہی بیٹیوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں والدین کی خدمت نہیں کر پاتیں کہ سسرال کی خدمت کرنی ہوتی ہے بچوں کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ جی بھر کر ماں باپ کی موت پر سوگ بھی نہیں منا تیں کہ نند کے سسرالیوں کی مہمان نوازی بھی کرنی ہے، شوہر کی دل داری بھی کرنی ہے۔ والدین کی خوراک اور خدمت پر کھل کر بات نہیں کر سکتیں کہ بھائی بھابی ناراض ہوں گے۔

کاش ایک دن صرف ایک دن مجھے ایسا مل جائے کہ میں جی بھر کر اپنی امی کا سوگ منا سکوں میں اتنا روؤں کہ میری آنکھیں سوج جائیں، ناک سرخ ہو جائے، آواز بیٹھ جائے لیکن کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہو اور اس بیٹھی ہوئی آواز کے ساتھ میں گاؤں!

مائے نی میں کنھوں آکھاں
درد وچھوڑے دا حال نی
مائے نی میں کنھوں آکھاں
دکھاں دی روٹی سولا دا سالن
آہیں دا بالن بال نی

☆☆

Digest Novels Lovers Group

URDU NOVELS MAG

سمیرا حمید

پردیس

اجالا گاؤں کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی ایک شادی کی تقریب میں برطانیہ سے اس کے دور کے رشتے دار آتے ہیں۔ آنٹی اپنے بیٹے شہریار کے لیے اسے پسند کر لیتی ہیں۔ اس کا رشتہ مانگتی ہیں۔ گاؤں میں سب اس کی قسمت پر رشک کرتے ہیں کہ اجالا بیاہ کر امریکا چلی جائے گی۔

شادی کے بعد امریکہ آ کر اجالا پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہریار پہلے بھی ایک شادی کر چکا تھا۔ گاؤں میں آنٹی کے کیے سارے دعوے جھوٹے تھے، امریکا میں وہ اور ان کے سارے بچے نوکری کر کے گزارا کرتے ہیں جبکہ اجالا کو نوکری کر کے نہ صرف اپنا بلکہ شہریار کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔ شہریار یکسر مختلف انسان ہے۔ جس میں اخلاقی برائیاں ہیں پر اب وہ بری طرح ان کے چنگل میں پھنس چکی تھی جس سے فرار مشکل تھی۔

ادھر گاؤں میں سب آنٹی کے دکھائے سہانے سپنوں کو سچ سمجھتے ہیں۔ شہریار اسے شراب کی با میں ملازمت دلواتا ہے اور اس کے لیے اس کے خوب صورت لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔ شراب کی فیکٹری میں اجالا کے لیے مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اسے جاب چھوڑنا پڑتی ہے۔

اجالا کی دونوں نندوں کا رویہ اس سے اچھا ہے آنٹی کے رویے کے باعث عینی ان سے دور جاب کرنے پر مجبور ہے۔ سارہ یونی ورسٹی میں عورتوں کی آزادی کے لیے بڑھ چڑھ کر بولتی ہے۔ اجالا ایک ڈاکٹر کے گھر میں الماس کے ساتھ کام کرتی ہے جس کی دوسری کم عمر بیوی روشن پر اس کی ساس نندیں تشدد کرتی رہتی ہیں۔ اجالا روشن کو اس چنگل سے نکالنے کے لیے سارہ کی مدد لیتی ہے تاکہ روشن پاکستان اپنی بیمار ماں کے پاس لوٹ جائے وہ کامیاب ہو جاتی ہے اس سلسلے میں پاکستانی قونصل خانہ ان کی مدد کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے گھر والوں کو سخت سزا ملنے کا امکان ہے لیکن وہ حیلے بہانے کر کے روشن سے ملتے ہیں اور اسے بہلا پھسلا کر قائل کر لیتے ہیں عدالتی کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

چھٹی قسط

جھوٹ بڑی آسانی سے جیت جاتا ہے
سچ کے لیے بڑا جوکھم اٹھانا پڑتا ہے
آج تک دنیا میں سچ ہی تو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ کھرا سچ، اصل سچ۔

پڑنے والے پہلے تھپڑ، دیے گئے پہلے دھوکے کی حقیقت کی اذیت کا سچ کہاں ثابت کیا جا سکتا ہے؟

روشن میز کی سطح پر نظر جمائے، غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کسی کو کیا بتاتی کہ اپنی کہانی کے اس انجام پر اس کی روح کس سولی پر ہے۔ معصوم ہونا، مظلوم ہونا، اور پھر بھی الزام لگا کر کٹہرے میں گھسیٹ لیا جانا، کتنا اذیت ناک ہے۔ عظمیٰ دھیمی آواز میں، وکیل کے ایک ایک لفظ کو اردو میں روشن کی سماعت سے گزار رہی تھی۔ ڈاکٹر شوہر نے بتا دیا تھا

مکمل ناول

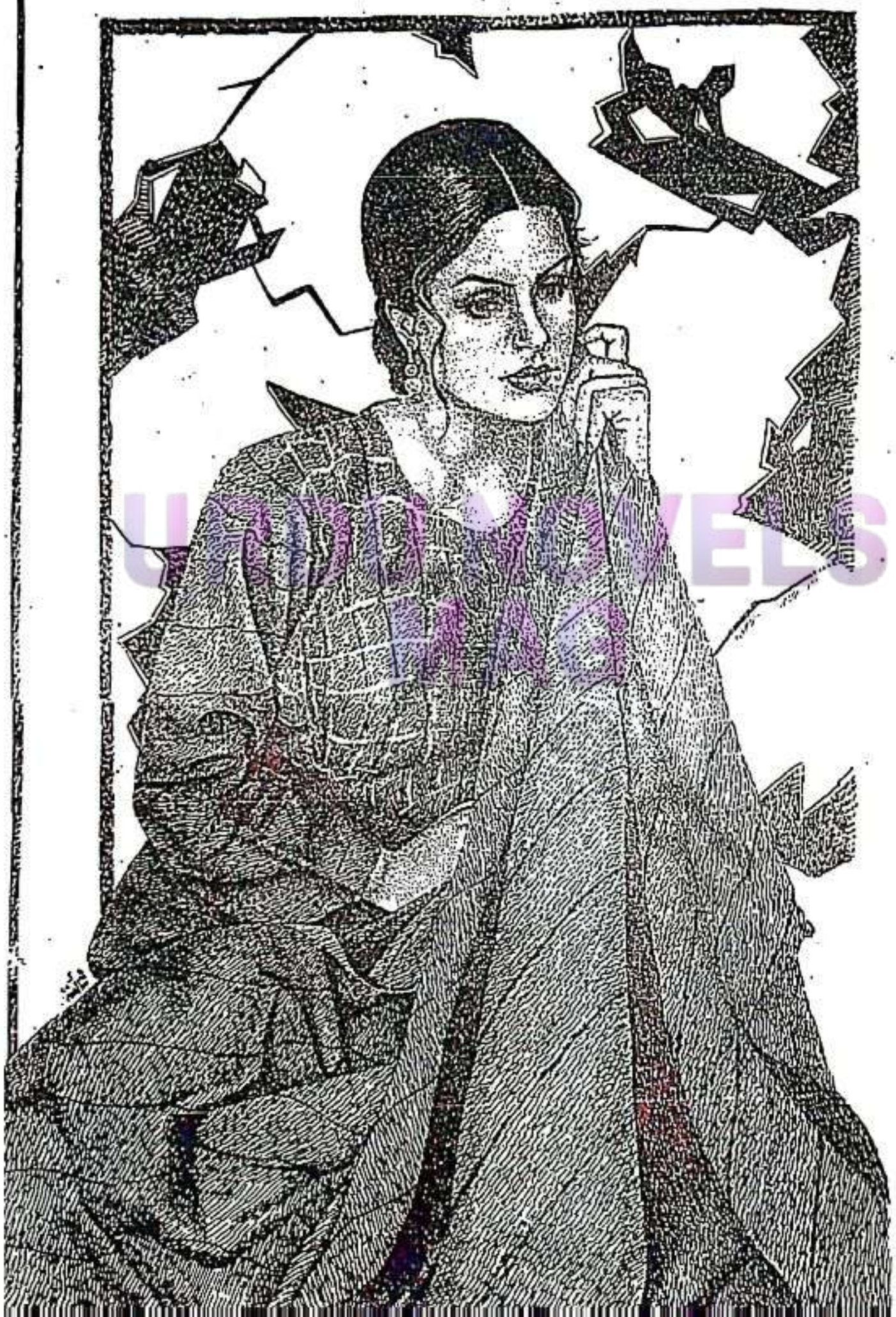

کہ کیس جیتنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کچھ کیچڑ اچھالا جاتا ہے، کچھ الزام لگتے ہیں، تم بے فکر رہنا، میں تمہیں امریکی جیل میں جانے سے بچالوں گا۔

جو گھر کی جیل سے نہیں بچا سکا تھا وہ اب امریکیوں کے شکنجے سے نکال رہا تھا۔

مسیحا ڈاکٹر..... جس وقت پہلی بار اس نے اپنے شوہر کو دیکھا تھا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس کا شوہر پینٹ کوٹ میں کیسا صاحب لگتا تھا۔ وہ فون پر ہوئے نکاح سے اتنی خوش تھی کہ دنوں میں اس کی ذات پر سے مدت پرانی پریشانیوں کی لکیر مٹ کر رہ گئی تھی۔ آنے والے خوب صورت مستقبل کی حقیقت نے، سارے خوف ناک اندیشے زائل کر دیے تھے۔ انیس بیس سالہ معصوم سی روشن، خوش قسمتی کے عروج پر تھی۔ امریکا شادی ہوگئی، شوہر ڈاکٹر ہے، اس کے ساتھ فیکٹری جانے والی لڑکیوں نے اس کے نصیب پر بہت رشک کیا تھا۔ وہ بار بار کہتی تھیں ایسے شوہر کی قدر کرنا۔ کوئی دعا لگی ہے، بخت جاگا ہے، اپنی کم عقلی سے سلا نہ دینا۔ ڈاکٹر شوہر انسان نہیں دیوتا تھا، جو اسے سسکتی ہوئی زندگی کی دلدل سے کھینچ لایا تھا۔ امریکا میں اپنا گھر دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ جن کوٹھی بنگلوں کو وہ بس کی کھڑکی سے دیکھتی تھی، ان میں سے ایک کی وہ مالکن تھی۔

اس مالکن کو بڑی جلدی اس کی اوقات دکھادی گئی تھی۔ دلشاد کی طرف سے پڑنے والے پہلے تھپڑ پر اسے بہت تکلیف پہنچی تھی لیکن اس نے خود کو سمجھالیا کہ بڑی بہن جیسی ہے، مجھے ہی امریکا میں رہنے کی عقل نہیں ہوگی۔ وہ غریب گھر سے تھی، خرابی صرف اس میں ہوسکتی تھی۔ اس نے کبھی بریڈ ٹوسٹر نہیں دیکھا تھا۔ سلائیڈ ڈور وارڈروب استعمال کرنا نہیں جانتی تھی۔ پانی کا بڑا ٹب اسے کہاں میسر تھا۔ خرابی صرف اسی میں تھی۔ جن کی دال پر بگھار کی حیثیت نہیں تھی، انہیں یہ بڑے سے سوئمنگ پول والے گھر میں رہنے کی توفیق مل گئی تھی۔

دو سال تک وہ خود کو بے وقوف، جاہل سمجھتی رہی۔ سارا الزام اپنے سر لیتی رہی۔ گھر کے بچے تک اس پر اپنا طیش نکال لیتے تھے۔ مختلف ناموں سے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ماں نے جیسے تیسے جتنے کپڑے ٹرنک میں بھیجے تھے، وہ انہیں نکال نکال کر پہنتی رہی۔ اسے ایک گرم سویٹر تک مہیا نہیں کیا گیا تھا۔ وہ نئے کپڑے پہن کر ڈاکٹر بھائی کو قابو میں کر لے گی، میک اپ کرے گی، بال بنائے گی، ایسے وہ سارے گھر کی مالکن بن جائے گی۔ وہ اسے آئینہ دکھاتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر شوہر اس کے لیے اپنی پسند کے نائٹ ڈریس لے آیا تھا۔ وہ رات کا مالک تھا، باقی دن کی خبر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن، گھر کی بڑی کھڑکیاں صاف کرتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ وہ برستی بوندوں کو یک ٹک دیکھنے لگی۔ اسے وہ وقت یاد آ گیا جب یہی بارش ان کے گھر ایک ہنگامہ لے آتی تھی۔ اماں کا چہرہ کھل اٹھتا تھا۔ شاید کچھ اچھے دنوں کی یاد تھی۔ کوئی قربت رہی تھی برسات سے۔ اماں کچن میں جاتیں، پکوڑے تلتیں، پوریاں بناتیں۔ گرج برس ہی ایک ایسی چیز تھی جس کے لیے انہیں پلو کی گرہ کھول کر دیکھنا نہیں پڑتا تھا کہ کتنے پیسے بچے رہ گئے۔ جس پر کچھ خرچ نہیں آتا تھا۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ پکوڑے ان کی چادر سے باہر نہیں تھے۔ خوشیوں کی گنتی انگلیوں پر تھی، اور اس میں سے ایک برسات بھی تھی۔

اس برستی بارش کو دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ اتنے بڑے گھر کی کھڑکی میں کھڑی روشن، اور کراچی کے چھوٹے سے فلیٹ کی بالکنی میں کھڑی روشن، میں بہت فرق آچکا ہے۔ یہاں کی بارش ہر چیز کی خوب صورتی بڑھا دیتی ہے۔ وہاں بارش ہر شے کو بدصورت بنا دیتی تھی۔ گلیوں میں پانی بھر جاتا، کیچڑ ہو جاتا، کھڑکی دروازوں سے پانی آنے لگتا۔ ان کے سونے کے کمرے کا فرش گیلا ہو جاتا تھا۔ گھسی ہوئی چاندنی لپیٹ کر رکھنی پڑتی تھی۔ ہر شے کی شکل بگڑ جاتی تھی۔ اور یہاں اس کی اپنی شکل بگڑ چکی تھی۔ چھت تک اٹھی ہوئی

digest library.com

digest library.com

بڑی سی کھڑکی کو صاف کرتے ہوئے وہ آستین سے اپنی آنکھیں بھی صاف کرتی رہی۔ اس دن دلشاد آپا کے سارے تیر دل میں لگے۔ اس رات اس نے ڈاکٹر شوہر کی رو رو کر منت کی کہ ایک بار اماں بی سے بات کروا دیں، لیکن وہ کروٹ بدل کر سو گیا۔

☆☆☆

یہی ڈاکٹر شوہر سوٹ بوٹ پہن کر، اپنے وکیل کے ساتھ روشن کو جیل جانے سے بچانے آیا تھا۔ تین سال قید با مشقت جھیلنے والی، اس وقت بھی چور بنی، خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ ان کی ٹائی پر کل بھی پن لگی تھی، آج بھی لگی ہے۔ اٹالین جوتے چمک رہے تھے۔ پرفیوم کے کئی اسپرے کیے تھے۔ ان کی پیشانی پر فکرمندی کی کوئی لکیر نہیں تھی۔ وہ ڈاکٹر تھے، ان کے پاس نیلا پاسپورٹ تھا۔ وہ کئی روشن خرید کر غلام رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے شکاگو کا بہترین وکیل ہائیر کیا تھا۔

وکیل عظمیٰ اپنے دلائل دینے لگی۔

''یہ پیپر جس پر روشن کی مدر کے سائن لیے گئے ہیں، اس پیپر سے متعلق انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ اس کے ویزے کے سلسلے میں ایک پیش رفت ہے۔ ماں نے بیٹی کے ویزے کے پیپر پر سائن کیے تھے۔ بیٹی کے پیسے نہیں لیے تھے۔ کیسی رقم اور کون سے پیسے؟ یہ نکاح جھوٹ بول کر کیا گیا تھا۔ روشن کی مدر کو امریکا سے کبھی پیسے نہیں بھیجے گئے۔ یہ رسیدیں جعلی ہیں۔ روشن کا خاندان گھر سے بے گھر ہو چکا ہے، اور بدترین معاشی مسائل سے گزر رہا ہے۔

تین سال کے عرصے میں روشن ایک بار بھی پاکستان نہیں گئی۔ پاکستان جانا بہت دور کی بات ہے، روشن گھر سے باہر نہیں نکلی۔ ڈاکٹر مراد شاہد کے ہمسایوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھی مسز روشن کو گھر سے باہر نہیں دیکھا۔ کسی ہوٹل، کسی ریسٹورنٹ، کسی پارک، یا شاپنگ کے لیے کسی بھی مارکیٹ میں۔ کیا ڈاکٹر مراد ثابت کر سکتے ہیں کہ روشن گھر سے باہر جاتی رہی ہے؟ گھر میں قید نہیں رہی؟

اگر روشن پیسے کی اتنی ہی لالچی رہی ہے تو پھر روشن نے وہ پیسے کبھی خرچ کیوں نہیں کیے۔ ایک عورت جب لالچی ہوتی ہے تو وہ اپنے لیے، کپڑے، جوتے، جیولری، میک اپ ضرور خریدتی ہے۔ گولڈ یا پھر ڈائمنڈ، روشن کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یا پھر روشن جوا کھیلنے کی عادی ہے۔ لیکن وہ یہ جوا کھیلتی کہاں ہے؟ کس کے ساتھ؟''

ڈاکٹر مراد شاہد کے سکون میں کوئی خلل نہیں آیا تھا۔

''اتنے بڑے ڈاکٹر کی بیوی کو شکاگو کی ٹھنڈ میں گرم کپڑے میسر نہیں تھے، اور وہ ان سے پیسوں کا تقاضا کرتی رہی ہے، گھر میں لڑتی رہی ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر روشن خود پاکستان پیسے بھجواتی رہی ہے تو کیسے بھیجتی رہی ہے؟ روشن کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ منی ٹرانسفر کے لیے اس نے کون سا ذریعہ استعمال کیا ہے؟ گھر کے لینڈ لائن فون پر تالا ہے۔ جس کی چابی ان کی بہن کے پاس ہے۔ روشن اپنے گھر فون نہیں کر سکتی۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے فون کا ڈیٹا ہے۔ جس کے مطابق اتنی لمبی مدت میں، ایک بار بھی پاکستان کال نہیں کی گئی۔ پاکستان کے کسی نمبر سے کوئی کال موصول نہیں ہوئی، کیونکہ روشن کی ماں کو گھر کا غلط نمبر دیا گیا تھا۔ انہیں درست نمبر دیا ہی نہیں گیا تھا۔''

فون کا ڈیٹا اٹارنی جنرل کے ہاتھ کے نیچے تھے، انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی اور واپس عظمیٰ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''اگر روشن کی ماں پیسوں کا تقاضا کرتی تھیں تو کہاں کرتی تھیں؟ کس کے ذریعے؟ روشن فون بوتھ تک نہیں جا سکتی تھی۔ ماں بیٹی کا رابطہ کہاں تھا؟''

اٹارنی جنرل نے ڈاکٹر مراد شاہد اور ان کے وکیل کی طرف دیکھا۔

''لالچی روشن اپنی ماں سے فون پر بات کیوں نہیں کرتی تھی؟''

روشن کی آنکھیں بڑی بھاری ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر کندخزاں کے نشان اور گہرے ہو گئے۔

''لالچی روشن ہے..... لالچی روشن کی ماں

ہے...... یا لالچی روشن کو نکاح کے نام پر خرید کر یہاں لے آنے والے ہیں؟ ایک غریب بیوہ ماں تین چھوٹے بہن بھائی، کراچی کی ایک فیکٹری میں معمولی اجرت پر کام کرنے والی بھولی بھالی لڑکی، امریکا کے مشہور و معروف، گرین کارڈ ہولڈر شوہر پر کیسے برتری رکھ سکتی ہے؟ روشن کا پاسپورٹ تک اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی غریب ماں پاکستان سے امریکا آ کر اپنی بیٹی کی خبر نہیں لے سکتی۔ روشن کے جسم پر جا بجا زخموں کے نشان ہیں، وہ ماں ان زخموں پر مرہم نہیں لگا سکتی۔ ڈاکٹر کی بیوی کو زہر کے انجکشن سے ڈرایا جاتا رہا ہے لیکن اسے سر کے درد کے لیے دوا نہیں دی گئی۔''

کیسے سے کمرے میں بہت سناٹا تھا۔ اب ڈاکٹر مراد کے سکون میں خلل آیا تھا۔ انہوں نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر پہلو بدلا تھا۔ اٹارنی جنرل کی ساری توجہ عظمیٰ کی طرف تھی۔ وہ عظمیٰ کو سن اور روشن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''یہ شادی روشن کے گھر کے مصائب دیکھ کر ہی کی گئی تھی تاکہ اس لڑکی کے ساتھ کھل کر جانوروں جیسا سلوک کیا جائے۔ تیسری دنیا کے لوگ سوچتے ہیں بیٹیاں امریکا آئیں گی تو ان کی زندگی بن جائے گی۔ وہ خود غربت سے نہیں نکل سکے لیکن بیٹی نکل جائے گی۔ اگر یہ لالچ ہے تو روشن کی ماں نے یہ لالچ کی تھی۔ لیکن یہ لالچ انہیں ڈاکٹر صاحب کے خاندان نے دی تھی۔ دنیا کا کوئی غریب اپنی حیثیت سے باہر کے خواب نہیں دیکھتا۔ غریب حقیقت پسند انسان ہوتا ہے۔ روشن اور اس کا خاندان اپنی حیثیت جانتا تھا۔ ڈاکٹر مراد کا خاندان، روشن کی ماں کے پاس جھوٹے وعدے لے کر پہنچا اور نکاح کے لیے اصرار کیا۔ نکاح کے نام پر وہ ایک جیتے جاگتے انسان کو خرید لائے اور اس پر ہر طرح کا تشدد جاری رکھا۔ اسے اتنا ذہنی ٹارچر دیا گیا کہ یہ لڑکی نیم پاگل ہو چکی ہے۔''

روشن کی میڈیکل رپورٹ اٹارنی جنرل کے سامنے تھی۔

بھیگی ہوئی آنکھیں اتنی بھاری ہو گئی کہ چھلک پڑی تھیں۔

''ڈاکٹر مراد شاہد کا موقف ہے کہ روشن ذہنی طور پر مستحکم نہیں ہے۔ یہ واحد بات ہے جو انہوں نے سچ کہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ روشن نیم پاگل ہو چکی ہے۔ روشن کا ذہنی معائنہ کرنے والے ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق روشن بدترین پی ٹی ایس ڈی کا شکار ہو چکی ہے۔ پی ٹی ایس ڈی، ایف ون، لیول سکس۔ پی ٹی ایس ڈی، ایف نائن، لیول ون پوائنٹ ایٹھ...... اینگزائٹی ڈس اوڈر، فیئر ڈس اوڈر...... یہ سب ذہنی امراض اسے شادی کے بعد ملے ہیں۔ اس لڑکی روشن کی حیثیت کا لیول تو وہی رہا، لیکن اس کی تکلیفوں کے لیول اتنے زیادہ بڑھ گئے کہ وہ لیول ایٹھ میں آ گئی۔ ذہنی امراض کا شکار ہو گئی۔ رپورٹ میں صاف اور واضح طور پر مارک کیا گیا ہے کہ یہ تمام ڈس اوڈرز تین سال سے پرانے نہیں ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روشن ایک صحت مند لڑکی تھی، لیکن ڈاکٹر مراد شاہد کے گھر آتے ہی ذہنی مریضہ بن گئی۔''

اٹارنی جنرل نے میڈیکل رپورٹ پر سرخ پین سے مارک پیراگراف کی طرف دیکھا اور پھر روشن کی طرف۔

''کیا ہم اس تنہائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ایک لڑکی کو اس کے خاندان سے دور ہو کر ملی ہو گی؟ ڈس پلیس منٹ کی تکلیف اس نے کیسی جھیلی ہو گی۔ اس کا اپنا یہاں کوئی نہیں تھا۔ اسے کسی سے بات نہیں کرنے دی جاتی تھی۔ تنہائی، بے بسی، جسمانی تشدد اور میریٹل ابیوز نے اسے نیم پاگل کر دیا۔

ایک لڑکی جس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے، نہ پیسے کا، نہ طاقت کا۔ اس کے پاس کوئی سپورٹ نہیں، نہ فیملی کی، نہ کسی فرینڈ کی۔ اس لڑکی نے اپنی ماں سے ملنے کی تڑپ میں، خود پر ہونے والے تشدد سے بچنے کے لیے، اپنی جان کو خطرے میں ڈالا اور ڈاکٹر شوہر کے قید خانے سے فرار ہو گئی۔ جیسے ہی اس نے سفارت خانے میں پناہ لی اس پر چوری کا الزام لگا کر اسے روک دیا گیا۔ ڈاکٹر شوہر

URDU NOVELS MAG digest library.com

کی ایگو بری طرح سے ہرٹ ہوئی کہ ان کے چنگل سے شکار نکل بھاگا۔ نہ صرف چوری کی رپورٹ کی گئی، بلکہ سفارت خانے نے جس شیلٹر میں روشن کو رکھا تھا، یہ اپنے "اثر و رسوخ" سے وہاں اسے ڈرانے کے لیے جا پہنچے کہ اگر اس نے زبان کھولی تو اس کے ساتھ بہت برا ہوگا۔"

ڈاکٹر شوہر نے اس کمنٹ پر عظمیٰ کی طرف بڑے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا۔ اٹارنی جنرل نے ابرو اچکا کر ڈاکٹر شاہد کی طرف دیکھا۔ عظمیٰ نے ایک اور پیپر اٹارنی جنرل کے سامنے رکھا، اس پر قونصلٹ جنرل کے سائن تھے جس کے مطابق، ڈاکٹر مراد شاہد نے بغیر اجازت کے روشن سے ملاقات کی۔ یہ قانون کی خلاف ورزی ہے۔

"سب روشن کا قصور ہے..... روشن ڈری ہوئی ہے..... روشن کم عقل ہے..... لیکن قانون کو آنکھیں کھول کر رکھنی چاہیے۔ قانون کو سچ سننا چاہیے۔ سچ پر یقین کرنا چاہیے، سچ پر اپنا فیصلہ دینا چاہیے۔ روشن پر چوری کا الزام بے بنیاد ہے۔ نہ صرف اس الزام کی سزا ملنی چاہیے بلکہ روشن کی قید کے تین سالوں کے ایک ایک لمحے کا حساب ہونا چاہیے۔" عظمیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"دیکھیں اس جوان لڑکی کی طرف، یہ اپنے ساتھ ہوئے ظلم کا چلتا پھرتا ثبوت ہے، اگر ہمیں یہ ثبوت دکھائی نہیں دے رہا تو پھر ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ یہ ایک اچھی اداکارہ ہے اور ہم خاموش تماشائی۔"

☆☆☆

اٹارنی جنرل کی نظر صرف روشن پر تھی۔

روشن جس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ جس کی روشنی کو گھن چاٹ گیا تھا۔ چھپ چھپ کر رونے والی لڑکی کی آنکھوں کے سارے جگنو مردہ ہو چکے تھے۔ اسے نہیں معلوم کہ وکیل عظمیٰ نے کیا کہا۔ وہ کیا کچھ انگلش میں بولتی رہی ہے۔ وہ روشن از مدر، روشن از مدر، کو سمجھتی تھی۔ اس نام کی تکرار نے اسے تکلیف دی۔ بیٹیاں رخصت کرنے کے بعد بھی ماں باپ کی خلاصی نہیں ہوتی۔ اس کی ماں کو عزت تو کیا نصیب ہوتی تھی، ایک وکیل نے لالچی کا الزام لگا دیا، دوسری وکیل نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ ماں کو کتنا فخر تھا کہ وہ غریب ضرور ہے لیکن بے دین نہیں۔ ماں کی دنیا کتنی چھوٹی تھی۔ پھر اتنی بڑی دنیا میں اسے کیوں بھیج دیا۔ ہتھیلی سے روشن نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ عظمیٰ نے ٹشو باکس اس کے سامنے کیا لیکن اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"روشن....." اٹارنی جنرل نے امریکی لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

گیلی ہتھیلیاں واپس گود میں گرا لیں۔

انصاف کے کمرے میں بڑی خاموشی رہی۔

"روشن....." نرمی سے پکارا۔

اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر سفید بالوں والی عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر اتنی زخمی تھی کہ اٹارنی جنرل جہاں کی تہاں رہ گئی۔ عظمیٰ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور آہستہ سے کہا کہ خاموش نہ رہو سب کہہ دو۔ ڈاکٹر مراد شاہد کی ٹائی کی گرہ میں تنگی ہوئی۔ انہیں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری کوشش کی کہ روشن کی نظر ان کی نظر سے مل جائے۔ صرف ایک نظر لیکن روشن اٹارنی جنرل کی طرف دیکھ کر واپس نظر جھکا چکی تھی۔

☆☆☆

"مجھے جیل بھیج دیں..... سزا دیں..... میری اماں بی کو کچھ نہ کہیں....."

اس نے نمی کو حلق میں اتارا۔

"تم نے چوری کی ہے؟" اٹارنی جنرل نے نرمی سے پوچھا۔

روشن چپ رہی۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے رہے۔

"مجھے جیل بھیج دیں..... مم..... مجھے جانے دیں....."

جانے والا، رونے والا، سسکنے والا، دنیا کا نیا روپ دیکھ لینے والا۔

"تمہارے شوہر کا تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہے؟"

digest library.com

digest library.com

وہ خاموش رہی۔

"روشن..... پلیز بولو..... خاموش نہ رہو۔" عظمیٰ نے بڑی منت سے کہا۔

وہ بدستور میز کی سطح دیکھتی رہی۔

"روشن..... ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے..... انصاف پر یقین رکھو۔"

اسے کسی انصاف، کسی انسان، کسی عدالت، کسی پر کوئی بھروسا نہیں تھا۔ یہ دنیا اس کا سب کچھ لوٹا دے گی، لیکن انسانیت پر سے اٹھ چکا اعتبار نہیں لوٹا سکے گی۔ اتنی سی لڑکی کو چار لوگوں نے مل کر تار تار کر دیا تھا۔ اس کے اندر خوف کا زہر بھر دیا تھا۔ اب وہ زندگی سے کوئی تریاق کشید نہیں کر سکے گی۔ بند گھر، اور بند کمرے میں اس کے ساتھ اتنا کچھ ہو چکا تھا کہ وہ آزاد ہو کر بھی ان اذیتوں کے زندان میں بھٹکے گی۔

"روشن! ڈاکٹر مراد شاہد کا تمہارے ساتھ سلوک کیسا تھا؟" اٹارنی جنرل نے شوہر کے بجائے نام سے سوال کیا تھا۔

عظمیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ڈاکٹر اور ان کے وکیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"روشن....." اٹارنی جنرل نے پھر نرمی سے پکارا۔

اس نے نظر اٹھا کر نرمی سے پکارنے والی کی طرف دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ میز پر سر گرا دے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"یہ..... یہ وحشی ہیں....."

ایک لڑکی، ایک بیٹی، ایک بہن، ایک بہو، نے نہیں کہا تھا کہ یہ وحشی ہیں۔ ایک بیوی نے کہا تھا۔ میڈیکل رپورٹ اٹارنی جنرل کے ہاتھ کے نیچے تھی۔ قلم اس کی انگلیوں میں تھا۔ اس نے روشن کے چہرے پر اس جملے کی ساری وحشت دیکھی۔ کمرے میں موجود دونوں عورتیں اس بات کا مطلب سمجھتی تھیں۔ دونوں مرد بھی سمجھتے تھے، لیکن وہ مرد اپنا سچ ثابت کرنے آئے تھے، روشن کا سچ نہیں۔

ہاتھ میں پکڑا پین اٹارنی جنرل نے فائل پر رکھا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ بھی اس فائل پر رکھ دیے۔

"تم نے کوئی چوری نہیں کی..... تم معصوم ہو..... تم پر لگا چوری کا کیس ڈس چارج کیا جاتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کے وکیل نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ اٹارنی جنرل نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"جس کا کوئی نہیں ہے، اس کے ساتھ امریکا کا قانون ہے..... امریکا کی ریاست ہے۔"

سناٹا.....

"ڈاکٹر مراد شاہد پر تمہاری طرف سے کیس امریکا کی ریاست کرے گی۔ ریاست تمہارے ساتھ کھڑی ہے۔ تمہیں پورا پورا انصاف دلوایا جائے گا۔"

ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ ٹائی کی ناٹ پر آ کر رک گیا تھا۔

☆☆☆

ریاست ماں کی طرح ہوتی ہے، یہ ماں روشن کے ساتھ تھی۔ جس کے پاس مال نہیں، طاقت نہیں، جو ہر اختیار سے خالی ہاتھ ہوگا، امریکا کا قانون اس کے ساتھ ہوگا۔ جو جتنا ابیوزڈ ہوگا، جتنا ورنرایبل ہو گا، قانون اس کا ساتھ دے گا۔ کہ امریکا میں پاس ہوا قانون کا بل کہتا ہے۔

"طاقت ور کا ہاتھ نیچے والا ہونا چاہیے۔ کیونکہ امکانات ہیں کہ جو کمزور ہے، اس پر طاقت ور نے اپنی طاقت آزمائی۔"

روشن کمزور تھی۔ بے بس تھی۔ اس پر طاقت ور کی طاقت کا پورا زور چلا تھا۔ اسے جسمانی، ذہنی اور جذباتی لحاظ سے اپاہج کر دیا گیا تھا۔ اس لیے، ریاست نے اس کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا، اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

لیکن.....

☆☆☆

روشن پاکستان واپس چلی گئی۔ عظمیٰ نے اس کی منت کی تھی کہ وہ ڈاکٹر مراد پر مقدمہ کرے، اس کا

digest library.com

لائسنس کینسل کروا کر جائے، لیکن روشن اتنی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ حالات مظلوم تو پیدا کر دیتے ہیں لیکن مسیحا نہیں۔ یہ خوف کہ وہ امریکا میں رہی تو پھر سے کچھ ہو سکتا ہے، اس خوف نے اسے ایک دن بھی امریکا رہنے نہیں دیا۔ ہر انسان جھوٹا ہے۔ ہر وعدہ مکر ہے۔ وہ اٹارنی جنرل کا کہنا تھا، یا پھر عظمیٰ کا۔ سارہ نے اسے سمجھایا تھا کہ ابیوزڈ کا کیس وہ پہلے سے ہی جیت چکی ہے، وہ ہمت کرے۔ وہ یہاں رہ کر اپنے گھر والوں کی بہتر کفالت کر سکے گی۔ اب وہ آزاد ہے۔ ریاست اسے پوری طرح سے سپورٹ کر رہی ہے۔ وہ ڈاکٹر اور اس کے خاندان کی کمر توڑ جائے، لیکن وہ نہیں سمجھی۔ بڑی دنیا میں آ کر زخمی ہو جانے والی روشن نے ماں کی طرح، اپنی دنیا بھی چھوٹی کر لی تھی۔ وہ فیکٹری جائے گی، اپنے بہن بھائیوں کی کفالت کرے گی، اپنی بالکنی سے بارش دیکھے گی اور غربت کی چٹائی پر سو جائے گی۔

سارے خوابوں کا نتیجہ صفر نکلا تھا.....

اسے کوئی اور حساب شروع نہیں کرنا تھا۔

جس دن وہ اٹارنی جنرل کے آفس جا رہے تھے عظمیٰ نے ایک آخری بار اسے سمجھایا تھا۔

"تم پر چوری کی رپورٹ تمہاری نند نے نہیں، تمہارے شوہر نے کی ہے۔"

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی کہ آخر اس دنیا میں سچا ہے کون؟

"روشن! تم نے اور تمہاری والدہ نے ایک بار اس خاندان پر اعتبار کر کے دیکھ لیا..... دوبارہ یہ غلطی نہ کرنا۔"

وہ ایئر پورٹ پر بھی چپ ہی تھی۔ جو لڑکی شادی شدہ زندگی کے سہانے خواب لے کر اس ایئر پورٹ پر اتری تھی، وہ لڑکی سارے سہانے خواب لٹا کر، ان کی اذیت سمیٹ کر اس ایئر پورٹ سے بھاگ رہی تھی۔ ساون کے گیت گانے کی عمر میں روح کے عارضے سمیٹ چکی تھی۔ نام کی روشن نصیب کے اندھیروں کا شکار ہو چکی تھی۔ اجالا، بلبل کے ساتھ اس سے ملنے ایئر پورٹ گئی تھی۔ اس نے اجالا کو بڑی دیر تک گلے سے لگا کر رکھا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن کی قربت میں اجالا نے جان لیا کہ اتنی جوان لڑکی، امریکا سے بوڑھی زندگی لیے جا رہی تھی۔

☆☆☆

اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ روشن واپس چلی گئی، لیکن وہ خوشی کے کسی احساس کو محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل ناتمام داستانوں میں الجھا ہوا تھا۔ ایک ان دیکھا درد، اسے تکلیف دینے لگا۔ وہ سمجھ نہیں پائی کہ موسم کی تبدیلی ہے یا پھر وقتی جذبہ۔ سارہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر لے گئی تھی۔ وہ سارہ جو زیادہ شاپنگ نہیں کرتی تھی۔ وہ نئے کپڑے جوتے نہیں لیتی تھی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی اسے ایک جیسے کپڑوں میں دیکھ رہی تھی۔ آنٹی جتنی خرچیلی تھیں، وہ ان کے الٹ تھی۔ شاید اسی لیے اس کے پاس ہمیشہ پیسے ہوتے تھے۔ وہ کسی سے ادھار نہیں لیتی تھی۔ کام کی چیزوں پر انویسٹ کرتی تھی۔ بے کار چیزوں سے دور رہتی تھی۔ سارہ اتنی اچھی ہو کر کیا کرنا چاہتی تھی؟ اچھے لوگوں کو اسی بری دنیا میں رہنا ہے، ایسے وہ اکیلا پن محسوس کرے گی۔ اسے خیال کرنا چاہیے، اتنا منفرد نہیں ہونا چاہیے۔ لوگ اسے پاگل کہیں گے۔

سارہ نے اسے نئی پفٹ جیکٹ لے کر دی تھی۔ پھر دونوں نے کافی پی۔ وہ چپ چپ رہی۔ ہر شے کی اجنبیت بڑھ رہی تھی۔ اس کے دل پر کھنچاؤ کی کیفیت طاری ہوتی رہی۔

"جب کوئی ایسی ویسی بات ہونی ہو تو ہماری ماؤں کے دلوں پر طنابیں پڑنے لگتی ہیں۔" اجالا اور اس کی باتیں۔

"طنابیں.....؟"

"ہاں..... جیسے دل کو کوئی کھینچ رہا ہو....."

"تم اور تمہارے گاؤں کی دانا عورتیں..... کام پھر بھی کم عقلوں والے کرتی ہو۔" سارہ نے مذاق اڑایا۔

سارہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اتنی دانائی پر بھی وہ بند

digest library.com

گلیوں سے نکلنے کے راستے نہیں نکال پائی تھیں۔

اکتوبر کی آمد تھی۔

اماں کہتیں کہ وہ بدل گئی ہے، اب اتنی باتیں نہیں کرتی۔ حریم بھی یہی طعنہ دے رہی تھی کہ تم ہوں ہاں ہی کرتی رہتی ہو، کیا ہوا ہے؟ بار بار جتانے پر اسے سوچنا پڑا کہ آخر وہ اپنی باتیں کہاں چھوڑ آئی ہے۔ کیا روشن اسے ہلا کر رکھ گئی ہے یا پھر زندگی سے اس کی انسیت سمٹ چکی ہے؟

بلبل تین لڑکیوں کے ساتھ ذرا ڈھنگ کی جگہ شفٹ ہوگئی تھی۔ چھوٹی سی پارٹی رکھی تھی، وہاں بلایا تھا۔ اس کی اور بھی کلاس فیلوز آئی تھیں۔ لڑکیاں کتنا ہنگامہ کرتی ہیں۔ کتنا اچھلتی کودتی ہیں۔ وہ کونے میں بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔ خوشیوں کا تعلق بے فکری سے ہوتا ہے یا پھر خوابوں سے۔ ان خوابوں سے جس کا ہمیں یقین ہوتا ہے کہ جلد سچ ہو جائیں گے۔

خوشی ہے کیا؟

وہ جادو جو زندگی کو زندگی کرتا ہے..... وہ جادو کیسے ہوتا ہے؟

بلکہ کب ہوتا ہے؟

ان کے گھر کے باہر درختوں کی بہتات تھی۔ ان کے پتے جھڑ چکے تھے۔ ہر طرف پیلے پتوں کا پھیلاوا دکھائی دیتا تھا۔ اجالا کو سبزہ پسند تھا، لیکن اس پیلے موسم کا اپنا ہی حسن تھا۔ پہلے سال کی خزاں سے ملاقات نے اسے مسحور کر دیا تھا۔ وقت بے وقت ہونے والی بارش ان پتوں کو نم رکھتی تھی۔ صاف نیلا آسمان، گیلی سڑکوں پر بکھرا پیلا موسم..... وہ چھاتا لے کر چلتی، تو اسے لگتا کسی خواب میں چل رہی ہے۔ یہ وہ دن تھے جب شہریار اکثر اسے واک پر لے جاتا تھا۔ پھر وہ کافی پیتے اور باتیں کرتے ہوئے واپس آتے تھے۔ یہ کسی فلمی منظر جیسی چیز تھی۔ اس موسم میں اس کے گاؤں کے رنگ جدا ہوتے تھے۔ ہر زمین کا اپنا حسن، اپنا موسم ہے۔ دنیا کی خوبصورتی اس کی رنگینی سے زیادہ اس کی انفرادیت ہے۔ صحرا کا اپنا حسن ہے، گلستان کا اپنا۔ عجیب بات تھی لیکن اس کی کئی خوب صورت یادیں خزاں سے جڑی تھیں۔ اکتوبر کے آتے ہی آنٹی کا ڈپریشن بڑھ جاتا تھا۔ ٹی وی کی آواز اونچی ہو جاتی تھی۔ ان کے ہاتھ سے چیزیں گرتیں۔ وہ وجہ بے وجہ چیختی چلاتیں۔

اکتوبر سب کے زخموں پر مرہم کہاں رکھتا ہے، بلکہ زخم چھیل دیتا ہے۔

☆☆☆

حکم کا مرہم.....

بجا آوری کا زخم.....

یونانی بادشاہ ڈاناؤس کی پچاس بیٹیاں تھیں، وہ ان کے ہونے والے شوہروں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ شادی کے دن اس نے اپنی ہر بیٹی کو تیز دھار خنجر دیا کہ ان سے اپنے شوہروں کو قتل کر دینا۔ بیٹیاں حکم عدولی کی جرات نہیں رکھتی تھیں۔ بیٹیاں اپنی خوشیاں بھی عزیز رکھتی تھیں۔ وہ دو دھاری تلوار پر تھیں۔ باپ بجا تھیں یا شوہر۔

باپ کے حکم کو عبادت جانا۔ حکم کی تعمیل کی اور خنجر سے اپنے اپنے شوہر کا سر قلم کر دیا۔ اور پھر قتل کی سزا میں پانی کا ایسا برتن بھرنے پر لگا دی گئیں جس کے پیندے میں سوراخ تھے۔

وہ برتن کبھی نہیں بھرا۔ ان کی سزا کبھی ختم نہیں ہوئی۔

کسی اجالا..... کسی روشن..... اور کسی مشعل کی سزا.....

☆☆☆

وہ گاڑی سے ویکیوم نکال کر باہر رکھ رہی تھی، جب وہ تیزی سے، تقریباً اس سے ٹکراتے ہوئے قریب سے گزری تھی۔ بیک پیک کے اسٹریپس کو غصے سے کھینچ رہی تھی۔ منہ بھینچا ہوا تھا۔ گال دہک رہے تھے۔

"مشعل..... رک جاؤ..... اپنی ماں کو ایسے پریشان نہ کرو....."

پھر اندر کوئی گرما گرمی ہوئی ہوگی۔ اس کے لمبے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک لگی تھی۔ ماں نے تیزی سے لپک کر اسے بازو

سے تھام کر روکا۔
"میری جان! اتنی ضد ٹھیک نہیں ہوتی..... باپ ہے وہ تمہارا، کیوں اتنا غصہ کرتی ہو۔"
ہاتھ میں پکڑا اسکارف اس کے سر پر لپیٹنے لگیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ ماں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ بادل نخواستہ خاموش ہو گئی۔ ہونٹ کاٹنے لگی۔
"دیکھو کتنی پیاری لگ رہی ہو..... تم ہمیشہ سے پہنتی رہی ہو پھر اب کیا ہوا ہے۔" پن لگا کر کہا۔
"ہمیشہ سے زبردستی کرتے رہے ہیں آپ لوگ..... پلیز اب تو مجھے آزاد چھوڑ دیں۔"
"اپنی ماں کی بات بھی نہیں مانو گی۔" ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے اس کے ہونٹ صاف کیے۔
وہ چپ کھڑی رہی۔ "میرے بیگ میں ایک لپ اسٹک ہے۔"
"ماں کی جان! ماں کو ایسے تنگ نہ کرو، دل کی مریضہ ہوں، دیکھنا مر جاؤں گی کسی دن اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔"
اس کی ٹھوڑی کو لاڈ سے اٹھایا۔ اس کی آنکھوں کے طیش کو دیکھا۔
"اگر میں مر گئی کسی دن....."
"اسی لیے کہتی ہوں اتنا غصہ نہ کیا کرو۔ صبح صبح ماں کا دل دہلا رہی ہو..... سارا دن ماں پریشان رہے گی۔ ہولتی رہے گی۔"
"اب بس کریں ماما!" اس نے ناچار سر ہلا دیا، ماں کے گال پر پیار کیا۔
اس کے ہاتھ میں پیسے دیے۔ "اچھا سا لنچ کرنا، فرینڈز کو بھی کروا دینا۔ اس ویک اینڈ ہم خوب شاپنگ کریں گے۔"
پیسے اس نے پاکٹ میں رکھ لیے۔ ماں کے لیے مسکرا دی۔
"اپنی میڈیسن لیتی ہے آپ کو..... اور پلیز مجھے اپنی محبت میں جذباتی نہ کیا کریں۔ مجھے باندھ کر رکھ دیا ہے اس محبت نے۔ جانے دیں مجھے۔"
"انہوں نے اسے بڑھ کر سینے میں بھینچ لیا۔ "ایسے ہی جانے دوں..... سینے سے دل نکل گیا تو زندہ کیسے رہوں گی۔"
"یہی تو باتیں ہیں آپ کی....." ماں کے گال پر پیار کر کے وہ چلی گئی۔
اس کی چال میں تندی تھی۔ وہ دنیا سے ناراض، انداز میں پوری باغی تھی۔
"بچے جوان ہو جائیں تو ماں باپ کے نظریات سے لڑنے لگتے ہیں۔" اس کے قریب سے گزرتے ہوئے رک گئیں۔
"ان کی محبت کو غلامی سمجھتے ہیں۔"
یہ عورت بہت تھکی ہوئی اور اداس لگتی تھی۔ اجالا نے سر ہلا دیا۔ وہ ساری صورت حال تو نہیں سمجھی تھی لیکن اتنا جانتی تھی کہ مشعل کو سر پر حجاب لینے سے ناراضی تھی۔ پہلے بھی ایک بار وہ گھر میں تکرار سن چکی تھی۔ بلکہ گل باجی خود ہی بتا دیتی تھیں کہ آج گھر میں کس چیز پر ہنگامہ ہوا ہے۔ دل کا بوجھ وہ کہاں ہلکا کرتیں۔ وہ ان سے لگاؤ رکھتی تھیں، انہی سے کہہ سن لیتی تھیں۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ فکر کریں گی تو کسی دن دل بند ہو جائے گا۔ انہیں دل کے بند ہو جانے کی فکر تو نہیں تھی، اس کے بے وقت بند ہو جانے کی فکر تھی۔

digest library.com

☆☆☆
انسان دل کے لیے اتنے تردد کرتا ہے، پھر بھی دل دغا دے جاتا ہے۔
ڈاکٹر صاحب کے گھرانے کے بعد یہ دوسرا پاکستانی گھر تھا جہاں انہیں کام ملا تھا۔ مشعل کے پاپا بہت پیسے والے تھے۔ ہفتے میں تین دن بلاتے تھے۔ گل باجی کو ہائی بلڈ پریشر کی بیماری تو تھی ہی اب سینے کا درد بھی بڑھ گیا تھا۔ الماس ہفتہ جتنا چارج کرتی تھی، گل باجی بغیر بحث کے دیتی تھیں۔ بلکہ ٹپ تو اکثر دیتی رہتی تھیں۔ جس دن انہیں آنا ہوتا تھا، ان کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر رکھتی تھیں۔ سب کو کھلا کر بھیجتی تھیں۔ پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ چائے کافی پیو، پھل فروٹ کھاؤ، کوئی پابندی نہیں ہے۔

digest library.com

سب اپنا بچھنا۔ سر سے دوپٹہ نہیں اترتا تھا۔ ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی۔ ہونٹ ہلتے رہتے تھے۔ وہ اندیشوں کو دعاؤں سے زائل کرتی تھیں۔ چہرہ کھلا رہتا لیکن آنکھوں میں وسوسوں کا طوفان سرگرداں رہتا۔

نیتو کو گل باجی بہت پسند تھیں۔ کسی کام کی ہدایت نہیں دیتی تھیں۔ ٹوکتی نہیں تھی، نگرانی تو بالکل نہیں کرتی تھیں۔ ان کے گھر سے سب کو فون کرنے کی اجازت تھی۔ نیتو اور اجالا کو بڑی خوش دلی سے گھر بات کرنے کے لیے کہتی تھیں۔ فون پکڑ کر کھڑی ہو جاتی تھیں کہ ادھر آؤ، چلو گھر بات کرو۔ نیتو کو نیا کوٹ دیا تھا کہ شکاگو کی سردی میں اور نہ کھسک جانا، یہ کوٹ پہنا کرو۔ نیتو دانت نکال کر ہنستی رہی۔ اپنی چوٹی کے سنگ لہراتی رہی۔

''تم شادی کے لیے نیپال واپس نہ گئی تو یہیں کوئی لڑکا دیکھ کر میں تمہاری شادی کروادوں گی۔''

وہ اکثر اسے شادی کروا دینے کی دھمکی دیتیں۔ نیتو شرما جاتی، گھبرا جاتی۔

تیس سال پہلے ان کے شوہر، مشعل کے پاپا یہاں آئے تھے۔ چوبیس سال پہلے وہ آئی تھیں۔ پیسے کا زعم نہیں تھا۔ شوہر کا اپنا اسٹور تھا۔ تینوں بیٹے چھوٹے تھے، اسکول جاتے تھے، مشعل ان میں بڑی تھی، کالج جاتی تھی۔ وہ دنیا سے راضی تھی لیکن اپنے گھر سے نالاں تھی۔ مشعل اتنی من موہنی صورت تھی کہ پہلے دن اسے دیکھ کر اجالا کو یقین نہیں آیا تھا کہ کوئی اتنا خوب صورت ہو سکتا ہے۔ کھلے بالوں میں سرخ تکون رومال گرہ دے کر باندھا تھا۔ گھنے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ بال اتنے سیدھے تھے کہ ان میں بل نہیں پڑتا تھا۔ کانوں پر ہیڈ فون لگا تھا۔ راکنگ چیئر پر جھول رہی تھی، چپس کھا رہی تھی۔ وہ اس انداز میں امریکن میوزک بینڈ کی ممبر لگ رہی تھی۔ اس نے ایسی لڑکیاں امریکی گھروں میں دیکھی تھیں۔

''یہ آپ کی بیٹی ہے.....'' الماس نے پہلی نظر پڑنے پر بے ساختہ پوچھا تھا۔

گل نے قہقہہ لگایا تھا۔

''نہیں لگتی نا..... دیکھا کیسا ملکوتی حسن ہے میری بیٹی کا..... لوگ رک کر دیکھتے ہیں۔ یہ سات سال کی تھی جب ہم نیو ایئر کے لیے نیویارک گئے تھے۔ ہوٹل میں ایک فوٹو گرافر پیچھے ہی پڑ گیا کہ مشعل کی کچھ تصویریں بنانے دیں۔ کسی میگزین کا نام لے رہا تھا۔ پیسے بھی دے رہا تھا۔ لیکن اس کے پاپا نے کہا میری بیٹی نمائش میں رکھنے کی چیز نہیں ہے۔'' وہ فخر سے بتا رہی تھیں۔

''بیٹی نمائش کی چیز نہیں لیکن سختیاں کرنے کی چیز ہے۔'' مشعل نے منہ بنا کر کہا تھا۔ وہ ماں کو بھی سن رہی تھی۔

''انہیں یہ ڈر رہتا ہے کہ یہ فلموں کی طرف نہ نکل جائے۔''

''مجھے جرنلسٹ بننا تھا اور بننا ہے۔'' کان سے ہیڈ فون اُتار کر کہا۔

''ہاں ہاں وہی.....'' اسے پچکارا۔

''تھوڑی ضدی ہے، غصہ ناک پر رہتا ہے۔ اپنی تعریف پر بھی زیادہ خوش نہیں ہوتی۔ اسے اس کی مرضی کرنے دو پھر خوش ہے۔''

''آپ کرنے کب دیتے ہیں مرضی..... میں یہاں بیٹھی چپس کھا رہی ہوں یہ ٹھیک ہے اور میری سب فرینڈز کروز میں بیٹھی فرانس جا رہی ہیں۔'' میوزک پلیئر سے کیسٹ نکال کر گھما کر واپس ڈال کر چڑ کر بٹن پش کیا۔

''ہم بھی چلیں گے فرانس میری جان!''

''مجھے اپنی فرینڈز کے ساتھ جانا تھا۔''

''امریکا میں بیٹھے ہیں تو کیا ہوا، ان کے باپ دادا اسی پرانی سوچ کے ہیں۔ اسے کتنی بار سمجھایا ہے کہ وہاں تو بچیوں کو پڑھنے نہیں دیتے، تم کالج جا رہی ہو۔ کالج میں لڑکے بھی ہوتے ہیں (سرگوشی میں کہا)۔ اتنی آزادی کم ہے الماس؟''

الماس کے خیالات گل سے مختلف تھے، اس لیے وہ بس خاموشی سے سنتی رہی۔

''میں کہتی ہوں کہ کتنا پڑھ لکھ گئی ہو۔ اچھے سے

digest library.com

اچھا کھاتی ہو، پہنتی ہو...... کتنی نعمتیں ہیں گھر میں۔"

"زندگی کو کتنا محدود کر دیا ہے آپ نے ماما! نعمتیں صرف پیسہ، گھر اور آسائشیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ زندگی میں ملنے والے مواقع بھی نعمت ہیں۔ علم کی پیاس نعمت ہے۔ جہالت کی پہچان نعمت ہے۔ سوال نعمت ہیں، اس کی تلاش نعمت ہے۔ مجھے ریڈ یو نہیں جانے دیا جبکہ میں مقابلہ جیت آتی۔ مجھے اسٹیج نہیں کرنے دیتے۔ اسپورٹس نہیں کھیلنے دیتے۔ کن نعمتوں کی بات کر رہی ہیں آپ؟ کہ گھر بڑا ہے، اور گرم ہے؟"

گل باجی اداسی سے ہنس دی۔ "ٹھیک ہے میری جان!" اسے لاڈ سے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

مشعل کمرے میں چلی گئی تو گل باجی پھر بتانے لگیں۔

"اس کے پاپا اس کی فرینڈز کو پسند نہیں کرتے، ساتھ کیسے جانے دیتے۔ اس عمر میں بچے لاابالی ہوتے ہیں ہر چیز کی طرف لپکتے ہیں ہمارا کام ہے انہیں سمجھانا۔"

دونوں عورتیں جوان بیٹیوں کی مائیں تھیں، ایک بول رہی تھی ایک سن رہی تھی۔ الماس کاؤنٹر پر بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ باقی سب کام کر رہی تھیں۔ کبھی کبھی الماس یہ خواہش کرتی تھی کہ وہ چاروں کام کریں اور وہ بیٹھ کر کافی پیئے۔ وہ باس بن کر رہے۔

گل کو کوئی سننے والا چاہیے تھا۔ خاندان کی کسی عورت سے یہ سب باتیں کر نہیں سکتی تھی۔ گھر کی بدنامی ہوتی۔ اس عورت کا سینہ دھوئیں سے بھرا رہتا تھا، وہ کہتی سنتی نہ تو دم گھٹ جاتا، وہ مر جاتی۔ پھر مشعل کا کیا ہوتا۔ اب ایک الماس ملی تھی، دونوں لگی رہتی تھیں۔ الماس اپنی بیٹیوں کے معاملے میں اور طرح کے خیالات رکھتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر ہم نے بچوں کو نئی دنیا میں لانے کا تکلف کیا ہے تو پھر انہیں نئی دنیا کے مطابق چلنے بھی دیا جائے۔ یا پھر انہیں لے کر واپس لوٹ جائیں۔ پر انہیں دو کشتیوں میں سوار نہ رکھیں۔ دو سرزمینوں کی کشمکش بچوں کو زخمی کر دے گی۔ انہیں اپنی اقدار سے روشناس کروایا جائے لیکن وسعت قلبی کے ساتھ۔ قید اور زبردستی، بغاوت پر اکساتی ہے۔

☆☆☆

"یہ بغاوتوں کی زمین ہے، اگر حق کو تسلیم نہ کیا جائے تو بغاوتیں بڑی جلدی سر اٹھا لیتی ہیں۔ بچی جوان ہو گئی ہے، گھر میں مستقل تناؤ کی کیفیت رہنے لگی ہے۔" اس دن گھر واپسی پر الماس نے اجالا سے کہا تھا۔

"اتنا عرصہ یہاں رہنے پر بھی سوچ نہیں بدلتی؟" اجالا کو حیرت تھی۔

"پینٹ کوٹ پہننا سیکھ لیتے ہیں اجالا! لیکن سوچ بدلنا نہیں سیکھتے۔ اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ گھر کا تناؤ گل کے دل کی تکلیف بڑھا رہا ہے۔ ہر وقت اس کا ہاتھ سینے کی طرف رہتا ہے۔ یہ دل کے دھڑکے سے زیادہ کچھ ہو جانے کا دھڑکا ہے۔"

"باہر سے دیکھیں تو گھر میں کوئی مسئلہ نہیں لگتا۔ ہر نعمت ہے گھر میں......"

"ہاں...... نعمتیں...... لیکن نعمتیں بھی کچھ چیزوں کا نصیب نہیں بدل سکتیں...... یہ جو ہمارا پیچھا ہے نا اجالا! یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ہم یہاں قدم تو جما لیتے ہیں لیکن نسلیں نہیں جمنے دیتے۔ ہم انہیں پیچھے کی قید میں رکھتے ہیں۔ عجیب سی صورتحال ہے یہاں کی، نہ والدین خوش ہیں نہ بچے۔ ماں باپ کو اپنی ناک کی پڑی رہتی ہے، بچوں کو اپنے طلبز کی۔ دو مختلف دنیاؤں کے سفر ہیں۔ ماں باپ کو لگتا ہے بچے ان کے اصل سے جڑ کر رہیں گے تو خوش رہیں گے۔ بچے سمجھتے ہیں وہ اپنی مرضی کریں گے تب سب ٹھیک رہے گا۔ اپنی مٹی چھوڑ دے انسان تو پھر اسی کشمکش میں رہتا ہے۔

پیسہ یہاں سے کمانا ہے، مستقبل یہاں بنانا ہے، لیکن قاعدے قانون پیچھے کے رکھنے ہیں۔۔۔ یہاں تندوری نان، چپلی کباب مل جاتے ہیں، لڑکا پاکستان سے منگوا لیتے ہیں۔ پردیسیوں کو لگتا ہے انہوں نے پردیس میں اپنا دیس آباد کر لیا ہے، اب سب سکھ ہے۔

لیکن وہ اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ ہم چھت اور دیواریں کتنی ہی بدل لیں، زمین وہی رہتی ہے..... یہ امریکا ہے..... کچھ کرلیں..... امریکا ہی رہے گا۔"

"ہاں یہ امریکا ہے....." اجالا نے تائید میں سر ہلایا۔

کہتے ہیں امریکا کبھی کسی کا ایک نہیں رہتا۔ یہ ایک سے گدی چھین کر دوسرے کے حوالے کر دیتا ہے۔ چھینا جھپٹی کی روایت اسی نے شروع کی تھی۔ ریڈ انڈینز سے چھینا تو پھر پرتگالیوں اور انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ اب ایشین کا ہو رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس تو شاید ہمیشہ وائٹ ہاؤس ہی رہے، لیکن اس کے تخت کے رنگ بدلتے رہیں۔ بلیک، براؤن، اور شاید پھر سے ریڈ۔

digest library.com

وہ ویکیوم لے کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ پلورائڈ کیمرے سے، کھڑکی میں کھڑی باہر کی تصویر لے رہی تھی۔ تصویر کیمرے سے نکل آئی تو کنارے سے پکڑ کر، ہوا میں لہرا کر خشک کیا۔ پھر اس کی طرف بڑھا دی۔

"دیکھو کیسی ہے....."

اجالا نے تصویر کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس نے بہت پیاری تصویر لی تھی۔

"یہ بہت خوب صورت ہے۔"

"میں جرنلسٹ بن جاؤں گی تو اپنے پاس بہترین کیمرے رکھوں گی۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھوں گی۔ یونو کسی بھی وقت کوئی کرائم سین سامنے آ سکتا ہے۔ کوئی پوائنٹ مل سکتا ہے۔" اس نے آنکھیں چندھیا کر جاسوس بن کر کہا تو اجالا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"مجھے لگ رہا ہے تمہیں جرنلسٹ نہیں جاسوس بننا ہے۔"

"دیکھو! جرنلسٹ جاسوس سے زیادہ جاسوس ہوتا ہے، بلکہ اسے ہونا چاہیے، اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر گھر بیٹھے اور پارپ کارن کھائے یا پھر تھیٹر جائے، مووی دیکھے اور ان پر ریویوز لکھے۔" وہ بڑے ماہرانہ انداز میں بتا رہی تھی۔

"تم نے چارلی چپلن مووی دیکھی ہے؟" اجالا کو مووی میں ایک یہ مووی، اور ایک یہی بندہ پسند تھا۔

"وہ تو بچے دیکھتے ہیں۔" اس نے مذاق اڑایا۔

اجالا نے منہ بنا لیا تو وہ ہنس دی۔ "یہ سچ ہے..... میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں مذاق کر رہی تھی۔" سنجیدگی سے کہا۔

اف وہ بھی سارہ جیسی تھی۔ یہ امریکا کی نئی نسل اتنی منہ پھٹ کیوں ہے۔ اجالا نے سر ہلا دیا کہ نہ کہو، میں پھر بھی چارلی کو پسند کروں گی۔

"تم کیا بننا چاہتی ہو؟"

"میں تو بن گئی..... بیوی....."

اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ہنستے ہنستے وہ بے حال ہو گئی۔

"تمہیں یہی بننا تھا؟"

"ہاں....." اس نے گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے مسز اجالا! چلو تمہیں ایک چیز دکھاتی ہوں۔"

اس نے بڑھ کر الماری کھولی، کچھ چیزیں ادھر ادھر کیں اور ایک بہت بڑا رجسٹر نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ یہ اس کا کوئی راز تھا شاید۔ احتیاط سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اپنے ساتھ لا کر اسے میز پر پھیلا دیا۔ اجالا ویکیوم کر رہی تھی، وہی کرتے کرتے سر میز کی طرف جھکا کر دیکھا۔ اس پر مختلف تصویریں، نیوز پیپر کے تراشے، اور انگلش میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ کافی موٹا رجسٹر تھا۔

"جتنی اہم خبریں اور رپورٹس ہوتی ہیں، انہیں میں اس فائل میں لگا دیتی ہوں۔" وہ مختلف صفحات الٹ پلٹ رہی تھی۔

"جیسے ہی میں پروفیشنل جرنسلٹ بنی فوراً اس فائل کی مدد سے طوفان لے آؤں گی۔"

اجالا کو اس کے انداز پر پیار آیا۔ وہ ساتھ ساتھ ایکٹ بھی کر رہی تھی۔ وہ بہت پرجوش تھی۔

"ماما کسی روشن کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ تم مجھے اس کی اسٹوری سنا سکتی ہو۔ سنا ہے تم نے اسے نکلوایا تھا۔ میں اس کی ساری تفصیل نوٹ کر لیتی ہوں۔

digest library.com

جرنسلٹ بنتے ہی میں اس پر بھی ایک رپورٹ لکھوں گی، رپورٹ تو میں ابھی بھی تیار کر رہی ہوں، لیکن بڑے نیوز پیپر میں آئے گی تو زیادہ پر اثر ہوگی۔ تم بتاؤ گی سب سچ..... ڈرو گی تو نہیں..... ڈرنے کی ضرورت نہیں قانون تمہارے ساتھ ہے۔"

اجالا کا قہقہہ بے ساختہ تھا، وہ بڑے دنوں کے بعد ایسے کھل کر ہنسی تھی۔

"ٹھیک ہے! پر میں بتانے کے پیسے لوں گی۔"

"اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت ہے..... قانون تمہارے سر پر ڈنڈا دے کر مارے گا۔"

"عجیب سا قانون ہے۔" اجالا نے منہ چڑایا۔ وہ پوری طرح سے میز پر جھکی اس کا کام دیکھ رہی تھی۔

"قانون عجیب نہیں ہے ہم عجیب ہیں۔"

اجالا نے اسے مختصراً روشن کے بارے میں بتا دیا۔

"مائی ڈیئر اجالا! کسی دن مجھے فرصت سے ملنا، کام کے علاوہ، پھر دن تاریخ کے ساتھ سب کچھ بتانا۔ روشن کا پورا کیس بہت جان دار ہے۔ میری ایک فرینڈ کی مدر نیوز چینل میں رپورٹر ہیں، وہ تو خوشی سے اچھل پڑیں گی یہ سب سن کر۔"

"میری ساس بہت ناراض ہوں گی۔ مجھے کسی معاملے میں مت لانا۔"

"تم صرف مجھے تفصیل بتانا، باقی ڈاکٹر صاحب کی رہی سہی عزت کا جنازہ نیوز چینل والے نکال دیں گے۔"

"تمہارے پاپا ناراض ہوں گے مشعل! تم ابھی ان سب میں مت پڑو۔"

"وہ کبھی مجھ سے راضی نہیں ہوتے۔ مجھے بچی مت سمجھو۔ میں چاہتی ہوں کہ دنیا کو سچ معلوم ہو۔"

"جو سچ پہلے سے دنیا کو معلوم ہیں ان کا کیا بنا؟" سنجیدہ سوال تھا۔

مشعل نے پرسوچ نظروں سے اجالا کی طرف دیکھا۔ "تم اچھی خاصی سمجھ دار ہو، یہ ویکیوم چھوڑو اور کسی کالج میں ایڈمیشن لو۔"

"سارہ بھی یہی کہتی ہے، پر میں اس کے ساتھ خوش ہوں۔" اس نے ویکیوم کا بٹن آن کیا اور فرش پر چلانے لگی۔

☆☆☆

وہ اپنے کام سے بہت خوش تھی، اتنی خوش تھی کہ کبھی تھکتی نہیں تھی۔ اب وہ سمجھی تھی کہ حلال رزق سکون کا نام بھی ہے۔ جس کام کا بوجھ روح پر نہ ہو، وہ حلال ہے۔ اس رزق کو کمانے سے جسم تو شاید تھک جاتا ہو لیکن دل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ اس پر موجود قرض چیونٹی کی رفتار سے کھسک رہا تھا۔ سارہ نے کہا تھا پریشان نہ ہو، میں اور عینی مل کر کچھ کر دیں گے، لیکن وہ ان دونوں بہنوں پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ سارہ سولہ سال کی عمر سے کام کر رہی تھی۔ وہ اس لڑکی کی محبت کا اتنا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ پھر وہ الماس کے ساتھ بہت خوش تھی۔ اکثر وہ سب لوگ کافی کے لیے چلے جاتے تھے۔ الماس انہیں گھر کھانے پر بھی بلاتی تھی۔ وہ ایک ایسا خاندان بن چکے تھے جس میں ان کا خون ایک نہیں تھا، مذہب بھی ایک نہیں تھا لیکن کام ایک تھا۔ جائز کام..... شریف کام.....

وہ جو مشعل کا موٹا سا رجسٹر تھا، وہ اکثر اس پر جھکی کچھ نہ کچھ لکھتی رہتی تھی۔ نیوز پیپر اور میگزین سے تراشے کاٹ کاٹ کر اس پر چپکاتی رہتی تھی۔ نیتو کو تصویر کے لیے کہا تو وہ شرما کر رہ گئی۔

"تمہاری شادی کے ایڈ کے لیے تصویر نہیں لے رہی۔" مشعل نے اسے ڈانٹا۔

نیتو فوراً سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اپنی چوٹی آگے کر لی۔ اس نے جلدی سے اس کی تصویر لی۔ اسے دکھائی اور پھر اسے رجسٹر پر چپکا دیا۔ پتا نہیں کیا کیا لکھتی رہی۔ پھر اجالا کی باری آئی۔

"تم اچھی خاصی فوٹو جینک ہو۔" اجالا کی طرف اس کی تصویر بڑھا کر تعریف کی۔

ایک مدت کے بعد اجالا کی کسی نے تصویر لی تھی۔ جینز پر الماس کلیننگ کی شرٹ، سر پر کیپ، اور کیپ سے پونی ٹیل دکھائی دیتی تھی۔ بال گھنے تھے، پونی ٹیل اچھی لگ رہی تھی۔ ہاتھ میں ویکیوم، اور

digest library.com

کھڑکی سے جھانکتے خزاں رسیدہ درخت۔ تصویر میں آرٹ کے کئی رنگ تھے۔

"میری بڑی بہن لگ رہی ہو اجالا!"

"تم اپنے کالج کی سب سے خوب صورت لڑکی ہو گی مشعل!"

اسے بڑی بہن والی بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ مشعل جیسی حسین نہیں ہو سکتی۔

وہ ادا سے لہرائی۔ "ہاں اور تقریباً ہر لڑکے کا مجھ پر کرش ہے۔" اس کی طرف جھک کر کان میں سرگوشی کی۔

"لیکن میری اماں کو نہ بتا دینا....."

"میں ابھی جا کر بتا رہی ہو۔" اس نے قدم گل باجی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کم آن اجالا! میں بچی نہیں ہوں۔ میرا ذاتی دماغ بہت کام کرتا ہے۔ میں کرش وغیرہ نہیں مانتی۔ فیصلہ یہاں سے کرنا چاہیے۔" اس نے انگلی کو کنپٹی پر رکھ کر ٹھوکا۔

"دیکھو! زندگی میں دو فیصلے ہمیشہ بہت سوچ سمجھ کر کرنے چاہئیں۔ کیریئر کا فیصلہ اور شادی کا فیصلہ۔ ایک میں فیل ہو جانے پر دوسرا سہارا دیتا ہے۔ لیکن اگر دونوں میں فیل ہو جائیں تو کوئی سہارا نہیں بچتا۔"

وہ جرنلسٹ کے ساتھ ساتھ، پروفیسر بھی بن سکتی تھی، اچھا لیکچر دے دیتی تھی۔

"اتنی سمجھ مجھ میں کبھی نہیں رہی۔ شادی میری ہو گئی، ہاؤس کلیننگ کیریئر بن گیا۔ بس ہو گیا سب۔"

"ہاہاہا! ویسے تو تمہیں اس نصیحت کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ تم پہلے ہی یہ فیصلہ لے چکی ہو۔ پھر بھی شیئر کر دیتی ہوں کہ کسی ڈفر کو زندگی میں انٹری دے دینا لیکن کسی تنگ نظر جاہل کو نہیں..... سمجھیں؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ڈفر اور تنگ نظر میں فرق کیا ہوتا ہے۔"

"مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم ہے۔ میں نے بیس سال اس تنگ نظری کے ساتھ گزارے ہیں۔ ایک بات بتاؤ! تمہاری شادی پسند سے ہوئی تھی؟"

"ہاں....." وہ شرارت سے مسکرائی۔ اس کے پاس ایک یہی فخر موجود تھا کہ شادی میں اس کی رضا شامل تھی۔

"ہمم..... گاؤں کی ایک لڑکی کی شادی پسند سے..... تم مذاق کر رہی ہو۔"

"نہ..... میرے تایا جی نے میری مرضی پوچھی تھی..... مجھے شہریار بہت پسند تھا۔"

"ہوں..... تمہارے تایا جی ماڈرن ہیں؟"

"بہت....."

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"تم بہت حسین ہو مشعل!..... یہ سچ ہے یا جھوٹ؟"

مشعل نے کیمرہ آنکھ سے لگا لیا اور اس کی ایک اور تصویر لینے لگی۔

"میں حسین و جمیل ہوں یہ سچ ہے..... تم جھوٹی ہو، یہ دوسرا سچ ہے..... تھوڑا سا مائل کرو۔"

وہ مسکرائی اور کیمرے سے اس کی تصویر نکل کر باہر آ گئی۔

"شکا گو میں مجھے دو لوگ بہت پیارے لگتے ہیں۔ دونوں میرے دل کے قریب ہیں۔ میری نند سارہ اور میری سہیلی بلبل..... تم بھی کم پیاری نہیں ہو۔" اپنی تصویر کو ہاتھ میں پکڑ کر اس نے تصویر کھینچنے والی سے کہا۔

☆☆☆

پیاری لڑکی کے پیارے گھر میں سب کچھ پیارا نہیں تھا۔ گل باجی دل کے دھڑکے تمام نہیں ہوتے تھے۔ الماس سے اپنے دل کا حال کہہ دیتیں۔ لیکن دلوں کے حال کہہ دینے سے بھی حالات نہیں بدلتے۔ کبھی انہیں فون کر کے آنے کے لیے منع کر دیا جاتا تھا۔ کبھی صرف الماس کو بلا لیتی تھیں۔ اس نے سارہ سے بات کی تو سارہ نے اس کی طرف غصے سے

digest library.com

دیکھا تھا۔

"میں نے کہا تھا یہ کام چھوڑ دو۔ تم جتنے زیادہ گھروں میں جاؤ گی اتنا پریشان ہوگی۔ تم میری کوئی بات تو مانا کرو اجالا!"

"ان کے گھر میں ایسی کوئی پریشانی نہیں ہے سارہ! لیکن وہ مشعل..... وہ شاید کچھ سر پھری ہے۔"

"وہ سر پھری نہیں بلکہ سمجھ دار ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟" سارہ کتنا چڑ گئی تھی۔

وہ کیا جواب دیتی۔ وہ خود نہیں جانتی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ پردیس کی دلدل میں دھنستی کیوں جا رہی ہے۔ وہ کیوں گھر گھر کی کہانی پر دل تھام کر بیٹھ جاتی ہے۔ مشعل کو دیکھ لیتی تو اس سے باتیں کرنے کے لیے دل مچلتا تھا۔ وہ اسے اتنی پیاری لگتی تھی۔ اس کا جوش اسے زندگی کی طرف مائل کرتا تھا۔ اس کا وہ موٹا سا رجسٹر اسے اپنی طرف کھینچتا تھا۔ وہ اسے کھنگالنا چاہتی تھی۔ اس میں لگی تصویروں کی کہانیاں معلوم کرنا چاہتی تھی۔

"تم نے نیتو کی تصویر کے ساتھ کیا لکھا ہے؟"

اجالا اس کے موٹے سے رجسٹر کو الٹ پلٹ رہی تھی۔

"اس کے گاؤں کی کہانی۔ پانی سے پھیلنے والی بیماریوں کے بارے میں۔ اور نیتو کے یہاں آ کر کام کرنے سے متعلق۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"یہ بہت ویلیو ایبل ڈیٹا ہے، خاص کر پانی والا..... نل کھول کر پانی لینے والے، میلوں کی مسافت طے کر کے پانی اٹھانے والوں کی مشقت کے بارے میں نہیں جانتے۔ ہمیں اس دنیا کے مختلف خطوں کے نصیب پر بات کرنی چاہیے۔ نیتو کا یہاں آ کر کام کرنا بھی عام بات نہیں ہے۔ یہ عورتوں کی ہجرت میں ایک نمایاں کہانی ہے۔ بظاہر ایک عام سی لڑکی اور دیکھو کتنی اسٹرونگ ہے۔ انسان بہت حیران کن مخلوق ہے۔"

صفحے الٹتے الٹتے وہ ایک پر رک گئی۔ یہاں مشعل کی اپنی کئی تصویریں لگی تھیں۔ انگلش میں بڑے بڑے پیراگراف لکھے تھے۔

"یہ تم ہو....."

اس نے سر ہلا دیا۔ "اپنی زندگی پر ایک رپورٹ بنا کر فائل میں ایڈ کی ہے۔"

"رپورٹ؟"

"ہاں..... زندگی کے واقعات کی رپورٹ..... یہ جس دن میں پہلی بار اسکول گئی تھی..... ماما نے تصویر لی تھی۔ میں بہت خوش رہنے والی بچی تھی۔ ہر وقت شرارتیں کرتی تھی۔ میری ٹیچرز مجھے بہت پسند کرتی تھیں۔ والی بال بہت اچھا کھیلتی تھی۔ یہ جب ہم نے پہلی ٹرافی جیتی تھی۔ میں وہ ٹرافی گھر لائی تو پاپا نے اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ دیکھو میری ٹرافی کی تصویر۔ یہ پہلی اور آخری ٹرافی تھی۔ اور یہاں میں نو سال کی ہوں پہلی بار حجاب پہنا ہے۔ پاپا نے زبردستی پہنایا تھا۔"

اجالا نے غور سے تصویر دیکھی، وہ روئی روئی تھی۔

"یہ تصویر میں نے اسکول کے باتھ روم میں لی تھی، کیمرہ ہمیشہ سے ساتھ رکھتی ہوں۔"

"تم روئی تھیں؟"

"بہت زیادہ..... اس دن اسکول میں مجھے ہراساں کیا گیا تھا۔ وہ دن میری زندگی کا منحوس ترین دن تھا۔ اس دن کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ میں واش میں بیٹھ کر روتی رہی۔ میں اگلے دن اسکول نہیں جانا چاہتی تھی۔ یا اسکول جاؤں گی یا حجاب میں نہیں جاؤں گی۔ لیکن میں اسکول بھی گئی اور حجاب میں بھی گئی۔ مجھے ہر روز ایک تھپڑ پڑنے لگا۔ پھر میں نے اس کا ایک حل نکال لیا۔ میں گھر سے حجاب میں جاتی ہوں، بس میں بیٹھتے ہی کھینچ کر بیگ میں رکھ لیتی ہوں۔ سب ٹھیک ہو گیا۔ انہی دنوں میں نے اسموکنگ شروع کی تھی۔"

"تم ابھی بھی کرتی ہو؟"

"کبھی کبھی..... عادی نہیں ہوں۔" کندھے اچکا کر بے نیازی سے کہا۔

سگریٹ نوشی اجالا کے لیے شراب جیسی تھی۔

اس نے بڑی حیرت سے مشعل کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے مشعل! پلیز....."

digest library.com

"میرا باپ نہ بنو..... یہ دیکھو! میں پہلی بار فرینڈز کے ساتھ ٹرپ پر گئی تھی۔ ہم نے بوننگ کی تھی۔ پاپا نے اجازت نہیں دی تھی لیکن میں صبح ہی گھر سے نکل کر فرینڈ کے گھر جا کر چھپ گئی۔ دن بھر فرینڈز کے ساتھ رہی۔ واپس آئی تو بہت مار کھائی۔ اگلے دن اسکول گئی تو میری فرینڈ نے میرے زخم دیکھ کر مجھے سوشل سروسز سے رابطہ کرنے کے لیے کہا۔ پر میں نے انکار کر دیا۔ ماما نے وعدہ لیا تھا کہ سوشل سروسز سے رابطہ نہیں کرنا۔"

وہ حیران اس فائل کے صفحات الٹ رہی تھی۔ جا بجا اس کی مختلف تصویریں لگی تھیں۔ کئی تصویروں میں زخموں کے واضح نشانات بھی تھے۔ اجالا کو الماس کی بات یاد آئی کہ قید آزادی پر اکساتی ہے، اور زبردستی بغاوت پر۔

"تمہارے پاپا نے کبھی تمہیں مارا ہے؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

اجالا نے ناں میں سر ہلایا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو، ایسا نہیں ہو سکتا۔ سب پاکستانی پاپا مارتے ہیں۔ میری ایک پاکستانی کلاس فیلو کے پاپا بھی یہی کرتے ہیں۔"

"نہیں مشعل! میرے ابا نے تو کبھی سختی سے بات تک نہیں کی۔ قمر کو مار پڑا کرتی تھی، وہ کاموں میں سستی کرتا تھا۔ اسے ڈانٹ بھی بہت پڑتی تھی، پر ڈھیٹ تھا ہنستا رہتا تھا۔"

وہ بے یقینی سے اجالا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "میں نہیں مانتی..... تم جھوٹ بول رہی ہو....."

"تمہیں کیسے یقین آئے گا کہ میں سچ بول رہی ہوں۔"

"جس دن میرے باپ کا ہاتھ مجھ پر اٹھنا بند ہو جائے گا۔" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

پھر اپنے موٹے رجسٹر کے صفحات الٹ پلٹ کیے اور جہاں اجالا کی تصویر لگائی تھی، وہاں کیپشن میں لکھ دیا۔

"یہ ہے اجالا..... جو بہت جھوٹ بولتی ہے۔"

☆☆☆

جھوٹی اجالا کی آنکھوں میں مشعل کے رجسٹر میں لگی تصویر گھومتی رہیں۔ مشعل سمجھ دار بھی تھی اور حساس بھی۔ انسانوں میں سے ایک قسم پیٹ کے لیے جیتی ہے اور ایک روح کے لیے۔ کوئی مقصد کو زندگی سمجھتا ہے اور کسی کے لیے بے مقصدیت ہی زندگی ہے۔ مشعل کا رجسٹر اس کے مقاصد کی نشاندہی کر رہا تھا۔ جو آنکھیں آسمان کی طرف دیکھنا سیکھ جائیں، انہیں پستیوں کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات اب ان کے بھی بس میں نہیں رہتی۔

زندگی خواہش اور حقیقت کی تکرار کا عجیب سفر ہے۔

مہینے کے اینڈ پر الماس انہیں باہر لے جاتی تھی۔ وہ سب پیزا ہٹ میں پیزا کھا رہی تھیں۔ دور ٹیبل پر مشعل اپنی فرینڈز کے ساتھ بیٹھی تھی۔ شاید کسی فرینڈ کی برتھ ڈے تھی، پہلے انہوں نے کیک کاٹا، ساتھ ہو ہا کی، اور پھر کیک کریم کو برتھ ڈے گرل کے منہ پر دے مارا۔ اجالا ان سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مشعل ان میں سب سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ وہ کالج سے سیدھی یہاں آئی ہوں گی۔ وہ بار بار ریسٹ واچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ وہ دو بار اٹھ کر کھڑی ہوئی، دونوں بار اس کی فرینڈز نے اسے زبردستی روک لیا۔ کچھ دیر بعد وہ سب فرینڈز کے شور ڈالنے کے باوجود اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ہاتھ ہلا کر بائے کہہ دیا۔

"کچھ دیر رک جاؤ..... میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گی۔" الماس نے اسے ہاتھ دے کر روکا تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی، کچھ دیر سوچا۔ "نہیں میں چلی جاتی ہوں..... ماما سے وعدہ کیا تھا۔"

اور وہ چلی گئی۔ ماں اس ہنگامے سے ڈرتی تھی جو اس کے دیر سے گھر آنے پر ہوگا۔ بیٹیاں جوان ہو جاتی ہیں تو ماؤں کے لیے ہر روز گھر میں عدالتیں لگنے لگتی ہیں۔ ان کی تربیت پر سوال اٹھایا جاتا ہے۔ اولاد کہیں بہک جائے، سارا ملبہ ماں پر

digest library.com

گرتا ہے۔ جوتے اسے پڑتے ہیں۔

اور جوتے اس رات بھی پڑے تھے۔ دونوں کو الگ الگ پڑے تھے۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے گالیاں اور پھٹکار سنتی رہی۔ اب وہ وضاحت نہیں دیتی تھی، وہ ایک نظر اپنی ماں کی طرف دیکھتی تھی اور بس۔ کمرے میں جا کر اس نے اپنی تصویر لی، اسے فائل میں چپکایا، اور پیراگراف کو اس لائن پر ختم کیا۔

"اینڈ آئی تھنک دیٹس واٹ اے فادر از اے بلیڈ دیٹ نیور اسٹاپ کٹنگ۔"

وہ کتنا لکھے گی اور کتنا کچھ کہے گی، حقیقت پھر بھی ان کہی ہی رہ جائے گی۔

کہ خوف جس کے سائے میں اس کی زندگی گزری تھی۔ خوف کہ اسے اسی کا نہیں رہنے دیا جا رہا تھا۔ اس ڈر نے اسے جتنا دبا کر رکھا تھا اتنا ہی فعال بھی کہ وہ اپنے ارادوں میں مزید پختہ ہو گئی تھی۔ چھ سال پہلے اس کی کلاس فیلو کو اس کے پاپا، پاکستان دادی کے پاس چھوڑ آئے اور پھر وہ کبھی واپس نہیں آئی۔ وہ کہاں گئی، اس کے ساتھ کیا ہوا، کسی کو کبھی معلوم نہیں ہوا۔ وہ جتنا زیادہ اس معاملے میں تحقیق کرتی گئی، اتنی خوف زدہ ہوتی چلی گئی۔ ان کی کمیونٹی میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک جو نو دس سال کا ہونے پر لڑکیوں کو پاکستان بھیج دیتے تھے، اور پھر وہ کبھی واپس نہیں آتی تھیں۔ اور دوسرے وہ لوگ جو تھوڑا سا بڑا ہونے پر ان کا نکاح کر دیتے تھے۔ کمیونٹی میں ان دیکھا اتحاد تھا۔ ایسی باتیں باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ کوئی کسی کا راز جان لیتا تھا تو کسی کو خبر نہیں ہونے دیتا تھا۔ پولیس تو بہت دور کی بات تھی۔

اسے یاد ہے کہ جب وہ نو سال کی تھی تو گھر میں ہنگامہ رہا تھا۔ ماما کہتی تھیں کہ جائیں گے تو سب جائیں گے، میں اسے اکیلا نہیں بھیجوں گی۔ یعنی اسے بھی گاؤں دادی کے پاس بھیجا جا رہا تھا۔ ان دنوں وہ خوف زدہ رہتی تھی کہ کسی دن اس کی آنکھ کھلے گی اور سب کچھ بدل چکا ہوگا۔

ماں اس معاملے میں اس حد تک گئی تھی کہ چاروں بچوں کو لے کر اپنے کزن کے گھر جا کر رہنے لگیں۔ یہ سلسلہ چند ماہ تک چلتا رہا اور پھر وہ لوگ واپس گھر آ گئے۔ بظاہر گھر میں سکون ہو گیا۔ شاید اسی وقت سے ماں کے دل میں تکلیف رہنے لگی تھی۔ کسی طوفان کی آمد کے خیال سے وہ لرزتی رہتی تھی۔

طوفان کہ اس سے پوچھے بغیر چودہ سال کی عمر میں اس کی منگنی کر دی گئی۔ بھائی کا بیٹا ان کے آبائی گاؤں سے تھا، چوبیس سال کا تھا، اسے امریکا آنے کا شوق تھا، اسے امریکا بلایا، گھر میں رکھا۔ مستعل تب تک انجان تھی کہ وہ اس کا منگیتر ہے۔ کل اسے سختی سے ٹھیک سے دوپٹہ لینے کے لیے کہتی تھی۔ کبھی پیار سے کہتیں، کبھی منت سے سمجھاتیں۔ پاپا اسٹور جاتے تو وہ اس کے کمرے میں آ جاتا تھا، وہ مہمان سمجھ کر اس کا لحاظ کرتی رہی۔ پھر ایک دن وہ اس کی جینز شرٹ پر چیخنے چلانے لگا۔ وہ اس کے کمرے میں چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اسی کی ڈیز کو، کتابوں میگزین، کیمرے اور اس کی کھینچی تصویروں کو۔

"یہ تم لوگوں کی تصویریں لیتی پھرتی ہو..... کون ہیں یہ لوگ۔"

وہ حیرت سے پاپا کے رشتے دار کو دیکھ رہی تھی۔ "بہتر ہے تم کمرے سے باہر جاؤ۔" اس نے سختی سے کہا تھا۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے اسٹڈی ٹیبل پر لگے پوسٹرز کو کھینچ کر اتار دیا۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔

اگلے دن اسے اپنا کمرا عجیب حالت میں ملا۔ ہر چیز کھنگالی گئی تھی۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھی۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ آئندہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ ایسے کپڑے نہیں پہنے گی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس کا کیمرہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

"تم بغیر میری اجازت کے میرے کمرے میں گھسے کیسے؟"

digest library.com

ماما اسے روکتی رہیں لیکن وہ اس سے جواب چاہتی تھی۔

"ماما آپ نے اسے منع کیوں نہیں کیا..... یہ کون ہوتا ہے میری چیزوں کو ہاتھ لگانے والا۔"

"تمیز سے بات کرو مجھ سے ..... زبان اندر رکھو ورنہ کاٹ کر رکھ دوں گا..... گھر سے تم حجاب لے کر نکلتی ہو باہر جا کر اتار دیتی ہو۔ بال کھولتی ہو بے حیائی کرتی ہو لڑکوں کے ساتھ گھومتی ہو۔"

وہ اونچی آواز میں چیخ چلا رہا تھا۔ اسے گالیاں دے رہا تھا۔ وہ اپنی ماں اور باپ کے اس رشتے دار کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم کون ہوتے ہیں مجھے یہ سب کہنے والے۔" اس نے بڑے آرام سے پوچھا تھا۔

"تمہارا ہونے والا شوہر....."

☆☆☆

اس رات گھر میں ہنگامہ رہا۔ اس رات اسے معلوم ہوا کہ پانچ سال پہلے اس کی منگنی گاؤں میں چچا کے بیٹے کے ساتھ کر دی گئی۔ بات بچپن سے طے تھی، منگنی کی رسم تقریب کی شکل میں باقاعدہ ہوئی تھی۔ پاپا اس تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ وہ اپنے داماد کے لیے امریکا سے قیمتی تحائف لے کر گئے تھے۔ پانچ سال سے پاپا اسے امریکا بلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب وہ آچکا تھا تو اس کا نکاح ہونا تھا۔ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے وہ یہاں تھا۔ پاپا کے ساتھ اسٹور جاتا تھا، اور اپنی ہونے والی بیوی پر نظر رکھتا تھا۔

اس نے پاپا کو اس رشتے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے امپورٹ کیے منگیتر کو بھی صاف انکار کر دیا، بلکہ اسے فوراً گھر چھوڑ جانے کے لیے کہا۔ وہ اپنی ماں سے سخت ناراض رہی کہ اس نے یہ حقیقت اس سے چھپائی۔ اس کا منگیتر کیلیفورنیا ایک دوسرے رشتے دار کے یہاں چلا گیا اور وہیں سے منگنی توڑنے کا اعلان کر دیا۔ وہ ایسی آزاد خیال، بے شرم لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگلے چھ مہینے تک اس کے گھر میں ہر روز ہنگامہ ہوتا رہا۔ پاپا کے خاندان میں ان کی ناک کٹ گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اس سے معافی مانگے اور اچھی بیوی بن کر رہنے کا وعدہ کرے۔ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتی تھی، اس ڈر کے باوجود اس نے صاف منع کر دیا کہ وہ ایسا نہیں کرے گی۔ وہ کیا پڑھے گی اور کس سے شادی کرے گی، یہ فیصلہ وہ خود کرے گی۔ وہ اپنے ساتھ ان دو معاملات میں زبردستی نہیں ہونے دے گی۔

اس کا سابقہ منگیتر جتنا اس کے بارے میں زہر اگل سکتا تھا وہ اگلتا رہا۔ اس نے امریکا کی کوئی ایسی برائی نہیں چھوڑی تھی جسے اس سے منسوب نہیں کیا تھا۔ وہ اسے ہوٹلوں میں دیکھ چکا تھا، کلب میں، کسینو تک میں۔ وہ جاتے ہوئے اپنے چچا کو یہ بھی کہہ گیا تھا۔

"کہاں گئی آپ کی غیرت؟ آپ کو تو ایسی لڑکی کا گلا دبا دینا چاہیے۔"

وہ سہمی ہوئی رہی لیکن اس نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا۔ وہ باپ کی طرف سے گلا دبائے جانے کے ڈر میں زندہ رہی۔ وہ اپنی ماں سے محبت کرتی تھی، لیکن اس کے لیے بھی اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتی تھی۔ وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی لیکن ماں روتے ہوئے اسے روک لیتی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا کیا ہوا کہ چھ مہینے کے بعد گھر کا ماحول نارمل ہو گیا۔ اس پر سختیاں ویسی ہی تھیں لیکن گھر کے ہنگامے تھم گئے۔ اگلے سال اسے یونیورسٹی چلے جانا تھا۔ اس نے ساری پلاننگ کر لی تھی۔ وہ شکا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جلد ہی ایک اور دولہا، لا کر اس کے سر پر بٹھا دیا جائے گا۔ اس کی ماں گاہے بگاہے، اسے خاندان کے مختلف لڑکوں کے بارے میں بتاتی رہتی تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہتی تھی۔ اس کی ماں اپنا گھر اور بیٹی دونوں بچا رہی تھی۔ وہ خاندان کو جوڑ کر رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں کو یہ نہیں سمجھا سکتی تھی کہ خون ایک ہو جانے سے دل ایک نہیں ہو جاتے۔ اس کے گال

digest library.com

پر پڑنے والے پہلے تھپڑ نے اس کے لیے بہت کچھ بدل دیا تھا۔

''اس لڑکے میں برائی کیا ہے؟'' اس کی ماں نے خاندان کے ایک دوسرے لڑکے کے بارے میں بتا کر پوچھا تھا۔

''جس لڑکے کو میں آپ کے سامنے لاؤں گی، اس سے مل کر آپ بتانا کہ اس میں کیا برائی ہے۔'' اس نے تحمل سے کہا۔

ماں سکتے میں رہ گئی تھی۔

''یہ نہ کرنا مشعل..... یہ نہ کرنا..... تمہاری ماں تمہیں اپنی قسم دیتی ہے.....''

''قسموں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی ماما! ٹرائی ٹو انڈرا سٹینڈ..... بچوں جیسی باتیں نہ کریں۔''

''تم نے ہمیشہ اپنے باپ کو غلط سمجھا ہے۔ کبھی سمجھنے کی کوشش تو کرو۔''

وہ بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔ اسے ماں کی اس بات سے تکلیف پہنچی تھی۔

''کبھی میری بات سمجھنے کی کوشش کی؟''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ خاندانی روایتیں اپنی جگہ ہوتی ہیں۔''

''کبھی آپ لوگ دین کی بات کرتے ہیں کبھی روایتوں کی۔ ان فیکٹ نہ آپ دین کے ہیں نہ روایتوں کے۔ یہ صرف انا ہے۔ نام نہاد غیرت ہے۔ ٹھیک ہے، میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گی..... وعدہ رہا..... لیکن آپ کے لیے بھی میں اپنی مرضی کے خلاف شادی نہیں کروں گی۔ میں کسی لڑکے کو آپ سے ملوانے نہیں لاؤں گی..... یہ کام آپ بھی نہ کرنا۔''

اس نے ان پر صاف صاف واضح کرنا مناسب سمجھا۔

''تمہاری شادی ہوگی اور تمہارے پاپا کے خاندان میں ہوگی۔ تم اس حقیقت کو جتنی جلدی قبول کرلو اتنا اچھا ہے۔''

آواز میں بڑی کمزوری تھی۔

''آپ نے ساری عمر مجھے جو پہننے کے لیے کہا میں نے پہنا، جس سے ملنے کے لیے کہا، میں ملی۔ میں کسی کو پسند نہیں کرسکتی۔ مجھے اسپورٹس میں نہیں جانے دیا کہ لڑکی اچھل کود کرے گی۔ جس دن میں پہلی بار حجاب میں اسکول گئی، واپس آکر میں نے آپ سے کہا تھا ہم پاکستان چلتے ہیں۔ وہاں رہیں گے۔ آپ نے کہا تھا تمہارے باپ کا کاروبار یہاں ہے، ہمارا سب کچھ یہاں ہے۔ اگر ہمارا سب کچھ یہاں ہے، آپ مجھے پاکستان کے ساتھ کیوں نتھنی کر رہے ہیں؟''

''کیونکہ تمہارے باپ کا خاندان وہاں ہے۔'' ان نے لہجے میں سختی تھی۔

''خاندان کو اولاد پر فوقیت ہے؟''

''یہی سمجھ لو..... تمہیں وہاں جا کر نہیں رہنا..... سب کچھ یہیں ہوگا۔''

''آخر آپ لوگ کس دنیا میں رہتے ہیں؟ آپ لوگ اتنے منافق کیوں ہیں؟ بڑے گھر خرید لیے، ڈالر سے بینک بھر لیے اور آخرت کو اولاد کے سر پر سنوارنا چاہتے ہیں۔ خون کے رشتے اولاد کا خون کرکے بنانا چاہتے ہیں؟ اولاد سے قربانی مانگ رہے ہیں۔ پہلے قربانی آپ لوگ دیتے۔ جو تھا، جتنا تھا اس میں خوش رہتے، اپنے ملک سے باہر نہ نکلتے، اسی کلچر اسی زمین پر رہتے۔''

''تمہارے باپ نے بڑی جان ماری ہے، جعلی ویزے پر یہاں آئے تھے۔''

''ان قربانیوں کا ہرجانہ اولاد سے کیوں لے رہے ہیں۔''

گل نے گہرا سانس لیا، دل کی طرف ہاتھ رکھا۔ وہ خاموش ہوگئی۔ اس ماں کے لیے وہ ہر بار خاموش ہوتی تھی۔ وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتی تھی۔ کوئی اسے سپورٹ نہیں کر رہا تھا۔ سارا خاندان ایک طرف تھا، وہ اکیلی اپنی جنگ میں تھی۔

☆☆☆

اس نے اپنی ساری سمجھ بوجھ، عقل کا استعمال کرلیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو نئی دنیا اور نئی زندگی کے تقاضے سمجھا سکے۔ پیار سے سمجھایا، منت کی، درخواست کی، لیکن نتیجہ حوصلہ شکن ہی رہا۔ ناچار اسلامک سنٹر جا کر بات کی۔ ایک دن وہاں سے ایک اسکالر آئے۔ ان کے ساتھ ڈنر کیا، پاپا کے ساتھ تفصیل سے بات کرتے رہے۔ وہ بھی سامنے بیٹھی تھی۔ پاپا بڑی توجہ سے سب سن رہے تھے، اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔ ان کی ہر بات کو تسلیم کر رہے تھے۔ ان اسکالر کے گھر سے نکلتے ہی، دروازہ بند ہوتے ہی، پاپا اس کی طرف گھوم گئے

digest library.com

"انہیں تم نے گھر بلایا تھا....."

"جی....."

"کیوں؟"

"وہ آپ کو بتا گئے ہیں کیوں۔ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔ دین اور قانون دونوں اس کی اجازت نہیں دیتے۔ میں نہیں چاہتی کہ آئندہ گھر میں کوئی ہنگامہ ہو۔ ماما کی طبیعت بھی خراب رہتی ہے۔"

"تم شادی نہیں کرنا چاہتی....."

"کرنا چاہتی ہوں لیکن وہ شادی جس میں میری مرضی شامل ہو۔"

"ان حرام گوروں میں سے کسی کو لا کر میرے سامنے کھڑا کروگی..... وہ ہوگی تمہاری پسند....."

اس نے بڑے تحمل سے باپ کا یہ فقرہ سنا تھا۔ "یہ آپ کا خوف ہے..... اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

"ہمارے یہاں شادیاں صرف خاندان میں ہوتی ہیں یہ سوچنا بھی نہ کہ اس کے علاوہ کچھ ہوگا۔"

"آپ مجھے صرف بغاوت پر اکسا رہے ہیں کہ میں وہی کر کے دکھاؤں جس پر آپ مجھے کئی سالوں سے گالیاں دے رہے ہیں۔ حرامی گورے ناجائز اولادیں..... جن کی ماؤں کا پتا ہے نہ باپوں کا....."

ایک زوردار چانٹا اس کا گال سرخ کر گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"میں کسی ناجائز گورے کو نہیں جانتی لیکن ایک جائز لڑکی کو جانتی ہوں جو ہر دوسرے دن اپنے باپ سے حلال تھپڑ کھاتی ہے۔"

ماں اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے گئی۔ وہ چپ اپنے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

"آپ جائیں میں ٹھیک ہوں۔" سپاٹ انداز میں کہا۔

"پلیز مشعل! صرف یہ ایک بات مان لو..... اپنی ماں پر ترس کھاؤ..... ماں باپ کا بہت حق ہوتا ہے اولاد پر۔"

وہ کرسی سے پوری اپنی ماں کی طرف گھوم گئی۔ وہ اس عورت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ ایک بیوی ہے؟ یا ماں؟ یہ کون ہے۔

"میری گردن پر چھری چلانے کو حق کہہ رہی ہیں؟ جب اولاد پر سختی ہوتی ہے تو وہ غلط درست میں تمیز نہیں سیکھتی، وہ صرف بغاوت سیکھتی ہے۔ آپ دونوں نے مجھے غلط درست میں تمیز کا حق ہی نہیں دیا۔ صرف حکم دیا ہے..... صرف فیصلہ سنایا ہے..... اور صرف فیصلہ کوئی بھی انسان نہیں مانتا۔ حق دینا بہت ضروری ہوتا ہے ماما! آپ کی اولاد کو آپ سے ہی یہ رائٹ نہیں ملے گا تو کس سے ملے گا؟"

وہ یہ بات کئی بار ماں کو سمجھا چکی تھی۔ لیکن ماں کی یادداشت کام نہیں کرتی تھی، یا پھر وہ اسے کم عقل سمجھتی تھی۔

"میری محبت کا ہی کچھ لحاظ کرو۔ میری بات مان لو خوش رہو گی۔ اچھی بیٹیاں....."

"بس وہی..... اچھی بیٹیاں یہ کرتی ہیں۔ اچھی بیٹیاں وہ کرتی ہیں۔ اپنا دل مار لوں تو میں اچھی بیٹی ہوں، اگر مخالفت کروں تو بری بیٹی ہوں۔ اپنی ناجائز باتوں کو منوانے کے لیے پال پوس رہے تھے مجھے؟"

digest library.com

''شادی میں ناجائز کیا ہے؟''

''میری مرضی کے خلاف ہر بات ظلم ہے ماما!'' اس نے اپنے بال نوچے۔

ماں نے لپک کر اس کے سر کو اپنے ہاتھ میں لیا اور سینے سے لگا لیا۔ اس کے بال سہلانے لگی۔

''میں عاقل بالغ پڑھی لکھی لڑکی ہوں، اس کے باوجود اس سال تین تھپڑ کھا چکی ہوں۔ گالیوں کی تو گنتی ہی نہیں ہے۔ آپ لوگ مجھے کھلاتے ہیں اپنے گھر میں رکھتے ہیں مجھے پیسے بھی دیتے ہیں۔ بدلے میں میری کھال ادھیڑنے کا اختیار رکھتے ہی۔ میرا دل ہر وہ کام کرنے کے لیے چاہتا جس کے مجھ پر الزام لگتے رہے ہیں۔ میں پھر سے واضح کر دوں۔ میرے لیے کوئی اور دولہا امپورٹ نہ کریں۔''

ماں کے ساتھ لگی وہ سسک رہی تھی۔

''مجھے اور تکلیف نہ دیں..... مجھے آزاد چھوڑ دیں۔''

☆☆☆

''زندگی درد کی قید سے آزادی کی تمنائی ہے۔''

ماں کے جانے کے بعد اس نے اپنا رجسٹر نکال کر اس میں دن اور تاریخ کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا۔

''ہر خوب صورت چیز کی شکل بگاڑ دینے والوں پر کبھی کوئی پابندی کیوں نہیں لگتی؟ میں اور میری زندگی، یہ کتنی خوب صورت ہو سکتی تھی۔ یہ ایسا کاش ہے جو مجھے بے چین رکھتا ہے۔ مجھے کلچر سے دین سے، حدوں سے متنفر کر دینے والے لوگوں پر کوئی سوال تو اٹھتا ہوگا؟ میرے اندر کا انتشار، اس اذیت کا گواہ ہے جو میں اب تک جھیلتی رہی ہوں۔ مجھے میری ذات کا اختیار کبھی نہیں دیا گیا۔ میں آزاد سانس لینے کے لیے ترس گئی ہوں۔ اسکول سے گھر واپسی کا خیال، میرا سانس تنگ کر دیتا تھا۔ گھر میں باپ کی آمد میرے لیے کسی قیامت کی آمد ہوتی تھی۔ انہیں میری ہر چیز پر اعتراض رہتا تھا۔ کھانے کی میز پر میرے پاؤں ہلانے سے، میری کھنکتی آواز سے، میرے قہقہوں سے۔ میرے جسم کی ساخت سے، میرے کھلے بالوں سے۔ میرے دہکتے گلابی گالوں سے بھی۔ ماما کہتی ہیں میرے والد کا تعلق ایک چھوٹے سے پہاڑی گاؤں سے ہے، وہاں ماحول تنگ تھا۔

تنگ ماحول کی تنگی، آزاد ماحول کی آزادی میں بھی تنگ رہی۔ گھر میں تین گاڑیاں کھڑی ہیں لیکن میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتی۔ میں ڈرائیونگ کروں گی تو آزاد ہو جاؤں گی۔ مجھے چھپ کر ڈرائیونگ سیکھنی پڑی اور گاڑی چلانی پڑی۔ ایک اچھی والی بال پلیئر ہونے کے باوجود میں نے ہر گولڈ میڈل اور ٹرافی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مجھے کبھی سائیکلنگ نہیں کرنے دی گئی۔ میں چھپ کر اپنی فرینڈز سے فون پر بات کرتی ہوں۔ اس ماحول نے مجھے چور بنا دیا ہے۔ جھوٹ بولنا میری کے لیے ضروری ہو چکا ہے۔ بیگ میں کئی چیزیں چھپا کر رکھنی پڑتی ہیں۔ کھڑکی سے کود کر باہر بھاگنا سیکھ لیا ہے۔

میرا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ پاپا کا بھی ہے، ماما کا بھی ہے، خدا کا بھی ہے۔ صرف میرا نہیں ہے۔ اگر میں ایک انسان ہوں، اور مکمل انسان ہوں، تو پھر میری ذات کے اتنے حصے دار کیوں ہیں؟ یہ میرے ٹکڑے کر چکے ہیں اور ہر ٹکڑے پر اپنے اصولوں کے نام لکھ چکے ہیں۔ کوئی ایک بھی حصہ میرے حوالے نہیں کرتے۔ مجھے میرا ہی مالک نہیں بننے دیا جا رہا۔ آخر میرے اتنے حصے دار کیوں ہیں؟''

☆☆☆

اس دن وہ گھر آئی تو، گھر میں ہل چل دیکھی۔ ماں اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے الارم دے رہی تھی۔ اس نے کمرے میں سے جھانک کر دیکھا تو بظاہر سب کچھ نارمل تھے۔ اس کے دو انکل گھر میں موجود تھے۔ چائے پی جا رہی تھی۔ عام بات چیت ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر گزری کہ گھر میں دو اور لوگ آ گئے۔ وہ کمرے سے باہر نکلی،

digest library.com

سب کو سلام کیا۔ ماں اسے واپس کمرے میں لے آئی۔

اسے بتایا گیا کہ لڑکا آچکا ہے، اور اب بس اس کا نکاح ہونے والا ہے۔ وہ خاموش رہی ماں کی صورت دیکھنی لگی۔ کچھ ہی دیر میں پاپا بھی کمرے میں آگئے۔ اسے لڑکے کے بارے میں مختصرا بتادیا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اسے جذباتی کیا کہ صرف نکاح ہورہا، ایک سال کے بعد اس کی رخصتی ہوگی۔ وہ سر ہلاتی رہی۔ پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، پیار کیا۔

پاپا چلے گئے تو گل اکیلی کمرے میں رہ گئی۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں؟" اس نے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

"مجھے بھی آج صبح معلوم ہوا ہے۔" گل سچ کہہ رہی تھی۔

یہ جو بھی لڑکا تھا وہ اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ کون تھا؟ بقول پاپا کے ان کے کزن کا بیٹا ہے۔ کیا کرتا ہے، وہ یہیں ان کے ساتھ اسٹور پر ہاتھ بٹائے گا۔ اس کی تعلیم کیا ہے؟ یہ پاپا نے نہیں بتایا۔ کیوں نہیں بتایا، کیونکہ اس کے پاس ایسی قابل فخر چیز نہیں تھی، جو جرنلسٹ بننے والی بیٹی کو بتا کر اس کی رضا مندی حاصل کی جاسکتی۔ اور وہ لڑکا یہاں کیوں آگیا؟ کیونکہ امریکی لڑکی سے شادی کرنے سے سب کچھ سیٹ ہو جاتا ہے۔ سارے راستے کھل جاتے ہیں۔ ہر چیز ہاتھ میں آجاتی ہے۔ ایک نے چارہ پھینکا، دوسرے نے چارہ چگ لیا۔ معاملات طے پاگئے۔

"رخصتی میرے کالج کے بعد ہوگی؟" اس نے پاپا سے بس ایک سوال کیا تھا۔

"ہاں..... ایک سال بعد....."

"ٹھیک ہے..... پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں....." اس نے سر ہلا دیا۔

"تم واقعی میں رضا مند ہو؟" گل نے پوچھا

"اگر پاپا ایسے خوش ہو سکتے ہیں تو ٹھیک ہے۔" اس نے کندھے اچکا کر بے فکری سے کہا۔

گل نے ایک نظر اسے دیکھا اور کمرے سے چلی گئی۔ واپس آئی تو ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا سوٹ تھا۔ وہ بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ وارڈ روب سے اپنی جیولری اور میک اپ نکال کر ڈریسنگ پر رکھ رہی تھی۔ گل کمرے میں کھڑی اپنے دل کے ٹکڑے کو دیکھتی رہی۔

"کون سی جیولری پہنوں؟" اس نے جیولری باکس ماں کے سامنے کیا۔

ماں کے ہاتھوں کا لرزہ بڑھ گیا۔ اس نے کان کے بندے نکال کر چمکتے ہوئے جوڑے پر رکھ دیے۔ اور پلو سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ ڈریسنگ کے پاس کھڑی مشعل نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اس نے بڑے ضبط سے اپنی آنکھوں کی نمی کو روک کر رکھا۔

"آپ مہمانوں کو دیکھیں..... میں تیار ہوجاؤں....."

گل سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے جو آخری جھلک اس نے دیکھی تھی وہ ہتھیلی سے آنکھیں رگڑنے والی بیٹی کی بے بسی کی جھلک تھی۔

جو آخری منظر مشعل نے دیکھا تھا، وہ ماں کے چہرے پر، دل کے ہر دھڑکے کا سچ ہوجاتا تھا۔

دروازہ بند ہوگیا.....

اس نے لپک کر دروازہ لاک کیا۔ الماری کھولی، اپنی ضروری چیزیں بیگ میں رکھیں، کمرے کی کھڑکی کھولی اور باہر کود گئی۔

بیڈ پر نکاح کا ڈریس رکھا تھا۔ لیکن اس کی الماری سے کیمرہ غائب تھا۔

اس کیمرے سے کھینچی گئی تصویر امریکا کے ہر بڑے نیوز پیپر میں شائع ہونے والی تھی.....

ہر نیوز چینل پر ڈسکس کی جانے والی تھی.....

وہ ایک تصویر..... صرف ایک.....

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

URDU NOVELS MAG

حنا بشریٰ

لاڈلی

Digest Novels Lovers Group

گاؤں کی پکی سڑک جس کے دونوں اطراف کھڑی لہلہاتی فصلوں کے درمیان گامو کوچوان کا تانگہ مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز جو کبھی آہستہ ہو جاتی اور کبھی تیز۔ پر سکون سی فضا میں گونجتی بخوبی سنائی دے رہی تھی۔

ان آوازوں میں وقفے وقفے سے ایک اور آواز بھی شامل ہو رہی تھی۔ وہ تھی زہرا کی ''سوں سوں۔'' گامو کوچوان کے پیچھے بیٹھی زہرا مسلسل روئے جا رہی تھی کہ دوپٹے کے سرخ رنگ کے پلو سے ناک کو رگڑ رگڑ کر اس نے دوپٹے کے رنگ کی کر لی تھی۔ وہ جب سے گامو کے تانگے میں بیٹھی تھی۔ ایک پل کے لیے بھی اس کی ''سوں سوں'' نہ رکی تھی اور اسی بات نے گامو کی فکر مندی میں اضافہ کر دیا تھا۔ پریشان دل کے ساتھ وہ پیچھے مڑ کر بار بار دیکھتا۔ زہرا سے رونے کی وجہ پوچھتا۔ مگر زہرا نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی کچھ نہ بتانے کی۔ گامو کے دس بار پوچھنے پہ اس کا دس بار یہی جواب تھا۔

''گامو چاچا! جتنا جلدی ہو سکے۔ مجھے اماں ابا کے گھر پہنچا دے۔''

گامو کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے جو بھی پریشانی تھی وہ اس نے گھر جا کر اپنے اماں ابا اور ویر جی کو ہی بتانی تھی۔

☆☆☆

گامو کوچوان کا تانگہ اب تھوڑی دوری پہ ہی تھا۔ جیسے ہی ابا جی کے گھر کا دروازہ نظر آیا زہرا بھاگ کر تانگے سے اتری۔ دھڑ دھڑ دروازہ بجا کر اپنے صبح سویرے آنے کی اطلاع دی تھی۔ بھاں بھاں

کرتی زہرا بدنما آواز میں تڑپ تڑپ کر جو ماں کے سینے سے لگی روئی تو پھر اسے سنبھالنا ہی مشکل ہو گیا تھا۔

"ابا جی! میں اب ساری زندگی اس گھر میں دوبارہ نہیں جاؤں گی......"

کشادہ صحن میں تین چارپائیاں بچھی تھیں۔ جن پہ ابا جی، اماں اور ویر جی بیٹھے تھے اور ذرا پرے دھوپ میں بچھی چارپائی پہ بے بے بیٹھی زلیخا (افضل کی بیوی) سے سر پہ مہندی لگوا رہی تھیں۔

ان سب کے درمیان بیٹھی زہرا بس روئے چلی جا رہی تھی۔ اور سب کا دل ہولائے جا رہی تھی۔ زہرا کسی کا دل تھی تو کسی کی جان تھی۔ کسی نے اسے ہتھیلی کے چھالے کی طرح پالا تھا کسی نے اس کے منہ سے نکلنے والی چھوٹی بڑی خواہش پلک جھپکتے میں پوری کی تھی۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔

سب اس کے یوں صبح سویرے گامو کوچوان کے ساتھ آنے پہ پریشان تھے۔ مگر جو حال بے بے کا تھا وہ بیان سے باہر تھا۔

"پر ہویا کی اے زہرا......!" ہر کوئی زہرا کے مسلسل رونے کی وجہ پوچھ چکا تھا مگر زہرا تو جیسے کانوں میں روئی ٹھونس کر بس رونے میں مصروف تھی۔ ہچکیاں لیتے ہوئے وہ وجہ بتانے کی طرف آ ہی نہیں رہی تھی۔

بے بے نے اب بوکھلا کر اس کے رونے کی وجہ پوچھی تھی۔ ہچکیوں کی زد میں الفاظ بامشکل ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔ لیکن بات کسی کے پلے نہیں پڑی تھی۔ ہاں البتہ اس کی زرد رنگت اور لمبے لمبے سانس لینے کی کوشش نے سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے تھے۔

"او تو چھڈ مہندی نوں!" بے بے نے تقریباً زلیخا کے ہاتھ سے مہندی کا کٹورا چھینتے ہوئے اسے جھڑکا تھا۔ زہرا کی حالت نے بے بے کی ہوائیاں اڑا دی تھیں۔

"جا زہرا کے لیے پانی لا......!" بے بے کی بات پہ زلیخا ناگواری سے "اچھا جی" کہہ کر رہ گئی تھی۔ اسے زہرا کا صبح سویرے یوں سب کو آ کر پریشان کر دینا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"او تو ہی دس دے گامے کی ہویا اے میری دھی نوں!" گامو کوچوان زہرا کا سامان جو اچھا خاصا تھا رکھ کر خاموشی سے جانے لگا تھا کہ ابا جی نے اس سے اس افتاد نا گہانی کی وجہ پوچھی تو بے چارے گامو نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تھا وہ تو سارے راستے زہرا سے پوچھتا رہا تھا مگر زہرا کچھ بولتی تو پتا چلتا۔

"کج دس تے سہی......ایویں رو رو کر سب نوں پریشان کر دیتا ای زہرا!" پانی کا گلاس لاتی زلیخا نے سہارا دے کر پانی اس کے لبوں سے لگاتے ہوئے استفسار کچھ ذرا درشت انداز میں کرنے کی غلطی کی تھی۔ جو اگلے ہی لمحے زلیخا کو مہنگی پڑ گئی تھی۔ دو چار گھونٹ بمشکل حلق کے اندر اتارتے ہوئے زہرا ایک بار پھر اس شدت سے روئی کہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔

"لو جی ایک ہور مصیبت" بڑبڑاتا ہوا افضل (ویر جی) دونوں بازوؤں میں اسے اٹھا کر گاؤں کے حکیم کی طرف بھاگا۔ جبکہ باقی سب کے ہاتھوں زلیخا کی شامت آ گئی تھی۔

اب سب سے سخت سست سنتا وہ بھی سر جھکا کر زلیخا کی مجبوری تھی۔ کیونکہ اس کی سخت بات گھر بھر کی لاڈلی کو سوٹے (ڈنڈے) کی طرح لگی تھی کہ وہ بے ہوش ہی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

زہرا گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ وہ ابا جی کے آنگن کا نازک پھول تھی اور اماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک، تو ویر جی کی وہ گڈی تھی۔ چھوٹی سی چمکیلی آنکھوں والی، سنہری لمبے بالوں والی، جس کی چوٹی ویر جی خود اپنے ہاتھوں سے بنایا کرتا تھا۔ اور بے بے کی تو زہرا میں جان تھی۔ زہرا کو سوئی بھی چبھتی تو تکلیف کے مارے بے بے کی نیندیں اڑ جاتی تھیں۔

یہ تو اپنوں کا لاڈ پیار تھا۔ زہرا غیروں کی بھی لاڈلی تھی۔ وہ باغ سے آم، امرود، مالٹے توڑ کر کھاتی تو مالی بابا بھی اسے نہ ڈانٹتے۔ وہ قرآن پاک پڑھنے جاتی تو مولوی صاحب کی بیوی اسے نہ صرف گود میں بٹھا کر قرآن پڑھاتیں۔ بلکہ چھٹی کے وقت گڑ اور تل کا لڈو جو زہرا کو بہت پسند تھا ضرور دیتی تھیں۔ زہرا

URDU NOVELS MAG

digest library.com

کرموگوالے (دودھ والا) کی بھی بہت لاڈلی تھی۔

وہ روز صبح سویرے دودھ دینے آتا تو ایک چھوٹی گڑوی بنا پیسوں کے ہی زہرا کے لیے دے جاتا تھا۔ گاؤں کی چوہدرانی بھی زہرا سے بہت پیار کرتی تھیں۔ چوہدرانی نے ہاتھوں سے کاڑھ کر خوب صورت سا جوڑا اس کی شادی پہ دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ پارا تیوں کے لیے کھانے کا سامان جس میں آٹا، دیسی گھی، گڑ، شکر اور من چاول کی بوری..... غرض کے زہرا کے نصیب میں اپنے پرائیوں کا پیار ہی پیار تھا۔

☆☆☆

دو دن اسی طرح گزر گئے تھے۔ زہرا نے ابھی تک کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ سب پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے۔ گھر بھر کی لاڈلی نے سارے گھر کو ہلکان کر ڈالا تھا۔ جبکہ زہرا نے اپنے لبوں پہ تالا لگا رکھا تھا۔

''تماشے ہی نئی ختم ہوندے!'' اس روز زہرا کے بے ہوش ہونے کے بعد جو زلیخا کی شامت سب کے ہاتھوں آئی تھی۔ اس کے بعد زلیخا نے اپنی بڑبڑاہٹوں کو بے آواز کر لیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ زلیخا روایتی بھابیوں کی طرح نند کے لیے دل میں کوئی کینہ و میل رکھتی تھی۔ بس اسے زہرا کی حد درجہ نازک مزاجی اور ہر مہینے بھاگ بھاگ کر میکے آنے پہ اور سب کو پریشان کرنے پہ اعتراض تھا۔

''ویاہ کے بعد وی عقل نئی آئی!'' اب دل ہی دل میں بڑبڑانے پہ پابندی تو نہ تھی۔ سو زلیخا تنہائی میں کھل کر اپنی کھولن نکالتی تھی۔

زہرا کی شادی کو بمشکل آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ اور ان آٹھ ماہ میں تقریباً یہ کوئی ''دسواں پھیرا'' تھا جو وہ میکے کا لگانا نہیں بھولتی تھی۔ ذرا سا کانٹا بھی چبھ جاتا تو وہ میکے دوڑی چلی آتی تھی۔ نازک مزاجی نے زہرا کو غصے کا تیز اور قدرے بدزبان بنا دیا تھا۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں حد درجہ پیار و لاڈ نے زہرا کو بگاڑ دیا تھا۔

ہر مہینے شوہر سے لڑ کر میکے آ جاتی تھی۔ اور وہ بھلا مانس کچھ دیر اگر دکھانے کے بعد ضدی زہرا کو منا کر لے جاتا تھا۔ لیکن اس بار جب زہرا آئی تو لگتا تھا سارا سامان ہی اپنا ساتھ لے آئی ہے۔ تشویش کا شکار کسی حد تک زلیخا بھی ہوتی تھی اور یقین تو یہی تھا کہ اس بار بھی شوہر کے ساتھ ہی منہ ماری کر کے آئی ہوگی۔ مگر یہ سب سامان۔ پتا نہیں ارادے کیا تھے لاڈلی کے۔

یہ ساری تھی زلیخا بھی سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔ ہاں البتہ جب سے یہ لاڈلی محترمہ ''شریف کا ٹوکرا'' لائی تھیں۔ اس کی خدمتوں نے زلیخا کو ایک ٹانگ پہ کھڑا ہونے کی سزا دے دی تھی۔

''اوئے بول تے سہی زہرا.....!'' دو دن میں زہرا نے رو رو کر چوہیا جتنا منہ نکال لیا تھا۔ وہ بے بے کی گود میں سر رکھے روئے جا رہی تھی۔ اور بے بے نے پولے پولے (نرم) ہاتھوں سے اپنی لاڈلی کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس سب کی وجہ جاننے کی کوشش کی تو آخر کار زہرا نے اپنی زبان کھول دی۔ بات وہی نکلی تھی جس کا ڈر زلیخا کو تھا۔

زہرا شوہر سے لڑ کر آئی تھی۔ اور اس بار جھگڑا اتنا شدید ہوا تھا کہ زہرا نے تو آر پار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ زہرا کے مطابق اس کے شوہر اور شوہر کے گھر والوں نے اس پر بہت ظلم ڈھائے تھے۔ وہ سویرے سویرے مرغ کی پہلی بانگ کے ساتھ ہی اسے اٹھا دیتے تھے۔ سارے گھر کے لیے ناشتہ بنانے کے لیے۔ جبکہ زہرا کو شکر دوپہر اٹھنے کی عادت تھی۔ وہ اسے نج (گائے) کا دودھ دھونے کا کہتے تھے۔ اور زہرا کو دودھ سے بدبو آتی تھی۔ سسرال والے لکڑیوں والے چولہے پہ کھانا بناتے تھے۔ (وہاں سوئی گیس کی سہولت نہیں تھی) لکڑیوں کا دھواں زہرا کے ہاتھ پیر منہ سیاہ کر دیتا تھا۔ اس سب کے علاوہ مظالم کی فہرست بہت لمبی تھی۔ وہ زہرا سے ڈھیروں کپڑے دھلواتے، تین وقت کا کھانا بنواتے۔ جھاڑو پوچھے کے ساتھ گھر میں پالی مرغیوں اور بکریوں کی دیکھ بھال سب زہرا کے ذمے تھا۔ اور یہ سب زہرا پہ ظلم کے پہاڑ توڑنے کے مترادف تھا۔

نازوں میں پلی زہرا نے اپنے اوپر بیتی ظلم کی داستان جب سب کو سنائی تو ہر کوئی دل تھام کر رہ گیا تھا۔

"مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا....."

زہرا کی داستان سن کر ہر کوئی اپنے اپنے الفاظ و انداز میں زہرا کے شوہر اور اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جبکہ چولہے کے پاس چوکی پہ بیٹھی زلیخا ساگ کو گھوٹا لگانے کے ساتھ مکئی کا آٹا گوندرہی تھی سب کو حیران نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

یہ سب کام تو وہ بھی سسرال میں کر رہی تھی۔ بلکہ ہر لڑکی کو کرنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ "لاڈلی زہرا" پہ سسرال والوں کا ظلم تھا۔ تو پھر اسے کیا نام دینا چاہیے تھا۔ جو سسرال میں زلیخا کے ساتھ ہو رہا تھا؟ متعجب سی زلیخا نے زہرا کو دیکھا اور سر جھٹک کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئی تھی۔ اسے ابھی بہت سے کام نمٹانے تھے میلے کپڑوں کا ڈھیر دھونا تھا۔ برتن دھونے تھے جھاڑو پوچھا لگانا تھا۔ بستروں کی چادریں بدلنا، مرغیوں کو دانہ پانی دینا تھا۔ گائے کا دودھ دھونا تھا۔ اور یہ سب کام وہ بہت خوشدلی سے کرتی تھی۔

زہرا پہ ہوئے ظلم کی داستان سن کر ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کر رہا تھا۔ لیکن زلیخا نے غور سے دیکھا کہ ابا جی بالکل چپ تھے۔ حقہ پیتے ہوئے وہ خاموشی سے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حالانکہ زہرا ان کی بھی بے پناہ لاڈلی تھی۔

☆☆☆

زہرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔ اس دوران اس کا شوہر آیا تھا مگر ہمیشہ کی طرح زہرا کے ترلے منتیں نہیں کی تھیں بلکہ ابا جی سے باہر کھیتوں میں ملا تھا اور خاموشی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اس سب کی اطلاع جب زہرا کو ملی تو وہ شوہر کی اکڑ پر بل کھا کر رہ گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں تجھے اب واپس جانے کی .....!" سب نے یک زبان ہو کر "لاڈلی" کے حق میں آواز اٹھا دی تھی۔ سوائے ابا جی کے وہ کیا سوچ رہے تھے۔ دل میں کیا چل رہا تھا۔ آئندہ آنے والے دنوں میں واضح ہو گیا تھا۔

☆☆☆

زہرا کو میکے آئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ جب وہ آئی تھی تب تو بہت مطمئن تھی مگر جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے اندر بے نام سی بے چینی محسوس کرنے لگی تھی اور جلد ہی اس نے ان "بے چینیوں" کو نام دے دیا تھا۔ اور وہ نام تھا "تبدیلی" کا جو لاڈلی اب اپنے گھر والوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ دیکھنے لگی تھی سب اس سے اب بے زار ہونے لگے تھے۔ ابا جی جنہوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا اب وہ اس کی باتوں کو زیادہ توجہ سے نہیں سنتے تھے۔

"او پتر ذرا میری چلم تو بھر کر لے آ.....!"

وہ اس کی بات کاٹ کر کوئی نہ کوئی کام کہہ دیتے تھے۔

ابا جی، جن کی سوچ یہ تھی کہ بیٹی جب میکے رہنے آئے تو اسے خوب ڈٹ کر آرام کروانا چاہیے اب وہ اس بیٹی سے اپنے کام کروانے لگے تھے حالانکہ کاموں کے لیے زلیخا موجود تھی ایسی ہی کچھ تبدیلی اماں میں بھی نظر آنے لگی تھی۔

"زہرا دیکھی بیٹھی کی کھیاں مار رہی اے .....آ میرے نال گندم ہی صاف کرا دے.....!"

بظاہر اماں ہنس کر کہتیں مگر حیرت کے مارے زہرا کی آنکھیں پھیل جاتی تھیں۔ بلکہ اکثر اماں اب اسے کوئی نہ کوئی سخت دست بات بھی کہہ دیا کرتی تھیں۔

"ہر ویلے بندہ چنگا تھوڑی لگدا اے منجی توڑدا رہے۔ ویکھ زلیخا سویر دی لگی سارے کام کر دی پئی اے!"

ویر جی بھی اب بدل گئے تھے، جن کی وہ گڈی تھی۔ زہرا کو ہمیشہ سے عادت تھی کہ ناشتے میں پراٹھا اور کرمو گوالے کی دکان کا میٹھا دہی کھانے کی۔ شادی سے پہلے ویر جی بلا ناغہ اسے دہی لا کر دیتے تھے مگر اب وہ اسے جھڑکنے لگے تھے۔

"او کوئی ضروری اے کہ دہی کے بغیر ناشتہ نہیں کرنا"

بلکہ اب ویر جی اسے یہ بھی کہنے لگے تھے کہ اپنا

digest library.com

پرا تھا خود ہی بنالیا کرے زلیخا کو سو کام ہوتے ہیں۔

''جب تیری سویر ہوتی اے۔ تب وہ بے چاری دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوتی ہے!''

یہ وہی ویر جی تھے جو زہرا کی ایک فرمائش پہ زلیخا کی دوڑیں لگوا دیتے تھے۔ مگر آج بہن کے مقابلے میں بیوی کو بے چاری کہہ کر اسے ایسا دکھ دیا تھا جو بیان سے باہر تھا۔

ان سب میں اگر کوئی بدلا نہیں تھا تو وہ صرف بے بے تھیں۔ جن کی وہ آج بھی لاڈلی تھی۔ اس اضطرابی ماحول سے دل برداشتہ ہو کر وہ بے بے کی گود میں سر رکھے اپنا دکھڑا سنا رہی تھی کہ یہ کیا۔ کچھ دیر بعد ہی بے بے کے خراٹوں کی آوازوں نے اسے حیران کر ڈالا تھا۔ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنا دکھڑا سنائے اور بے بے سو جائیں۔

''کیا سب مجھ سے بیزار ہونے لگے ہیں۔ کیا اب میں ان کی لاڈلی نہیں رہی.....'' زہرا کے دل میں طرح طرح کی سوچیں جنم لے رہی تھیں اور اس کے دکھ میں اضافہ کر رہی تھیں۔

''زہرا دے ہتھ وچ تے ذرا وی سواد نئی!''

کپڑوں کا ڈھیر دھوتی زہرا کے کانوں میں ابا جی کی آواز پڑی تو آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

زلیخا امید سے تھی سو وہ اپنے میکے گئی تھی۔ اماں کی طبیعت کچھ روز سے ٹھیک نہیں تھی۔ صبح سے لے کر رات تک سارے کام زہرا کو ہی کرنے پڑ رہے تھے اور اسے کاموں کی بالکل عادت نہیں تھی۔ لاڈوں میں جو پلی تھی۔ مگر اب کرنے پڑ رہے تھے۔ تو الٹے سیدھے، بے ترتیب سے۔ کبھی اماں سے جھڑکی سننے کو ملتی تھی تو کبھی ابا جی کے چہرے پہ ناگواری دیکھنے کو ملتی ویر جی تو بدل ہی گئے تھے بنا کسی لحاظ کے اسے بہت کچھ کہنے لگے تھے۔

''اوہن تو بچی تے رئی نئی زہرا!''

کھانے میں نمک تیز ہو گیا تھا۔ ابا جی اور ویر جی کھیتوں سے ہانپتے کانپتے آئے تو زہرا کے ہاتھ کا بدمزہ کھانا کھایا جس میں نمک زہر کی طرح تیز تھا۔

اماں نے خوب ڈانٹا۔ کمرے سے آتی سب کی ناگوار آوازیں سن کر اس کا دل بھر آیا تھا آج بے بے بھی سب کی حمایت میں تھیں۔

''پتا نئی سسرال دے وچ کی کردی ہوگی!''

یہ آواز بے بے کی تھی۔ جس نے اگلے کئی روز تک نہ صرف زہرا کو چپ لگانے کے ساتھ بھوک بھی اڑا دی تھی اور کسی نے دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ ٹھیک سے کھا نہیں رہی تھی۔ جبکہ پہلے یہ حال تھا کہ وہ بھوکی ہوتی تو سب کی بھوک مر جاتی تھی۔ ابا جی بھاگے بھاگے اس کے لیے دودھ جلیبیاں لے آتے تھے۔ اماں اس کی پسند کی کوئی چیز پکانے میں جت جاتی تھیں۔ ویر جی اس کے آگے پھل اور مٹھائیوں کا ڈھیر لگا دیتے تھے۔ بے بے کی تو اپنی بھوک اڑ جاتی تھی۔

''نا میں اس ویلے تک نج نہ کھاواں کی جدوں تک میری لاڈلی نئی کھاندی!''

مگر اب سب بدل گئے تھے۔ وہ شاید اب اس سے پیار بھی نہیں کرتے تھے۔ دل دکھا تو سوچ کا دھارا دوسری طرف بہہ نکلا تھا۔ اس بار زہرا کا جھگڑا شوہر سے اسی بات پر ہوا تھا کہ زہرا کھانا ڈھنگ سے نہیں پکاتی تھی۔ کام تو اسے کوئی بھی نہیں آتا تھا مگر ساس سسر اور شوہر کے مطابق زہرا کھانا بہت بدمزہ پکاتی تھی۔

''کھانے وچ لون کنا تیز سی او ہرا.....!''

زہرا کی شادی سگے چچا کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ وہ ان کا اپنا خون تھی۔ ساس سسر کو اس سے روایتی کوئی خار نہ تھی۔ نہ ہی وہ اسے کوئی سخت بات کہتے تھے۔

ان کی اسی نرمی نے زہرا کو سر پہ چڑھا دیا تھا۔ وہ ناراض ہو کر میکے روانہ ہوتی تو ساس سسر پیچھے بیٹے کو بھیج دیتے کہ اسے منا کر لے آئے۔ مگر اکڑ اور ضدی زہرا نے کبھی ان لوگوں کی قدر نہیں کی تھی۔

تنہائی میں بیٹھ کر آج زہرا ان باتوں پہ غور کر رہی تھی اور اندر سے آواز آ رہی تھی کہ وہ غلط تھی۔

☆☆☆

''اباجی..... مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

زلیخا کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ گھر والے تو خوشی سے نہال ہو گئے تھے اور سب زہرا کو تو جیسے بھول ہی گئے تھے۔ گھر بھر کے کاموں کے ساتھ۔ بھابھی کی خدمت تھکاوٹ اور جوڑ جوڑ میں درد نے لاڈلی کے کس بل نکال دیئے تھے۔ اسے اب اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ جسے وہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ مگر اب احساس ہوا تھا کہ یہ گھر اس کا نہیں تھا یہ زلیخا کا تھا، اس کا گھر اب وہی تھا جسے وہ ضد میں چھوڑ آئی تھی۔ بس یہ سوچ آنے کی دیر تھی کہ زہرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

صبح ہی گاموکو چوان دروازے پہ کھڑا تھا وہ بھی زہرا کے فیصلے پہ خوش تھا۔ اس کے مطابق بیٹیاں تو اپنے سسرال میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ تانگے میں زہرا کے ہمراہ اباجی بھی تھے مگر لاتعلق اور لاپرواہ سے۔ لاڈلی کے دل کو باپ کی لاتعلقی دکھی کر رہی تھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اباجی اسے روکیں گے۔ مگر کسی نے نہ روکا تھا۔ یہاں اس نے فیصلہ سنایا وہاں ویرجی صبح سویرے ہی گاموکو چوان کو بلا کر لے آئے تھے۔ یعنی اب زہرا کا وجود ان سب کے لیے ایک بوجھ تھا۔

آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو چپکے سے پونچھتے ہوئے اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ جبکہ بظاہر اس سے لاتعلق اور انجان نظر آنے والے ہر گز دلی طور پر اس سے لاتعلق نہ تھے۔ وہ بیٹی کا اداس چہرہ دیکھ چکے تھے۔ اور اس کی دلی کیفیت سے ناواقف نہ تھے۔ یہ رویہ جو بیٹی کے ساتھ کیا تھا وہ اب ان کی مجبوری تھا۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ لاڈ پیار کی زیادتی نے ان کی لاڈلی کو بگاڑ دیا تھا۔ وہ بجائے اپنا گھر سنوارتی بلکہ اجاڑنے پہ لگی تھی۔ شوہر کا کیا تھا وہ کل کو دوسری شادی کر لیتا تو زہرا کا کیا بنتا کب تک میکے میں پڑی رہتی۔ ماں باپ آج تھے کل نہ ہوتے تو بھائی بھابھی نے کتنا اسے برداشت کرنا تھا۔

وہ بار بار لڑ کر آتی تو میکے والے اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ان کی اس حمایت سے ان کی بیٹی کو شہہ ملی تھی۔

اس بار داماد آیا تو وہ ان کی بیٹی کو لے کر نہیں گیا تھا بلکہ اس کی ڈھیروں ڈھیر شکایت لگانے آیا تھا۔ اب تو ابا جی کو تشویش ہونے لگی تھی۔ زہرا کی نادانی کی حمایت کر کے وہ اپنے خون کے رشتوں سے بھی کٹ سکتے تھے۔ جبکہ غلطی ساری کی ساری زہرا کی تھی۔ انہوں نے زہرا کا موازنہ زلیخا سے کیا تو زلیخا ہر لحاظ سے بہتر نظر آتی تھی جس کی سسرال میں بھی قدر تھی اور میکے میں بھی۔

بس اسی سوچ کو لے کر اباجی کے کہنے پر گھر والوں نے اپنا رویہ تبدیل کیا تھا تاکہ لاڈلی کو عقل آ جائے۔

''اکثر لاڈلوں کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے ذرا سختی کا سہارا لینا پڑتا ہے.....!'' لاڈلی کا دماغ تو ٹھکانے آ گیا تھا اور گھر کے کام اور گھر سنبھالنا بھی۔ گھر والوں کی تدبیر نے اسے سب سکھا دیا تھا۔ جو وہ سیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس بار جاتے ہوئے اس کا دل اپنے پیاروں کی طرف سے دکھی تھا۔ مگر ابا جی کو یقین تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں سمجھ آئے گی۔ اسے احساس ہو جائے گا کہ اس کے پیاروں کی سختی میں اس کی بہتری اور بھلائی تھی۔

دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اباجی نے کپڑے کی بڑی سی گٹھڑی کو ذرا اور مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا۔ جس میں اس کے لیے سرسوں کا ساگ تھا جس میں اماں نے خوب مکھن بھر ڈالا تھا۔ گڑ کے تلوں والے لڈو جو بے نے اپنے ہاتھوں سے بنا کر اپنی محبتوں کی مٹھاس شامل کر دی تھی۔ چھ جوڑے گرم کپڑوں کے ساتھ گرم چادر اباجی خود شہر جا کر اس کے لیے لے کر آئے تھے۔ اس سب کے علاوہ ویرجی نے اس بار کی فصل اچھی آنے پر بہن کو سونے کے جھمکے بنوا کر دیئے تھے۔ وہ بھی سب اسی گٹھڑی میں تھا۔

وہ اب بھی سب کی لاڈلی تھی مگر یہ احساس کہ ان کی غلط حمایت ان کی بیٹی کا گھر نہ برباد کر دے..... اور یہ سب ناانصافی اور زیادتی کے زمرے میں آتا تھا۔ کیونکہ زلیخا بھی تو کسی کی بیٹی تھی۔ جب وہ سارا گھر خوش دلی سے سنبھال رہی تھی تو پھر ان کی زہرا کیوں نہیں.....؟

☆☆

Digest Novels Lovers Group

URDU NOVELS MAG

صوفیہ بٹ

احد

مکمل ناول

تینتیسویں قسط

"اچھا۔ ایسا ہے۔ تو پھر میرا جواب ہے۔ نہیں۔" اس نے پیزا کا آخری ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ اسود چپ کا چپ بیٹھا رہ گیا۔

"ویسے مجھے اچھا لگا کہ تم نے محبت کا ناٹک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ اس قسم کے ڈائیلاگز نہیں بولے۔ مجھے محبت ہوگئی ہے تم سے۔ تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تمہارے عشق میں مر جاؤں گا۔ بلا بلا۔" اس نے کولڈ ڈرنک کا کین منہ سے لگایا۔

"کیونکہ نہ مجھے تم سے محبت ہے نہ ہی عشق؟"

"تو پھر میرے پیچھے کیوں پڑے ہو؟" کین واپس میز پہ رکھتے ہوئے ہنسی۔

"پیچھے نہیں پڑا۔ عزت کے ساتھ پرپوز کیا تھا۔"

"پیار عشق محبت نہیں۔ تو شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

جواب میں اسود چپ رہا تھا۔ امت الشکور نے پہلی بار دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا تم بغیر کسی فیلنگز کے کسی کے ساتھ بھی شادی کرسکتے ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر مجھ پہ اس نظر خاص کا مقصد؟"

وہ پھر چپ رہا تھا۔

"جب تک مجھے پتا نہیں چلتا کہ تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔ میں سیریس کیسے ہوسکتی ہوں۔" وہ جیسے اس ساری صورت حال کا مزا لے رہی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے اچھا لگتا تھا جب لڑکے اس کے پیچھے پیچھے آتے تھے۔ اس کے ساتھ دوستی کرنے کے خواہاں ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے ملتجی ہوتے تھے۔ اسے اب بھی عجیب سی تسکین ہوئی تھی کہ ایک ہینڈسم لڑکے نے اس کو پرپوز کیا ہے۔ وہ کیوں نہ اس ساری صورت حال پہ مزا لیتی۔

"میں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کرشن میں انوالو ہو۔" اس نے امت الشکور سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ پہلے تو اسے جیسے اسود کی بات سمجھ ہی نہیں آئی اور جب آئی تو ایک بار پھر ہنسنے لگی۔ دبیز تہہ پہ لکیریں واضح ہونے لگیں۔

"اے چوہدری۔ تم۔ تم جیلس ہو کرشن سے۔ پر کیوں؟ نا تو تم دونوں کلاس میٹس ہو، نہ تم دونوں کی کوئی ایکٹیویٹی سیم ہے اور نہ ہی۔ نہ ہی تمہیں مجھ سے محبت ہے جو کرشن مجھے تم سے چھین لے گا۔ پھر تم کیوں جیلس ہوا اس سے۔"

"میں جیلس نہیں۔"

"پھر؟" وہ جو دور کھڑے طلحہ محبوب کو دیکھ کر اٹھنے لگی تھی پھر ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اس کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی۔

"وہ۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے امت۔ ایما۔" اس نے "امتل" کو ہونٹوں پہ ہی روک لیا۔ بھلا وہ کہاں تھی امتل۔

"اچھا لڑکا تو طلحہ محبوب بھی نہیں ہے۔ پھر۔ اس کے ساتھ تو انوالو ہونے سے منع نہیں کیا تھا تم نے۔"

وہ چپ رو کر ہونٹ چباتا رہا۔

طلحہ محبوب ہو یا فیصل ندیم۔ اسے ان کے ساتھ بھی امت الشکور کو دیکھ کر برا لگتا تھا۔ ویسے تو اسے ہر مسلمان اور خاص طور پر پاکستانی لڑکی کو کسی کے ساتھ بھی حدود پار کرتے دیکھ کر برا لگتا تھا لیکن امت الشکور کا معاملہ تو شروع سے دوسرا رہا۔ وہ تسلیم کرے یا نہ کرے۔

"اے چوہدری۔ سنو۔ کہیں تمہاری مسلمان روح تو نہیں جاگ گئی۔ انا اور غیرت کا مسئلہ تو نہیں بن گیا تمہارے لیے۔"

وہ اب بھی چپ رہا۔

"او چوہدری۔ دیکھو ادھر۔ سنو میری بات۔ تمہیں اسٹریوٹائپ (روایتی) بننے کی ضرورت نہیں۔ میرے لیے میرا باپ ہی کافی ہے۔ تم تو معاف ہی کرو۔ تم مسلمان مرد بھی ناں خود جو مرضی کرو، عورت

digest library.com

digest library.com

وہی کام کرے تو بری لگتی ہے۔ وہ میرا باپ۔ حیادار پرہیز گار بنا پھرتا تھا اور اپنی بیٹی کی عمر کی اسٹوڈنٹس کے ساتھ افیئر چلاتا تھا اور ہمیں باپردہ، شریف، نیک بی بیاں بنانے پہ تلا ہوا تھا۔ چھوڑ آئی وہ روٹن لائف (گلی سڑی زندگی) میں۔ بس اب اور نہیں۔ اب ایما وہ زندگی جیے گی جو اس کی خواہش ہے۔"

وہ اپنی بات پوری کر کے اٹھ گئی اور طلحہ محبوب کو تلاش کرنے لگی جس کی رفاقت کم از کم اس چوہدری کی دوستی سے زیادہ بہتر تھی۔ وہ گھٹیا ماحول کو چھوڑ آئی تھی۔ گھٹی دوستیاں نہیں سہہ سکتی تھی۔ پھر ایک گھٹے ہوئے شخص کے زندگی بھر کے ساتھ کا سوچ بھی کیسے لیتی۔

☆☆☆

رات سیاہ تھی اور سامنے کھڑی لڑکی ماہ کامل سی تھی۔ وہ چاہتی تو اس کی زندگی کو روشن کر دیتی مگر اس کی چاندنی میں سے اس کا کوئی حصہ بنتا نہ تھا۔ چوہدری ہمایوں سلیمان نے سمجھوتا کر لیا تھا اندھیروں کے ساتھ۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"رات کافی ہوگئی ہے۔ جا کر سو جاؤ۔ مناسب نہیں لگتا اس وقت تمہارا۔"

"مجھے میرے سوال کا جواب دو۔ مناسب غیر مناسب کا بھاشن نہیں۔"

"ہاں ہوا تھا۔" ہمایوں نے نلکا چلاتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

"عامر بھی تھا وہاں؟"

ہمایوں مٹی سے بھرے اپنے پاؤں دھوتا رہا۔ اس نے جیسے اس کا یہ سوال بھی نہیں سنا تھا۔ مومنہ نے نلکے کی ہتھی پہ ہاتھ رکھا۔ ہمایوں نے وہاں سے ہاتھ ہٹا لیا اور ختم ہوتی دھار سے پانی اوک میں لے کر چہرے پہ مارا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

"ہمایوں تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے۔۔۔ عامر تھا وہاں؟"

ہمایوں بغیر جواب دیے گھر کے اندر جانے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ مومنہ نے اس کی آستین پکڑ کر اسے روکا۔

"میں نے پوچھا۔ عامر تھا وہاں؟"

"ہاں تھا۔" ہمایوں نے جھٹک کر اپنی آستین چھڑائی اور دروازہ پار کر کے گھر میں داخل ہوا۔ مومنہ البتہ وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔

ہمایوں برآمدے میں آیا۔ کولر میں سے بھر کر گلاس پانی کا پیا اور اپنا سانس نارمل کرنے کی کوشش کی۔ ابو نے منع نہ بھی کیا ہوتا پھر بھی وہ یہ بات گھر نہ بتاتا۔ حالانکہ بات چھوٹی نہ تھی اور اس کے نزدیک تو بہت بڑی تھی۔ اپنے باپ کی بے عزتی کرنے والے کا وہ منہ توڑ دیتا، اس کی زبان کھینچ ڈالتا۔ مگر وہ ایسا کر نہ پایا تھا۔ اس دن سے اس کے اندر اشتعال اٹھتا اور پھر مٹھیاں بھینچ کر رہ جاتا۔ جب کہ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ جائے مومنہ حیدر کو کھینچ کر اپنے سامنے کرے اور اسے کہے۔

"تمہاری وجہ سے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔"

اسے مومنہ پہ بہت غصہ تھا یا شاید اس سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ وہ اس سے بات نہ کر رہا تھا وہ اس کی طرف دیکھ نہ رہا تھا۔ وہ وہاں نہ بیٹھتا جہاں وہ ہوتی اور وہاں سے اٹھ جاتا جہاں وہ آجاتی۔ وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہ چاہتا تھا۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ مویشیوں کے احاطے کی طرف سے آگیا ہے مگر مومنہ ابھی نہیں آئی۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسے پرواہ نہ تھی۔ خود کو باور تو اس نے یہ ہی کروانا چاہا مگر ہوا یوں کہ اگلے منٹ میں وہ صحن عبور کر کے دروازہ پار کر کے دوسرے احاطے میں تھا۔

وہ ٹوکے کے پاس رکھی چارپائی پہ سر نیچا کیے بیٹھی تھی۔ پائنتی کی طرف ہمایوں کا بستر لپٹا رکھا تھا۔ بیلوں کی چوری والے واقعے کے بعد سے ہمایوں یہاں سونے لگا تھا۔ فخرے کے فرائض دن تک محدود ہو گئے تھے۔

digest library.com

عرصہ ہوا ہمایوں وہاں نہ بیٹھتا جہاں مومنہ ہوتی۔ مگر آج گہری ہوتی رات اس عرصے سے خارج ہوئی۔ اور وہ آہستگی سے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"جو ہوا، اس کا تعلق خاندانی معاملات سے نہیں بلکہ کاروباری معاملات سے تھا۔ اس کا تمہارے اور عامر کے رشتے پہ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" بہت دن ہوئے، وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہ چاہتا تھا مگر آج اس پل اس کے پاس بیٹھا اسے تسلی دے رہا تھا۔

"فرق تو پڑ چکا۔" وہ بڑبڑائی۔ ہمایوں نے چونک کر زرد بلب کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"دل پہ مت لو مومنہ! اتنی بڑی بات نہیں تھی۔" وہ اپنے باپ کی بے عزتی کرنے والے کا منہ نہیں توڑ پایا تھا، اس کی زبان نہیں کھینچ پایا تھا، یہ سوچ اسے چین نہ لینے دیتی تھی اور وہ جو اسے کھینچ کر اپنے سامنے کھڑا کر کے کہنا چاہتا تھا۔

"تمہاری وجہ سے۔ صرف تمہاری وجہ سے برداشت کیا میں نے۔"

اور اب وہ مومنہ حیدر سے کہہ رہا تھا کہ بات بڑی نہیں تھی۔ مومنہ چپ رہ کر اپنے ناخن پہ لگا گہرے سرخ رنگ کا نیل پینٹ کھرچتی رہی۔

"جاؤ اب۔ بغیر کچھ بھی سوچے آرام سے سو جاؤ۔" اس نے نرمی سے کہا۔ وہ نرمی جو مومنہ حیدر کے لیے مختص تھی۔

وہ نہیں اٹھی۔

"جاؤ ناں مومنہ اب۔ کسی نے دیکھ لیا تو۔"

"بدنامی ہوگی۔" مومنہ نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"بدنامی ہوگی تو کیا۔ منگنی ٹوٹ جائے گی۔ وہ تو اب ویسے بھی نہیں رہے گی۔" وہ ناخن کترتے ہوئے بولی۔

"مومنہ دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا۔" ہمایوں صحیح معنوں میں پریشان ہوا تھا۔

"ہاں۔ دماغ خراب ہوگیا تھا۔" وہ بڑبڑائی۔

"اچھا اب میرا دماغ خراب مت کرو اور جاؤ یہاں سے؟"

"چلی جاؤں گی۔ بس میرے ایک سوال کا جواب دو۔" اس نے ناخنوں سے نظر ہٹا کر ہمایوں کی طرف دیکھا۔ "تم نے سب برداشت کیوں کیا؟"

"ہمیں اپنا گنا بیچنا تھا۔ مزید معاملات خراب نہیں کر سکتے تھے۔" اس نے عام سے انداز میں جواب دیا۔ مومنہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی جیسے اسے یقین ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہمایوں نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔ دور اوپر آسمان پہ چاند کے پاس تارے کو دیکھ کر وہ کوئی شعر پڑھنا چاہ رہا تھا مگر وہ اتنے پاس بیٹھی تھی کہ ہر شعر اسی کے لیے یاد آئے۔ باقی چاند تارے بھول گئے۔

مومنہ کی آنکھوں میں نمی سی اتری۔ اس وقت وہ جو اس کی طرف دیکھ لیتا تو شاید ان آنکھوں میں کھو کر اس کے لیے یاد آتے شعر بھی بھول بیٹھتا۔

مومنہ اٹھ کر چل دی۔ اس کی چال میں ہمیشہ والی اکڑ مفقود تھی۔ ہمایوں نے آسمان سے نگاہ ہٹا کر جاتی ہوئی یار من کو دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں کی سطح بھی ہلکی سی گیلی تھی۔ جو سوال وہ پوچھ کر گئی تھی اس سوال کا سادہ سا جواب تھا اس کے پاس۔

"تمہارے لیے۔"

لیکن وہ کیا ہے ناں کہ اب چوہدری ہمایوں سلیمان جھوٹ بولنے لگا تھا۔

☆☆☆

"عمر بن خطابؓ کے بارے میں جانتے ہو تم؟"

"عمر فاروق؟"

"ہاں۔ عمر فاروقؓ۔"

"جی۔ پڑھ رکھا ہے ان کے بارے میں۔" عبدالہادی نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ خلیفہ وقت تھے جب ان کے ہاں ایک رات ایک مہمان نے قیام کیا۔ رات کو چراغ میں تیل ختم ہوگیا۔ حضرت عمر فاروقؓ خود اٹھے اور چراغ میں تیل ڈال کر لے آئے۔ مہمان نے کہا کہ اس کام کے

digest library.com

لیے آپ کسی غلام کو کہہ دیتے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ رات کا وقت ہے۔ سب سو رہے ہیں ۔اور میں چراغ میں تیل ڈالنے سے پہلے بھی عمر بن خطاب تھا اور چراغ میں تیل ڈالنے کے بعد بھی عمر بن خطاب ہوں۔ یہ معمولی سا کام کر لینے سے میری حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔" پروفیسر زید البصار نے عینک اتار کر میز پہ رکھی اور مسکراتے ہوئے عبدالہادی کی طرف دیکھا اور متانت کے ساتھ بولے۔ "تو بات یہ ہے بیٹا۔ کہ چائے کی یہ ٹرے اٹھا کر لانے سے پہلے بھی میں زید البصار ہی تھا اور اب بھی میں زید البصار ہی ہوں۔"

عبدالہادی انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ یہ اس کے اس سوال کا جواب تھا جو آج اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔

زید ان کا ملازم تھا۔ اور کام کوئی ڈھنگ سے کرتا نہیں تھا۔ بازار سے کچھ لینے جاتا تو گھنٹے لگا دیتا۔ گھر کا کوئی کام کہہ دیا جاتا تو کام بیچ میں چھوڑ کر موبائل میں لگ جاتا یا کہیں کھسک جاتا۔ اس کے باوجود دونوں میاں بیوی اس سے نرمی برتتے تھے۔ ثروت زید نوکری سے نکال دینے کی دھمکی ضرور دیتی تھیں مگر وہ بھی ایسی کہ سننے والے کو پتا ہوتا تھا کہ عمل کرنے کا ارادہ ان کا کوئی نہیں۔ پروفیسر صاحب اسے آواز دے کر کوئی کام کہتے اور نہ پا کر اس کام کو کرنے کے لیے خود ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔ آج بھی ان کے کچھ شاگرد آئے ہوئے تھے اور پروفیسر صاحب چائے کی ٹرے خود ہی اٹھا کر باہر لے آئے تھے۔ وہ جو باہر سے آرہا تھا، جلدی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔

"لائیں۔ میں لے جاتا ہوں۔"

"یہ تو میں ہی لے جاتا ہوں بیٹا۔ تم ایسا کرو کہ فریش ہو جاؤ پہلے۔ چائے پیو۔ پھر ثروت کو بازار سے کچھ منگوانا ہے، وہ لا دینا۔"

وہ سر ہلا کر اندر چلا آیا۔ اور چائے پینے کے بعد جب تک بازار سے سامان لے کر آیا، پروفیسر زید البصار کے شاگرد ان سے رخصت لے رہے تھے۔ وہ سامان ثروت زید کے حوالے کر کے پھر باہر چلا آیا۔

پروفیسر صاحب میز پر پڑی کتابیں سمیٹ رہے تھے ۔جب اس نے ان کے سامنے بیٹھ کر وہ سوال پوچھا تھا۔

"ملازم کے ہوتے ہوئے آپ ٹرے خود اٹھا کر لا رہے تھے۔ یہی نہیں کئی چھوٹے موٹے کام آپ خود ہی کرتے ہیں۔ مجھے عجیب لگتا ہے۔"

پروفیسر زید البصار پہلے تو مسکرائے پھر انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی مثال دی۔ وہ کچھ دیر چپ سا رہا پھر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بالآخر وہ سوال پوچھ ہی لیا جو اس کے ذہن میں اکثر آتا تھا۔

"آپ کے ملازم کا نام بھی زید ہے۔ آپ کو برا نہیں لگتا؟"

"مجھے کیوں برا لگے گا؟" انہوں نے نرمی سے اسی سے سوال کیا۔

"مالک اور غلام کو ایک ہی نام سے پکارا جائے ۔ مالک کی توہین نہیں؟" جب سے وہ پروفیسر زید البصار کے گھر آیا تھا جب سے اس نے ان کے ملازم کا نام جانا تھا، اسے جانے کیوں ایک سیٹھ رام مہیشوری اور ایک رام کولہی یاد آتا تھا۔ ہاں۔ اسے ایک رام کولہی یاد آتا تھا جسے رام سے امر بنا دیا گیا کیونکہ اس کے مالک کا نام رام تھا۔ مالک اور غلام۔ ایک ہی نام۔ ناں ناں۔ بڑا پاپ تھا یہ۔ مگر یہ پروفیسر زید البصار تو کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔

"محمد ﷺ جن کا رتبہ یہ کہ کوئی بشر ان جیسا نہیں جن کا مرتبہ یہ کہ کوئی بندہ ان سے افضل نہیں، جو حبیب خدا جو نبیوں کے سردار۔ ہم سب جن کے غلام۔ انہوں نے اپنا طیب نام رکھنے سے کسی کو منع نہیں فرمایا۔ عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا، بادشاہ ہو یا غلام۔ کسی کا نام بھی محمد ہو سکتا ہے احمد ہو سکتا ہے تو میں غلام میں خاکسار کیا چیز ہوں کہ یہ توہین محسوس کروں کہ میرے ملازم کا نام میرے نام سا کیوں ہے ۔ مجھے تو اچھا لگتا ہے جب کوئی ہم نام ملتا ہے۔ بھلے وہ کوئی کسان، کوئی موچی، کوئی مزدور کوئی چوکیدار ہی کیوں نہ ہو۔"

digest library.com

''بھلے جمعدار ہو؟'' عبدالہادی نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔ جانے کیوں وہ سامنے بیٹھے اس شخص کی اعلیٰ ظرفی کا امتحان لینے پہ مائل ہوا۔

''بھلے وہ کوئی بھنگی، خاکروب، جمعدار ہو۔'' پروفیسر صاحب مسکرائے۔

''آپ کو گھن نہیں آئے گی ان سے؟''

''گھن۔ جو لوگ جھاڑو لگاتے ہیں، گٹر صاف کرتے ہیں، کچرا اٹھاتے ہیں، گندگی صاف کرتے ہیں، غلاظت مٹاتے ہیں۔ وہ بڑے معتبر لوگ ہیں میری نظر میں۔''

عبدالہادی کو دل میں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ وہ پروفیسر زید ابصار جیسے شخص سے پہلے کبھی نہیں ملا۔ جو بڑی عقیدت کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

''سوچو۔ تین دن چار دن یہ لوگ اپنا کام چھوڑ دیں تو ہماری گلیوں کی ہمارے شہروں کی ہمارے ملک کی کیا حالت ہو۔ گندگی و غلاظت کے ڈھیر لگ جائیں۔ عمارتیں متعفن زدہ ہو جائیں، سڑکیں کچرا دان بن جائیں۔ سانس لینا محال ہو جائے۔ بیماریاں حملہ کر دیں۔ یہ تو بہت عمدہ لوگ ہیں جو صفائی کرتے ہیں۔ صفائی جو نصف ایمان ہے۔ ان لوگوں سے گھن کیسی۔ ان کو تو سلیوٹ پیش کرنا چاہیے۔ ایوارڈ دینا چاہیے۔ اور کچھ نہیں تو یونہی گزرتے گزرتے سلام کر دیں، کبھی شکریہ ادا کر دیں۔''

''بھلے وہ عیسائی ہوں بھلے ہندو ہوں؟''

''ہاں۔ بھلے وہ عیسائی ہوں بھلے ہندو ہوں۔''

عبدالہادی کو دل ہی دل میں یہ اعتراف بھی کرنا پڑا کہ وہ اس شخص کی اعلیٰ ظرفی کے پیمانے کو نہیں جانچ سکتا۔ اسے یہ بھی اعتراف کرنا پڑا کہ وہ انسانوں کی بہت مختلف قسم سے ملنے لگا تھا۔

زید اور زید ابصار سے ہوتے ہوئے وہ اسود کی اوطاق تک پہنچا جہاں ہاری بھی مالک کے ہاتھ سے شربت کا گلاس پکڑ کر دھمکیاں دیتے ہیں۔ وہاں سے ہوتے ہوئے وہ مصطفیٰ امین کی زمینوں تک جا پہنچا جہاں اس کا خاندان آزاد تھا، خوش تھا۔ یہ کون سی دنیا تھی۔ کم سے کم یہ وہ دنیا تھی جو اس نے آج تک نہ دیکھی تھی۔ یہ دنیا جگدیش مہیشوری اور صبغت اللہ کی دنیا سے بہت مختلف تھی۔

☆☆☆

''دماغ خراب ہو گیا ہے کیا''

یہ وہ جملہ تھا جو اس نے آج پورے دن میں امی، فاطمہ اور مہرتاب سے کئی بار سنا تھا۔ آسیہ اور ارم بھی سوچ تو یہی رہی تھیں مگر منہ سے نہ بولتیں۔ مومنہ جب سادھے سنتی رہی۔ اب کیا بولتی جو کہنا تھا وہ کہہ چکی تھی اور اسی کا ردعمل سامنے آ رہا تھا۔

''ابو اور یاسر بھائی کو پتا چلا تو۔''

''ان ہی کو تو پتا چلنا چاہیے۔'' پرواہ وہ پہلے کب کرتی تھی جواب کرتی۔ مگر باپ بھائی کا لحاظ ضرور تھا۔ فاطمہ کو لگا کہ وہ بھی جاتا رہا۔

''پہلے تم نے ضد کر کے اپنی بات منوائی۔ اب۔''

''پہلے ضد کر کے غلط بات منوائی۔ مان لی گئی۔ اب صحیح بات منوانا چاہتی ہوں۔''

''اب یاد آ رہا تمہیں کہ وہ سب غلط تھا۔'' فاطمہ کی بیٹی رو رہی تھی مگر ماں کے لیے اس وقت کچھ اور بہت ضروری تھا۔

''تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ وقت پہ یاد آ گیا۔'' مومنہ خلاف معمول بہت آرام سے جواب دے رہی تھی مگر اس کا یہ اطمینان فاطمہ کو کھولا رہا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' جس جملے سے ابتدا ہوئی اسی پہ گفتگو کا اختتام ہوا۔

وہ موبائل ایک طرف ڈال کر باہر آ گئی۔ آسیہ، ارم اور گل چہرہ آج پھوپھو یاسمین کی طرف گئے ہوئے تھے۔ ابو اور چاچو اوطاق پہ تھے۔ جب ہمایوں عجلت میں گھر داخل ہوا۔

''چار کپ چائے بنا دو۔''

''باورچی خانے میں آ کر چائے بنانے لگی۔ ہمایوں بھی دروازے میں آ کھڑا ہوا۔

وہ بہت بدل سی گئی تھی۔ ہاسٹل جانے کے بعد سے اتنا فرق تو آیا تھا کہ جب گھر آتی۔ بچوں کو ڈانٹتی

digest library.com

کم، جو پکتا وہ کھا لیتی اور چھوٹے موٹے کام بھی کر ڈالتی۔ مگر ایسی چپ سی تو نہ ہوئی تھی۔

"مومنہ تم سے بات کرنی ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہی کہنا چاہتے ہوناں۔"

"ہاں۔"

"دماغ تو خراب ہو گیا ہے ہمایوں! اب زندگی خراب کر ڈالوں کیا؟" پتی کا جار کھولتے ہوئے اس نے ہمایوں کی طرف دیکھا۔ ہمایوں کو تکلیف ہوئی۔

"ایسا کیوں کہتی ہو؟"

"اب بھی ایسا نہ کہوں کیا۔ اس کے باپ نے میرے باپ جیسے چاچو کے ساتھ بدتمیزی کی۔" پانی کھول رہا تھا مگر وہ پتی ڈالنا بھول کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ہلکی سنہری سحر زدہ کر دینے والی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتری۔

"اور اس نے تمہارے ساتھ۔" نمی آنسو میں بدلنے لگی۔ وقت تھم سا گیا۔ چوہدری ہمایوں سلیمان بھول بیٹھا کہ اوطاق میں مہمان آئے بیٹھے ہیں، اسے چار کپ چائے لے کر جانی ہے۔ وہ اس لڑکی کو دیکھتا رہا جو اس کے لیے آنسو بہا رہی تھی۔ اسے اس کے آنسو تکلیف دیتے تھے مگر آج دل میں کہیں مسرت سی محسوس ہوئی۔ وہ آنسو اس کے لیے تھے۔ شوگرمل میں ہونے والے واقعے کے بعد سے وہ جس اذیت سے گزر رہا تھا، وہ کم ہونے لگی۔

برتن میں چائے کے لیے رکھے پانی کی سطح کھول کھول کر کم ہونے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ تم سے جھوٹ۔۔۔ جھوٹ بولا ہے اطہر نے۔" بہت دیر بعد اٹکتے ہوئے بولا۔

"تم سے کس نے کہا کہ مجھے اطہر نے بتایا؟" آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ۔ وہ ہی وہاں تھا اس دن۔"

"تو وہ عینی شاہد تھا۔ پھر کیوں یقین نہ کروں اس کی بات کا۔"

"مومنہ۔ دیکھو باہر مردوں میں جھگڑا فساد جیسے معاملات چلتے رہتے ہیں۔ تمہیں یاد نہیں، پچھلے سال ایک شوگرمل میں لوکل زمین داروں نے حقوق نہ ملنے پہ احتجاج کیا تھا اور اس دوران دو زمیندار زخمی بھی ہو گئے تھے۔ اس لیے سیریس نہیں لو۔ اور اس کا تمہاری ذاتی زندگی پہ اثر نہیں آنا چاہیے۔"

"میری ذاتی زندگی میں چاچو ہیں، تم بھی ہو۔ اثر تو آئے گا۔" وہ کہتی ہوئی پھر پتی کا جار کھولنے لگی۔

"تم کیا کرنے والی ہو؟"

"عامر حبیب کا گریبان پکڑ کے اس کو گالی دینے والی ہوں۔"

ہمایوں کا چہرہ سرخ ہوا۔

"اس کے بعد اسے دلاؤں گی یاد اس کی اوقات۔"

ہمایوں مٹھیاں بھینچ گیا۔

"اس کے بعد جھٹک کر کروں گی اسے پیچھے"

ہمایوں کو پوری جزئیات کے ساتھ وہ منظر یاد تھا، وہ کچھ بھی بھولا نہ تھا۔ وہ وہی سب کرنے کا ارادہ رکھتی تھی جو عامر نے ابو اور اس کے ساتھ کیا تھا۔

"پھر ماروں گی انگوٹھی اس کے منہ پہ۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی مومنہ!"

"مومنہ حیدر ایسا ہی کرے گی۔" اس کا لہجہ چٹان تھا۔

"مومنہ۔" ہمایوں نے اسے بازو سے تھاما۔

اسی پل گیٹ بجا۔ باہر ہاری آیا تھا۔ چوہدری صاب نے چائے کا پیغام بھجوایا تھا۔

"تم چلو، میں آ رہا ہوں چائے لے کر۔"

اسے بھیج کر وہ صحن میں رکھی چارپائی پہ آ بیٹھا۔ اس کے ماتھے پہ تفکر کی لکیریں تھیں۔ اندر مومنہ چائے کے لیے دوسرا پانی رکھتے ہوئے پہلے تسلے کی سطح دیکھ رہی تھی۔ پانی کھول کھول کر ختم ہو گیا تھا۔ وہ کھول کھول کر ختم نہ ہونا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہے چوہدری۔ کیسے ہو؟"

وہ لائبریری میں اس کے مدمقابل آ بیٹھی تھی۔ اسود نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہوں۔"

digest library.com

"کیا تم میرے ساتھ چل سکتے ہو ابھی۔ تمہیں کسی سے ملوانا ہے؟"

"کس سے؟" اس نے یونہی کی پیڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

"سرپرائز۔ چلو ناں۔"

"اس وقت نہیں جا سکتا۔"

"چلو ناں پلیز۔ یہ کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں اپنے تھیسس کے بہت اہم پوائنٹ پر کام کر رہا ہوں۔ پلیز ڈسٹرب نہیں کرو اس وقت۔"

امت الشکور نے دیکھا، وہ اس وقت نہیں جائے گا۔ تو ضد کرنا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر مجھے وہ وقت بتاؤ جب تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"او چوہدری۔ اتنے نخرے کیوں دکھا رہے ہو۔ تمہارا پروپوزل ری جیکٹ کر دیا تو اتنا دل پہ لے لیا۔"

"نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس کے ساتھ ماں باپ کی، بہن بھائیوں کی، بہت سے پیاروں کی دعائیں ہوں، اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے، بہتری کے لیے ہی ہوتا ہے۔ یقیناً تمہارا انکار بھی میرے لیے بہتر ہوگا۔"

اس وقت امت الشکور عرف ایما کو شاید چوہدری اسود حیدر کا اطمینان برا لگا تھا یا اس کے انکار کو اپنے لیے بہتری قرار دینے میں بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔ کچھ بھی تھا اس کو تضحیک محسوس ہوئی تھی۔

"بڑا دعاؤں پہ یقین ہے تمہارا۔" اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"ہاں۔"

اس نے مصروف رہ کر یک لفظی جواب دیا تھا۔ جانے کیوں امت الشکور کی نظریں کچھ دیر کے لیے اس کے چہرے پہ جمی سی رہ گئی تھیں۔ پھر اس نے اپنے گھنگھریالے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور وہاں سے چلی گئی۔

"کیا مطلب ہے۔ لڑکی نے انکار کر دیا۔ میرے اتنے اچھے بھائی کو کوئی لڑکی انکار کیسے کر سکتی ہے بھلا۔ پاگل ہے وہ لڑکی یا اندھی۔"

اسود کو یاد آیا جب اس نے فاطمہ کو امت الشکور کے انکار کے بارے میں بتایا تھا۔ تو اس کا ردعمل کیا تھا۔ اسود کو ہنسی آ گئی تھی۔

"اب تمہارا تو میں بھائی ہوں، اس لیے تمہیں اچھا لگتا ہوں۔ اس کا تو مجھے بھائی نہیں بننا تھا ناں۔ اس لیے دوسری نظر سے دیکھے گی۔"

"وہ کسی بھی نظر سے دیکھے، تم اچھے ہی لگتے۔"

"اچھی دھونس ہے بھئی۔ نہیں لگا اسے اچھا میں۔"

"پھر وہ لڑکی خود اچھی نہیں ہوگی۔" ایک بہن یہی نتیجہ اخذ کر سکتی تھی۔

"ماں سنتیں تو کسی بھی لڑکی کے بارے میں تمہارے اس طرح کے کمنٹس سن کر برا مانتیں۔"

فاطمہ نے پھر اس لڑکی کے بارے میں تو مزید کچھ نہیں کہا تھا مگر اسے "میرے بھائی کے لیے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے" کہہ کر تسلی دینے کی کوشش ضرور کی تھی۔ پھر مہر تاب اور لیسری کا ذکر کرنا بھی نہیں بھولی تھی۔ یعنی کہ پھر سے وہی سب باتیں۔

"اوہ امثل۔" اسے ایک لڑکی امت الاحد بہت یاد آئی تھی اور اس وقت لائبریری میں بیٹھے ہوئے بھی امت الشکور کے چلے جانے کے بعد بھی وہی یاد آئی۔ اس نے تھیسس والے ڈاکیومنٹ کو منی مائز کیا اور ٹاسک بار میں کھلے ایک دوسرے فولڈر کو میکسی مائز۔

امت الاحد کی تصویریں اس کے سامنے تھیں۔

☆☆☆

"امی پہلے ہی تمہاری وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔ اب مومنہ نے الگ پریشانی ڈال دی ہے۔ تمہیں کہا تھا اسے سمجھاؤ۔ تم بھی چپ بیٹھے ہو۔"

"فاطمہ! تم شادی کے بعد کچھ بدل سی نہیں گئی

digest library.com

ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"آپا آپا بن گئی ہو۔ پہلے دوست لگتی تھیں اب صرف آپا۔"

فاطمہ کو جی بھر کر غصہ آیا۔ مومنہ اور مہرتاب بھی اب اسے اور رباب کو اتنی اہمیت نہ دیتی تھیں۔ اور آج اسود نے بھی یہ بات کردی۔ وہ زود رنج ہوئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ شادی شدہ بہنوں کی ہر وقت "شادی کرلو۔ شادی کرلو" چڑ ادیتی ہے۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ رخصت ہونے کے بعد اسے ہر بیٹی کی طرح سب سے زیادہ ماں کی فکر تھی اور وہ جانتی تھی کہ آج کل امی اسود اور مومنہ کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔

"اچھا ٹھیک ہے میں سمجھاتا ہوں مومنہ کو۔" دوسری طرف اس کی خاموشی محسوس کر کے اسود نے نرمی سے کہا۔

"تم خود سمجھتے نہیں۔ اس کو کیا سمجھاؤ گے۔" وہ چڑ کر بولی تو وہ ہنس دیا۔

"پھر اتنے دنوں سے کیوں کہہ رہی ہو کہ اسے سمجھاؤں؟"

"میرا دماغ خراب تھا۔"

"مجھے بھی یہی شک ہے۔ پہلے جب وہ عامر سے منگنی کرنا چاہ رہی تھی تب تم ہی کہہ رہی تھی کہ اسے سمجھاؤں کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اب جب وہ یہ منگنی ختم کرنا چاہتی ہے تو تم ہی کہہ رہی ہو کہ اسے سمجھاؤں کہ وہ ایسا نہ کرے۔"

"وہ میں اس لیے کہتی تھی کہ مجھے عامر کے مقابلے میں ہمایوں زیادہ پسند تھا۔ اب جب منگنی ہو ہی گئی ہے اور بچی ہمایوں کے لیے بھی لڑکی دیکھ رہی ہیں تو میں چاہتی ہوں کہ یہ رشتہ قائم رہے۔"

"ہوں۔ کرتا ہوں بات مومنہ سے۔" اس نے پہلی بار سنجیدگی سے کہا تو فاطمہ کچھ مطمئن ہوئی۔

اسود نے اگلے دن مومنہ سے بات کی تھی۔

"بھائی! آج میرے لیے یہ رشتہ ختم کرنا آسان ہے۔ کل جب میری شادی ہو جائے گی اور عامر اور اس کے گھر والے میرے چاچو کو میرے ابو کو گالی دیں گے تو میں کیا کروں گی؟" وہ رو دی تھی۔

اسود بھونچکا رہ گیا۔ کیا اس کے علم میں پوری بات نہیں تھی۔

"فاطمہ کہتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس وقت عامر کے ڈیڈی غصہ میں ہوں۔ ویسے تو وہ مہذب آدمی ہیں۔ میں کہتی ہوں کیا گارنٹی ہے کہ آئندہ بھی وہ مہذب رہیں گے اور کبھی غصہ میں نہیں ہوں گے اور ان کے نزدیک کھڑا میرا شوہر تماشا نہیں دیکھے گا۔ میرے چچازاد کا گریبان نہیں پکڑے گا۔"

اسود کو غصہ آیا تھا فاطمہ پر۔ جو اس دن سے یہی بتا رہی تھی کہ مومنہ کسی چھوٹی سی بات پر منگنی ختم کرنا چاہتی ہے۔ پس منظر اس سے چھپا لیا تھا۔ عورتیں بھی ناں۔ باپ، بھائی، شوہر سے آدھی بات چھپا کر سمجھتی ہیں کہ جھگڑا فساد ختم ہو جائے گا۔ معاملہ سلجھ جائے گا۔

"فاطمہ! تم آپا ہی نہیں خالص عورت بن گئی ہو شادی کے بعد۔" وہ بڑبڑایا۔

اور عورتوں کی دور اندیشی کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی غلط۔ اس دن بھی ان کے حساب سے معاملہ سنورا نہیں تھا بگڑا ہی تھا۔ اسود نے ساری بات سن کر "میں تمہارے ساتھ ہوں مومنہ۔" کہہ کر کال ختم کی تھی۔ پھر فوراً اس نے ہمایوں کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"کیا ہوا تھا مل میں؟ مجھے پوری بات بتاؤ اور صحیح بتاؤ۔" وہ سلام دعا کے فوراً بعد اصل موضوع پہ آیا۔

"جی ایم گنے کا بہت کم ریٹ دے رہا تھا۔ اور دھمکی دی تھی کہ اگر ہم نے اس ریٹ پہ گنا نہیں دیا تو باہر سے منگوا لے گا۔ لوکل زمین دار احتجاج کر رہے تھے۔ مل سے باہر جانے والے رستے پہ دھرنا دے رکھا تھا۔ جی ایم صاحب کو فیملی کے ساتھ شاپنگ پہ جانا تھا۔ جب رستہ نہیں ملا تو بیٹے سمیت باہر نکل کر دھمکانے لگے۔ زمین داروں نے احتجاج کیا کہ وہ اور ان کے خاندان، ان کے ہاری بھوکے مر رہے ہیں اور وہ ان کے ساتھ بات چیت کے ذریعے مسئلے کا کوئی حل

digest library.com

نکالنے کے بجائے سیر و تفریح پہ جا رہے ہیں۔ جی ایم کے بیٹے نے چلانا شروع کر دیا۔ ابو معاملہ سنبھالنے کو آگے آئے تو وہ ابو سے بھی بدتمیزی کرنے لگا۔ اس نے شاید ابو کو پہچانا نہیں تھا۔" ہمایوں کی آواز دھیمی ہوئی۔

"میں بھی آگے آیا تو معاملہ بڑھ گیا۔" ہمایوں کے لہجے میں پشیمانی اتری۔ وہ سارے معاملے کا ذمہ دار نہیں تھا، لیکن اب محسوس کرنے لگا تھا۔

اسود کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"تمہیں بھی نہیں پہچانا تھا کیا وہ؟"

"شاید۔"

"مجھے لگتا ہے کہ مومنہ ٹھیک فیصلہ کر رہی ہے۔"

"اسود۔"

"میں مومنہ کے ساتھ ہوں۔" اس نے ہمایوں کی کوئی بھی تاویل سنے بنا کال ختم کر دی۔

☆☆☆

"ہادی بیٹا! اپنے پروفیسر صاحب کو سمجھاؤ کہ پر ہیز بھی کوئی شے ہے۔" ثروت زید نے کیک کے کچھ ٹکڑے ایک پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اب منگواتے بھی مہمان کے سامنے ہیں کہ کوئی انکار نہ کر سکے۔ مہمان کھائے نہ کھائے اپنی عید منا لیتے ہیں۔" سرونگ پلیٹس ٹرے میں رکھتے ہوئے ان کا بڑبڑانا جاری تھا۔ عبدالہادی نے مسکراتے ہوئے ٹرے اٹھائی اور باہر چلا آیا۔

"جیتے رہو۔" پروفیسر زید البصار نے دعا دی۔ وہ سر جھکا کر وہیں بیٹھ گیا۔ چھٹی والے دن وہ اکثر ان کے شاگردوں کے ساتھ ان کی محفل میں بیٹھ جایا کرتا تھا۔ پروفیسر صاحب پڑھاتے تو ریاضی تھے۔ ریاضی تو بہانہ تھا ورنہ اس محفل میں کیا کچھ موضوع گفتگو نہ ہوتا تھا۔ دین، لٹریچر، سیاست، ٹیکنالوجی، گھر کے چھوٹے چھوٹے مسائل، ان کا حل اور بہت کچھ۔ ان کے درمیاں بیٹھ کر وہ بہت کچھ سیکھ رہا تھا۔ وہ زندگی کے نئے رخ دریافت کر رہا تھا، روشن پہلو دیکھ رہا تھا۔ اسے یہ اقرار کرنے میں مضائقہ نہ تھا کہ اس نے اس سے پہلے بڑی لچی بندھی بڑی تھکی ماندی زندگی بسر کی تھی۔ اگر اس زندگی میں گنگانہ ہوتی، امت الاحد نہ ہوتی تو شاید زیست کے اس حصے کو بساند بھری زندگی کہنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کرتا۔

☆☆☆

آسمان کو ستاروں نے ڈھک رکھا تھا جب ہمایوں سونے کی نیت سے مویشیوں کے احاطے کی طرف آیا تھا۔ اور ٹھٹک گیا تھا۔ وہ اس کی چارپائی پر پائنتی کی طرف نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔ ہاتھ کے ناخنوں کے ساتھ کھیلتی پتا نہیں کیا سوچ رہی تھی۔ زرد روشنی میں اس کی رنگت بھی پیلی سی لگ رہی تھی۔

جگالی کرتی ہوئی بھوری نے ہمایوں کو دیکھا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمایوں نے اس کی پشت پہ ہاتھ پھیر کر کھرلی میں مزید چارا ڈالا۔ پھوپھا صادق کی بھینس کے سامنے بالٹی بھر کر پانی رکھا۔ کالے بیل کا نکلا ڈھیلا ہو رہا تھا۔ اس کی رسی کھول کر اسے ہانکا اور دوسرے کلے پہ جا کر باندھا۔ وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ مگر وہ نہیں گئی۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے اس کے قریب آیا۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟"

"بدنام ہونے کے لیے۔"

ہمایوں اس کی صورت دیکھ کر رہ گیا۔ بچپن، لڑکپن، جوانی ساتھ ساتھ اسی گھر میں۔۔۔ پھر بھی کئی بار ایسا موڑ آیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھ نہیں پایا۔ ہاں کچھ ایسا ہی تھا ورنہ وہ مومنہ حیدر سے یہ نہ کہتا۔

"میرا استعمال خوب آتا ہے تمہیں مومنہ حیدر۔"

اور مومنہ حیدر زمین بوس ہوئی۔ آج سے پہلے اسے ایسی ذلت کبھی محسوس نہ ہوئی۔ اس وقت بھی نہیں جب عامر کا باپ گردن اکڑا کر بات کرتا تھا۔ اس وقت بھی جب۔۔۔ ہاں اس سہ پہر بھی تو اس طرح منہ پہ تھپڑ نہ پڑا تھا جیسا طمانچہ آج پڑا۔ اور مارا بھی کس نے جس کے بارے میں وہ سوچتی تھی کہ جب دنیا پوری کی پوری اس کے مخالف کھڑی ہوگی تو

digest library.com

چوہدری ہمایوں سلیمان وہ واحد بندہ ہوگا جو اس کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ مومنہ حیدر کو آج اس وقت ادراک ہوا کہ انسان کی زندگی میں کبھی کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ بالکل تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑا شخص اچانک ہاتھ چھوڑ کر سامنے کی قطار میں جا کر کھڑا ہوتا ہے۔

وہ اس کی چارپائی سے اٹھی اور شکستہ پا سی لوٹ آئی۔ اندر اپنے کمرے میں آ کر اپنے پلنگ پہ لیٹتے ہی اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور پھر جھڑی سی لگ گئی۔ رات کے اس سمے اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ پھر بھی ڈر ہوا کہ کوئی اسے یوں اس حال میں دیکھ نہ لے۔ اس لیے کروٹ بدل لی۔ آنسو کنپٹی سے ہو کر تکیے میں جذب ہوتے رہے۔

ہمایوں اس کے بارے میں کیا جذبات رکھتا ہے، خاندان کی سب لڑکیاں جانتی تھیں۔ وہ ہمایوں کے لیے کیا جذبات رکھتی ہے، کوئی نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرتی تھی۔ سب کو نظر آتا تھا ہمایوں کے ساتھ اس کا رویہ۔ ہمایوں کی پرواہ اور اس کی بے نیازی۔ ہمایوں کی شوخیاں اور اس کے طنز۔

ہاں وہ ایسی ہی تھی۔ نخرہ بھی تھا، تلخی بھی تھی اس میں۔ مگر اس کا مطلب یہ کب تھا کہ اسے چوہدری ہمایوں سلیمان سے محبت نہ تھی۔ وہ تو بس۔ بس یہ چاہتی تھی کہ اس گھر کے حالات بدل جائیں۔ زمینوں نے کئی برسوں سے کیا دیا انہیں۔ اس نے وہ خوشحالی تو پھر دیکھی ہی نہیں، جو بچپن میں دیکھی تھی۔ اور ہمایوں چلا تھا انہی زمینوں کے پیچھے زندگی لٹانے۔

وہ چاہتی تھی کہ ہمایوں بھی یاسر بھائی اور اسود بھائی کی طرح چوہدری نگر سے کہیں باہر نکلے۔ تعلیم جو حاصل کی، اس کی بنیاد پر اچھی سی نوکری حاصل کرے۔ اور پھر جب انسان باہر نکلتا ہے، دنیا دیکھتا ہے تو اس کی بول چال اور سوچ میں کتنا فرق آ جاتا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ بھی آ جاتا ہے۔ مگر نہیں۔ ہمایوں کو تو رہنا تھا اسی کنویں میں۔ وہ چڑتی تھی مگر پھر بھی اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ ہمایوں کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کرے گی۔ اور سوچتی بھی نہیں اگر وہ سہ پہر اتنی سفاک نہ ہوتی۔

اس کی آنسوؤں میں روانی آئی۔ وہ سیدھی ہوتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ اپنا چہرہ صاف کیا اور موبائل اٹھا کر اس میں دھیان کرنا چاہا۔

"مومنہ!" ہمایوں کا میسج آیا ہوا تھا۔ صرف اس کا نام۔

اس نے موبائل پرے پھینکا اور چہرہ صاف کرتے ہوئے پھر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں تو وہی سہ پہر آنکھوں کے پردے پہ آ ٹھہری۔

"کتنی بار کہا ہے۔ مت بیٹھا کرو اس کے پاس۔ تمہیں بھی خراب کرے گی۔"

"امی۔" گل چہرہ نے احتجاج کیا تھا۔

"ہاں تو۔ شرم حیا ہے اس لڑکی میں؟ اس کا باپ تو کچھ نہیں کہتا۔ تمہارے باپ نے تو تمہاری گردن مڑور دینی ہے۔"

"امی! میں نے کیا کیا ہے اور۔ اور مومنہ آپی نے کیا، کیا ہے؟ خوامخواہ بری لگتی ہیں آپ کو۔"

"تم نے کیا، کیا ہے؟ طاری کا خط دیکھا ہے میں نے تمہارے ہاتھ میں۔ اسی نے دیا تھا ناں۔"

"امی وہ لیٹر۔" گل چہرہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

"اسے تو شرم ہے نہیں۔ فاطمہ کے دیور کو پھنسا رکھا تھا۔ ادھر یونیورسٹی میں اس کا بھائی ملا ہوا ہے عیاشی کروانے کو۔ عبیرہ کے بھائی کے ساتھ گاڑیوں میں آتی جاتی ہے۔" باہر کھڑی مومنہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور ٹانگوں سے جان جا رہی تھی۔

"اور میرا وہ نالائق بیٹا۔ وہ تو ہے ہی اس کی مٹھی میں۔ یاد نہیں۔ سلیمانہ کی شادی میں ہم سب شادی ہال میں بیٹھے تھے اور وہ چل دی اکیلی تمہارے بھائی کو لے کر پھوپھی کے گھر۔ بالیوں کے بہانے۔ ہم کوئی بچے ہیں، ہمیں سمجھ نہیں آتی۔"

وہ مومنہ حیدر تھی۔ کوئی ایک لفظ بھی کہتا تو

digest library.com

آستین چڑھا کر دس سنا ڈالی تھی۔ وہ مومنہ حیدر اس سہ پہر گونگی ہوگئی۔ اسے سمجھ میں آئی کہ بات کردار پہ آجائے تو منہ بھر کر لڑا نہیں جاسکتا۔ جواب پہ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ زبان ہی تالو سے لگ جاتی ہے۔

وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچی اور بیڈ پہ ڈھے سی گئی۔ اس کے پورے جسم میں کپکپاہٹ تھی۔

وہ آسیہ چاچی کو پسند نہیں۔ اس کا اندازہ تھا۔ مگر اس قدر بری لگتی ہے وہ انہیں۔ یہ اندازہ نہ تھا۔

وہ کمرے میں جا کر انہیں یہ جتا نہ پائی تھی کہ طاہر کا خط اس نے گل چہرہ کو نہیں دیا تھا بلکہ گل چہرہ نے خود اسے دکھایا تھا۔ طاہر اسے کچھ دن سے تنگ کر رہا تھا۔ مومنہ نے تو یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اسے سیدھا کیسے کرنا ہے۔ مگر کیا ہوا کہ آسیہ چاچی عین اس وقت کمرے میں داخل ہوئی تھیں جب خط گل چہرہ کے ہاتھ میں واپس تھماتے ہوئے وہ اس سے طاری کے بارے میں کچھ پوچھنے لگی تھی۔ چاچی کو دیکھ کر اس نے بات وہیں روکی اور گل چہرہ کو پرسکون رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گئی۔ اپنے کمرے تک پہنچتے ہوئے اسے لگا کہ گل کو اس وقت اس کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ آسیہ چاچی خوامخواہ اسے ہی دوش نہ دیں۔ وہ پلٹی اور پھر گل کے کمرے کی طرف آئی۔

اس وقت اسے اندازہ نہ تھا کہ گل کو اس کی ضرورت نہیں۔ اسے ضرورت تھی کہ جان لیتی، ہمایوں کی امی اس کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ وہ سہ پہر اسے کچھ کا کچھ کہہ گئی تھی۔

اس کا رونے کو بہت رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ رحیمہ احمد کے پاس چلی آئی اور بہت دیر تک ان کی گود میں سر رکھ کر روتی رہی تھی۔ وہ اس کی سنتی رہیں۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہیں۔

"ماں۔ یقین کریں۔ میں بالیاں ڈھونڈنے ہی گئی تھی پھوپھو یاسمین کے گھر۔"

اس نے ماں کی گود سے ذرا سا سر اٹھا کر ان سے کہا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" انہوں نے اس کا چہرہ صاف کیا تھا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھو بیٹا۔ ہر ذہن ایک جیسا کھلا نہیں ہوتا، ہر نظر ایک جیسی روشن نہیں ہوتی۔ لڑکیوں کو بہت احتیاط کرنی ہوتی ہے۔ کچھ جملے ایسے ہوتے ہیں کہ لڑکے کہہ جائیں تو انہیں مذاق سمجھ کر اس پہ ہنس دیا جاتا ہے۔ لڑکی کہہ جائے تو کہیں کسی کے ذہن میں کوئی مہر ثبت ہو جاتی ہے اس کے کردار پہ۔ اور پھر لڑکا لڑکی کہیں اکیلے ہوں تو لڑکے کا کردار بھی مشکوک ہونے لگتا ہے۔ لڑکی کے بارے میں تو ہر وہ شخص غلط سوچے گا جو اسے نہیں جانتا۔ اگر اس دن یاسمین کے گھر جاتے ہوئے تم گل، حدیقہ یا ارم کسی کو بھی ساتھ لے لیتیں تو آسیہ یوں نہ سوچتی۔"

"تو ہمارا اپنا کردار کچھ نہیں ہوتا۔ وہی سچ ہوتا ہے جو دوسرے کی نظر دیکھتی ہے، جو دوسرے کا ذہن سوچتا ہے؟"

"ہمارا کردار ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر کبھی دوسرے کی سوچ دوسرے کی نگاہ اس پہ غالب آجاتی ہے۔ پھر کردار کو غالب آنے میں بہت دیر لگتی ہے۔"

"مجھے فرق نہیں پڑتا کوئی میرے بارے میں کیا سوچتا ہے۔" اس نے آسیہ چاچی کی سوچ پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا تھا۔

"فرق پڑتا ہے۔ سب کو فرق پڑتا ہے۔ یہ آنسو ایسے ہی تو نہیں نکل آتے۔" رحیمہ احمد نے اس کے چہرے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں۔ فرق پڑتا ہے ماں۔ بہت فرق پڑتا ہے۔ کوئی ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے۔" وہ آج بھی رو رہی تھی اس بات پر کہ چوہدری ہمایوں سلیمان اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔

جب روتے روتے کافی دیر ہوگئی تو اس نے خود ہی اپنے آنسو صاف کیے۔ آج ماں نہیں تھیں اس کے پاس۔

اس نے سوچنا چاہا کہ کب اس نے ہمایوں کو استعمال کیا؟ استعمال اور مان میں فرق ہوتا ہے۔ وہ

اسے استعمال نہیں کرتی تھی۔ وہ اس پہ مان کرتی تھی۔ ہاں منواتی تھی اس سے اپنی ہر بات۔ مگر مان سے۔ وہ اسے استعمال نہیں کرتی تھی۔ استعمال تو اس کے جذبات چوہدری ہمایوں سلیمان نے کیے تھے۔

جب سے پیار محبت جیسے کسی انوکھے جذبے کی سمجھ آنے لگی تھی، ہمایوں کو پروانوں کی طرح اپنے ارد گرد منڈلاتے پایا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ہمایوں اس کے بغیر سانس بھی نہیں لے پائے گا۔ ایک دن ایک پل نہیں گزار پائے گا۔ جب عاصم کا رشتہ آیا تھا، وہ خاص طور پر ہمایوں کے ردعمل کا سوچ کر مسکرا رہی تھی۔

digest library.com

جل ہی تو جائے گا ہمایوں۔ دندناتا ہوا آئے گا۔ اس کا بازو تھام کر کہے گا۔

"خبردار۔ میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچا بھی تو۔"

مگر ہوا کیا تھا۔ عاصم کے رشتے کی سب کو خبر بھی ہوگئی۔ نہ ہمایوں نے کچھ کہا۔ نہ چاچو چاچی کی طرف سے کوئی پیغام آیا۔ وہ انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ پھر خود ہی دوسرے تیسرے دن بظاہر اتراتے ہوئے ہمایوں سے کہا تھا۔

"رشتہ آیا ہے میرا؟"

"چلو جنجال پورہ سے جان چھوٹے گی۔ دبئی میں مزے کروگی۔" وہ ہنسا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔"

کچھ اور دن بھی گزر گئے تھے۔ ہمایوں کی طرف سے پیش قدمی ہوئی نہ ہی چاچو چاچی کی طرف سے۔ اسے لگا کہ ہمایوں چپ اس لیے ہے کہ اسے بھی پتا ہے کہ وہ عاصم کے لیے خود ہی انکار کردے گی۔ ہاں ایسا ہی کیا تھا اس نے خود انکار کردیا تھا۔ مگر جب عامر نے اسے پرپوز کیا تو اس نے بہت دن سوچنے میں نہیں لگائے تھے۔ اب جب وہ آسیہ چاچی کے خیالات جان چکی تھی۔ عامر کا رشتہ آنے کے بعد بھی ہمایوں کی طرف سے سنجیدگی کے ساتھ کوئی اظہار نہ ہوا تھا۔ تو وہ کیوں کرتی ماتم اس شخص کے لیے جو اس سے دل لگی کرتا آیا تھا محض۔ عامر سے منگنی بھی کرلی اور ہمایوں کے ساتھ کیپٹن عامر کا موازنہ کرکے اور بار بار کرکے خود کو تسلی بھی دے ڈالی۔

عامر اچھا تھا مگر لڑکی غلط پسند کرلی تھی۔ مومنہ بھی اچھی تھی مگر لڑکا غلط منتخب کرلیا تھا۔ عامر کو احساس تب ہوتا جب اس کے ڈیڈی بتاتے جبکہ مومنہ کو احساس عامر کی ہر کال کے بعد ہی ہونے لگا تھا۔ وہ مومنہ حیدر جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتی تھی، عامر سے بات کرنے کے بعد احساس ہوتا کہ وہ تو کچھ بھی نہیں ہے شاید۔ پھر بھی اس نے منگنی کو مذاق ہرگز نہیں سمجھا تھا۔ اپنے کچھ نہ ہونے کے احساس کے باوجود اس نے شادی عامر کے ساتھ ہی کرنی تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی تھا کہ وہ کچھ نہیں تو اس کے چاچو بھی کچھ نہیں، ہمایوں بھی کچھ نہیں، ان کی عزت ان کی شان کچھ نہیں۔

اس کی عزت نفس پہ چوٹ پڑتی تھی، وہ برداشت کرتی تھی۔ چاچو اور ہمایوں کے لیے۔ نہیں کبھی برداشت نہیں کرسکتی تھی وہ۔

وہ۔ جس کی بے عزتی برداشت نہیں کرپائی تھی۔ وہ۔ ہاں وہی۔ کہتا تھا اسے کہ وہ اسے استعمال کرتی ہے۔

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆☆☆

مومنہ نے مرتعش ہاتھوں سے چائے کی ٹرے سیفی چاچو کے سامنے کرتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے ابو کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ پریشان تھے۔۔۔ مومنہ جانتی تھی۔ پریشانی کی وجہ بھی وہ تھی۔ یہ بھی جانتی تھی۔

اس نے اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ ٹرے میز پر رکھ کر کمرے سے نکلی نہیں بلکہ کھڑی رہی۔ چوہدری صاحب اور باقی بھائیوں نے اس کی طرف دیکھا۔ جس موضوع پہ وہ اس کے اندر آنے سے پہلے بات کر رہے تھے، اس پہ مزید گفتگو اس کے کمرے سے چلے جانے کے بعد ہونی تھی۔

''ابو!'' اس کی آواز مرتعش تھی۔
''چاچو!'' وہ اب سلیمان چاچو کی طرف مڑی۔ پھر سفیان اور یاسر کو دیکھا۔
''مجھے عامر سے شادی نہیں کرنی۔'' اس نے جلدی سے جملہ ادا کیا۔
تینوں بھائی اور یاسر کچھ دیر کے لیے چپ سے رہ گئے۔ جس مسئلے کو حل کرنے کے لیے آج کی بیٹھک لگی تھی، یاسر کو امی نے کراچی سے بلوایا تھا، وہ براہ راست اس پہ آ گئی تھی۔ ہمایوں بظاہر موبائل میں لگا رہا۔
''مومنہ! ادھر آؤ میرے پاس۔'' سلیمان چاچو نے اپنے ساتھ والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی گئی اور اس کرسی پہ بیٹھ گئی۔ ابو کی نظریں کپ پہ جمی ہوئی تھیں۔
''دیکھو بیٹا! اتنی جلدی فیصلہ نہیں لیتے۔''
''پہلے جلدی لیا تھا چاچو! اب سوچ سمجھ کر لیا ہے۔'' اس کی آواز میں نمی تھی، ارتعاش تھا۔
''مومنہ! وہ چھوٹی سی بات تھی۔''
''کوئی میرے چاچو سے بدتمیزی کرے۔ یہ چھوٹی بات نہیں۔''
چوہدری صاب نے کپ سے نظر ہٹا کر بیٹی کی طرف دیکھا۔
''کوئی ہمایوں کا گریبان پکڑے، یہ بھی چھوٹی بات نہیں۔''
ہمایوں کا جی چاہا کہ وہ اٹھ کر باہر چلا جائے اور سب سے چھپ کر رو دے۔ وہ مومنہ کو شاید کبھی سمجھ نہیں پایا تھا۔
''مل والوں اور زمین داروں کے بیچ ایسا ہو جاتا ہے۔'' یہ وہ چوہدری سلیمان یعقوب تھے، جن کو دنیا ان کے غصے سے جانتی تھی۔ جن کو اپنی انا اپنی عزت سب سے پیاری تھی۔ بھتیجی کے لیے وہ اتنا بڑا گھونٹ بھرے بیٹھے تھے۔
''جن سے رشتے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے بیچ ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو رشتے بنانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ فیصلہ کر کے آئی تھی۔
''رشتے یوں ختم نہیں کیے جاتے بیٹا!''
''رشتے یوں شروع بھی نہیں کیے جاتے چاچو! میں یہ سوچ کر کانپ جاتی ہوں کہ اگر آپ کی جگہ ابو ہوتے تو۔'' اس کی آنکھ سے آنسو گرا۔ ''کبھی آپ نے مجھے گل سے کم پیار کیا؟ کبھی سیفی چاچو نے مجھے عروہ حبہ سے کم پیار کیا؟ پھر آپ کو کیا لگا کہ آپ کی عزت مجھے کم عزیز ہے۔ جواب ہوا چاچو۔ اگر میری شادی ہو جانے کے بعد ہوتا تو میں تو کبھی آپ کا سامنا نہ کر پاتی۔ آپ کے پاس نہ بیٹھ پاتی۔ میں تو مر ہی جاتی چاچو۔''
چوہدری سلیمان یعقوب نے جلدی سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سب کی آنکھیں نم ہوئیں۔
چوہدری صاحب بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ہلکا سا مسکرائے۔ یہ رشتہ انہوں نے بیٹی کی خوشی کے لیے کیا تھا۔ ان کے ہاں رشتے بچوں کی پسند سے طے کیے جاتے تھے۔ بیٹی سے خاص طور پر اس کی رضا پوچھی جاتی تھی۔ پھر کبھی کچھ ایسا تھا کہ رشتہ والدین، رشتہ داروں، احباب کے توسط سے آتا ہے تو بات معتبر ٹھہرتی ہے۔ اگر رشتہ لڑکی کے اپنے توسط سے آتا تو نگاہ جھک سی جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ لڑکی کا کوئی سلسلہ تھا، تب ہی رشتہ آیا۔
کرنل حبیب اللہ جب رشتہ لے کر آئے تھے تب کچھ ایسا ہی وہ بھی جتا گئے تھے۔ چوہدری صاحب کو شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔ کچھ بہن نے بھی جتا دیا تھا کہ لڑکا مومنہ کی سہیلی کا بھائی ہے۔ کچھ وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ مومنہ اور اس لڑکے بیچ کوئی سلسلہ تو تھا جو اس نے رشتہ بھیج دیا۔ پھر جب مومنہ نے فیصلہ ان کی رضا پہ چھوڑا تو وہ شرمندگی کا احساس کچھ زائل ہوا۔ اور آج۔ آج انہیں اپنی بیٹی پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔
اگلے دن عامر کے گھر والوں کو بتا دیا گیا تھا کہ ان کی طرف سے رشتہ اب ختم ہے۔ عامر اور صالحہ کی

بہت کالز آئیں، مرمنہ نے نظر انداز کیں۔ عجیرہ نے ہاسٹل میں ایک بار کہا کہ وہ اپنا فیصلہ بدلنے پہ غور کرے مگر مومنہ حیدر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم پہلے دوست تھے۔ اب بھی دوست ہیں۔ اور بس۔"

باقی کا سال بہت عام سا گزرا۔ پڑھائی، ہاسٹل، گھر۔

ہمایوں کے اور اس کے بیچ چپ کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی تھی۔

digest library.com

اسود نے ایک نظر امت الشکور کی طرف دیکھا اور دوسری نظر ساتھ کھڑی لڑکی پہ ڈالی۔

وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ وہ رمیزا تھی ایک پاکستانی لڑکی، ایک وفاقی وزیر مشتاق علی احمد کی بیٹی۔ حکومت کسی بھی پارٹی کی ہوتی، مشتاق علی احمد اس کیبنٹ میں پایا جاتا۔ اسود کو وہ سیاستدان پسند نہ تھا۔ اور اس کی یہ بیٹی۔ پتا نہیں۔ اس بارے میں کبھی سوچا نہیں تھا۔ وہ کبھی کبھار نظر آتی تھی اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں۔ اور طلحہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ اور یوٹیوب سے ایک وڈیو بھی دکھائی چاہی تھی، جس میں وہ خاصی قابل اعتراض حالت میں ایک سوئمنگ پول میں کسی انگریز کے ساتھ تھی۔

اسود کو ماحول اور تربیت اچھی ملی تھی یا وہ خود ہی فطرتاً نیک تھا، وہ اس طرح کی لغویات میں کبھی پڑا نہیں تھا۔ نہ ہی اسے کسی کے بارے میں غیر معمولی تجسس ہوتا تھا۔ اس لیے رمیزا کے بارے میں بھی جاننے میں اس نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ اور آج جب امت الشکور اسے اپنے ساتھ لیے کھڑی تھی، اس نے پہلی بار شاید اسے اتنے قریب سے دیکھا تھا۔

وہ بہت خوبصورت تھی۔ لیکن اس کی خوبصورتی کو گرہن لگا رہا تھا اس کا لباس۔ اس نے جورٹ کے ساتھ شیل شرٹ پہن رکھی تھی۔ نظر اور سوچ کی بات ہے ورنہ وہیں کھڑے کئی مرد یہ سوچ رہے تھے کہ اس لڑکی کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا ہے اس کا لباس۔

"ایما۔ کبھی اپنے دوست کے ساتھ جوائن کرو ناں ہمیں۔" رمیزا نے عادت کے مطابق اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس "کلاس" کے اور اس "طرح" کے لڑکے شرمیلے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ہاتھ نہیں ملاتا۔ ہاں۔ سال گزر جانے کے بعد شاید رنگ ڈھنگ کچھ اور ہوتے۔

"شیور۔" ایما نے مسکرا کر سر ہلایا۔

دو چار باتیں کر کے رمیزا وہاں سے ہٹ گئی اور دور کھڑے گروپ کو جوائن کر لیا۔

"تم جانتے ہو، میں نے تمہیں اس سے کیوں ملوایا؟"

"کیوں؟" اسود نہیں جانتا تھا۔

"کیونکہ یہ خاصی بگڑی ہوئی ہے۔ شراب پیتی ہے، مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھتی ہے۔ مسلمان اوپر سے پاکستانی۔ بیچ بیچ۔ غلط بات ہے ناں، افسوس کا مقام ہے ناں۔" ایما سر ہلاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

اسود نے ناسمجھی کے انداز میں اسے دیکھا۔

"تم اس سے شادی کر لو۔"

اسود کو جھٹکا سا لگا۔ آخر وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی۔

"اس کو مزید بگڑنے سے بچا لو۔ اپنی اور اس کی دنیا اور آخرت سنوار لو۔" یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا تھا اور اسود کی سمجھ میں آیا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"تمہاری غیرت کو بھی تسکین ملے گی۔ ایمانہ سہی۔ رمیزا سہی۔ کسی ایک کو تو جہنم جانے سے بچایا تم نے۔ خیر۔ خیر رمیزا نہیں تو اور بھی دو چار لڑکیاں ہیں میری نظر میں جن کو۔۔۔"

"الف" اسود نے ہاتھ اٹھا کر اس کی چلتی ہوئی زبان کے آگے فل اسٹاپ لگایا۔

"کیا ہوا۔ برا لگا؟" وہ پھر ہنسی۔ اس کے

digest library.com

ہونٹوں اور آنکھوں کے گرد دبیز تہہ میں لکیریں سی پڑیں۔ اس وقت وہ اسود کو ہمیشہ سے زیادہ بری لگ رہی تھی۔

"مجھے تو لگا کہ تمہیں خوشی ہوگی۔ تمہیں خدمت خلق کا کسی ہم وطن بگڑی ہوئی ناری کو راہ راست پہ لانے کا موقع مل رہا ہے۔"

"میری غلطی تھی کہ میں نے تمہیں پرپوز کیا۔" اسے اس وقت واقعی افسوس ہو رہا تھا۔ کیوں وہ اس کے "احمل" ہونے کے چکر میں پڑا اور اب اپنا مذاق بنوا رہا تھا۔

ایما کو بے عزتی کا احساس ہوا بھی تو اس نے قہقہے میں چھپا لیا۔

"بڑی جلدی غلطی تسلیم کر لی۔ میں تو تمہارے جذبے سے متاثر ہوئی تھی اور سچ میں چاہتی تھی کہ تم ایک بگڑی ہوئی لڑکی کی زندگی بنا دو۔"

وہ اس کی نیت کی توہین کر رہی تھی۔ وہ اس کے خلوص کا مذاق اڑا رہی تھی۔ اسود کچھ دیر ہونٹ اور مٹھیاں بھینچے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر وہاں سے جانے کو مڑا۔

"اے۔ اے چوہدری۔" وہ اس کے پیچھے آئی۔

"ڈونٹ یو ڈیئر ٹو ٹاک ٹو می" وہ مڑا اور انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کیا۔

"بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔" وہ ڈھیٹ تھی بہت ڈھیٹ۔

اسود رخ موڑ کر چلنے لگا وہ پھر اس کے پیچھے آئی تھی۔

"میں تو تمہاری دوست ہو کر تمہارے من کی شانتی چاہ رہی تھی۔" وہ اس کی کیفیات کا مزا لے رہی تھی۔ اور دل میں کہیں یہ سوچ بھی تسکین دے رہی تھی کہ بھلے چوہدری اسود حیدر کہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ مگر وہ کرتا ہے۔ تبھی تو ہر لڑکی کے بارے میں سوچ نہیں لیتا۔ تبھی تو اس نے صرف اسے پرپوز کیا۔ کچھ تو ہے اس میں خاص۔

"تم میری دوست نہیں ہو۔" وہ اب مزید بولنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ اکسا رہی تھی۔

"پھر کیا ہوں؟"

وہ خاموش رہا اور قدموں میں تیزی آ گئی۔

"بولتے کیوں نہیں چوہدری۔" وہ پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

اسود کو تپش آیا۔ اس کی طرف مڑا اور اسے بتا دیا احمل کے بارے میں۔ سب کچھ۔

اس دن اس وقت امت الشکور کو سمجھ میں آئی تھی کہ اس میں کچھ خاص نہیں تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی امت الاحد اس میں کچھ خاص تھا۔

وہ ان دونوں کے بیچ آخری بات چیت تھی۔ اس کے بعد سال بھر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی تو نظر انداز کیا۔ جس دن وہ پاکستان لوٹ رہا تھا، اس نے خبر سنی تھی کہ ایما کینیڈا کی سٹیزن شپ کے لیے اپلائی کر رہی ہے۔

☆☆☆

"اور سنائیں بھابی! آپ کا کلائنٹ کیسا ہے؟" مرک کے لہجے میں شرارت وہ بن دیکھے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے۔" خولہ نے مسکراتے ہوئے سامنے پڑی دو تین فائلز میں سے ایک اپنے سامنے کھسکائی۔

"اسے کہیں کہ اس کی ماں اس کے لیے اداس ہے۔ گوٹھ کا چکر لگا لے۔"

"ماں۔ یا کوئی اور؟" وہ ہنسی۔

بات کرتے کرتے اس نے ربیعہ نجم کی فائل کھول کر اپنے سامنے کی اور از سر نو جائزہ لینے لگی۔ یہ اس کا آخری کیس تھا۔ اس کا فیصلہ آ جانے کے بعد وہ وکالت کو خیر باد کہہ دینے والی تھی۔ ضامن مصطفیٰ کو جب اس کے اس فیصلے کا علم ہوا تھا تو معترض ہوئے تھے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ جہاں سے اسے اعتراض کا خدشہ تھا وہاں چپ رہی تھی۔ بابا واقعی بدل سے گئے تھے۔ یا انہیں بھی اب لگتا تھا کہ وہ اس کام

digest library.com

سے اب انصاف نہیں کر پائے گی۔

وہ جب جب عبدالہادی کا چہرہ دیکھتی تھی اسے لگتا تھا کہ اسے اپنے نام کے ساتھ "ایڈووکیٹ" لگانے کا کوئی حق اب نہیں رہا۔ ضامن مصطفیٰ کے معترض ہونے پہ یہی جواب اس نے انہیں بھی دیا تھا۔ وہ بھی چپ ہو گئے تھے۔

تو یہ طے تھا کہ اب اس کے شوق اس کے جنون اس کے جذبے کو خیرباد کہنے کے دن قریب تھے۔ اس کے بعد وہ صرف "خولہ بنت زید" رہ جاتی۔

"خولہ بنت زید۔" اس نے زیرلب کہا اور جانے کیوں متبسم ہوئی۔ اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

"ایک تو اچھا سوچو برا سوچو۔ اچھا کرو برا کرو۔ ہر شے میں ہر کام میں ضامن مصطفیٰ خواہ مخواہ یاد آ جاتا ہے۔" اس نے جھنجلا کر فائل بند کی اور کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ اسی وقت لینڈ لائن فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے مرک کو اللہ حافظ کہہ کر سیل فون میز پہ رکھا اور ڈھیلے سے انداز میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ایڈووکیٹ خولہ بنت زید؟" دوسری طرف سے کنفرم کیا گیا۔

"جی ہاں، بات کر رہی ہوں۔"

"میں مرتضیٰ جمال بات کر رہا ہوں۔ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" نہایت شائستگی کے ساتھ بات کرنے والے نے مدعا بیان کیا۔

"پوچھ سکتی ہوں کس سلسلے میں؟" وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ اس کے پاس کوئی نیا کیس آنے والا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اس نے کس طرح مناسب الفاظ میں انہیں منع کرنا ہے مگر مرتضیٰ جمال کا جواب سن کر اسے جھٹکا لگا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"میرے پاس آپ کو بتانے کے لیے کچھ ہے۔" مرتضیٰ اب کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے پاس آ رہی ہوں۔ ایک ریکویسٹ ہے۔ کسی کو ہماری میٹنگ کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے۔"

"یہی میں بھی آپ سے کہنا چاہتا تھا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ خولہ نے سر ہلاتے ہوئے انہیں "اللہ حافظ" کہا اور جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ اس کے چہرے پہ سرخی تھی اور جانے کیوں اس کے ہاتھوں میں ہلکا سا ارتعاش اتر آیا تھا۔

☆☆☆

"چاچو۔"

حاشر بھاگتا ہوا آیا اور اس کی ٹانگ کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس نے جھک کر اس کے گال پہ بوسہ دیا۔ اور گھٹنوں کے بل چل کر بھائی کے پیچھے پیچھے آتی ایشال کو آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔

"تیار ہو؟" مومنہ اس کے لیے پانی لے کر آئی تو گلاس تھامتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جی۔" وہ مرجھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ اب وہ چوہدری نگر جانا نہیں چاہتی تھی۔

"چاچو! میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے؟" یہ حاشر کی وہ فرمائش تھی جو بہت کم پوری ہوتی تھی۔

"دعا کرو تمہارے پاپا کو چھٹی مل جائے پھر چلیں گے ناں۔ مہر کو دیکھنے ایک فیملی آ رہی ہے اگلے ہفتے۔ امی نے بلایا ہے۔ کہہ رہی تھیں میرا ہونا ضروری ہے۔" رباب نے دانستہ یہ ذکر کیا اور غور سے اسود کا چہرہ بھی دیکھا جو بے تاثر رہا۔ اکثر شادی شدہ عورتوں کی طرح اچھے کماؤ دیور کو دیکھ کر بہن کا خیال ہی آتا تھا۔ اور یہاں تو معاملہ بہن کے دل کا اس کے سپنوں کا بھی تھا جس کے رشتے آتے اور وہ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر ریجیکٹ کر دیتی۔ ایک دفعہ رباب جو میکے گئی تو اس کے پیچھے پڑ گئی کہ وجہ بتائے۔ اور بہن سے کوئی کب تک چھپا سکتا ہے۔ وہ رو دی تھی۔

"رباب! اللہ کی قسم احتل کے بھائی کو وہ کال میں نے نہیں کی تھی۔" اس شام کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"کون کر سکتا ہے وہ کال؟" رباب نے سوچا تھا۔ آ جا کر خیال امی کی طرف جاتا لیکن امی پوڑھی

چڑھ کر چھت پہ جا کر بات نہیں کر سکتی تھیں۔ رباب نے بعد میں یاسر سے بھی ڈسکس کیا تھا مگر دونوں کو کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"رباب پکا بتاؤ ناں۔ پھر میں آج نہیں جا رہی واپس۔ تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔" مومنہ کو موقع ملا تھا فرار کا۔ وہ رباب سے پوچھ رہی تھی۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"اپنے بھائی کو فون کر کے پوچھ لو۔ مجھے تو صحیح بتاتے نہیں۔"

مومنہ یاسر کو کال کرنے لگی تھی۔ وہ شاید مصروف تھا۔ کال پک نہیں کی تھی۔ وہ دوبارہ ٹرائے کرنے لگی جب اسکرین پر ہمایوں کا نام جگمگایا۔ کچھ دیر تو اس کشمکش میں رہی کہ کال اٹینڈ کرے یا نہیں۔ پھر ریسیو کر لی۔

"اسود کہاں ہے۔ موبائل بند کیوں جا رہا اس کا؟"

"شاید چارجڈ نہیں ہے۔" مومنہ نے اسود کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا، جو ٹی وی ٹرالی کے پاس کھڑا چارجر کا اڈاپٹر ساکٹ میں لگا رہا تھا۔

"اچھا۔ تائی پوچھ رہی ہیں، کس ٹائم نکلو گے؟"

"تین بجے والی بس پہ۔"

"اچھا۔ صدر نہیں جانا، خوا مخواہ گھنٹہ زیادہ لگ جاتا ہے۔ قائد آباد سے بیٹھنا۔ میں سیٹیں رکھوا دیتا ہوں فون کر کے۔" اس کے اس طرح کے رابطے بہت تھے۔

"ابھی ایک ہی سیٹ رکھواؤ۔۔۔ میں شاید نہیں آؤں گی۔"

"کیوں؟" بے اختیار ہمایوں کے منہ سے نکلا اور پھر دونوں طرف طویل خاموشی کا وقفہ آیا۔

"ہمایوں پوچھ رہا ہے، سیٹ رکھوا دے تین بجے والی بس میں؟" اس کی آواز میں لرزش تھی جو اسود نے محسوس کی اور چوہدری نگر میں بیٹھے چوہدری ہمایوں سلیمان نے بھی۔

"ہاں۔ اور اس سے پوچھو کہ علی سے بات ہوئی

بل کے سلسلے میں؟ ٹھہرو میری بات کرواؤ اس سے۔" اسود اس کی طرف آیا اور اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

"بتا انٹرویو کیسا رہا؟"

"بہت اچھا۔" بات کرتے کرتے اسود کی نظر ٹی وی اسکرین پہ پڑی اور نظریں چند لمحوں کے لیے اسکرین پہ نظر آتے چہرے پہ جم سی گئیں۔

"ایما! آپ کا پیغام نوجوان نسل کے نام کیا ہو گا؟"

digest library.com

"میں انہیں کہنا چاہتی ہوں کہ اپنے خواب پورے کریں۔ مشکلیں بھی آئیں گی، رکاوٹیں بھی کھڑی ہوں گی۔ لیکن یاد رکھیں کہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ وہ صرف اور صرف آپ کی ہے۔ دنیا کی پرواہ چھوڑ دیں۔" امت الشکور عرف ایما کے فرمان جاری تھے۔

اسود نے بمشکل بات مکمل کی اور موبائل مومنہ کو لوٹایا۔

وہ پاکستان آنے کے بعد پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ یونیورسٹی فرینڈز کے گروپ میں اس نے یہ ذکر سنا تھا کہ ایما اب دھوم مچانے والی ہے۔ اس کے فوٹو شوٹ میں سے ایک دو تصویریں بھی کسی نے شیئر کی ہوئی تھیں مگر ٹی وی پہ اسے پہلی بار دیکھا تھا۔

بلاشبہ اسکرین پہ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ لب و لہجہ پہلے سے زیادہ بناوٹی ہو گیا تھا۔

بہت سے مناظر اسے یاد آئے۔ اور پھر وہ آخری گفتگو۔ ایک بار پھر وہ موازنہ کرنے لگا تھا۔

ایک یہ اصل تھی اور ایک وہ اصل تھی۔

☆☆☆

خولہ نے اپنے سامنے بیٹھے بندے کو غور سے دیکھا جس کا چہرہ اس کے اندر چلنے والی جنگ اور اس کی کیفیت کا غماز تھا۔ جس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔

"تو اب آپ کی بیوی کو ڈراؤنے خواب نہیں آتے اور وہ روتے روتے چیخ کر اٹھ کے نہیں بیٹھتی۔"

"علاج کے بعد سے بہتری آئی ہے کافی۔"

"ہوں۔ بہتری آ گئی ہے۔" خولہ نے ناخن سے میز کی سطح کو بجاتے ہوئے سر ہلایا۔ "تو اب کیا مسئلہ ہے؟"

"اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے نیند نہیں آتی۔" مرتضیٰ جمال بے بسی کی انتہا پر محسوس ہوئے۔ خولہ سے چند لمحے بولنا مشکل ہوا۔

"کیوں؟" وہ جواب جانتی تھی پھر بھی تلخ سے لہجے میں پوچھا۔

"آنکھیں بند کرتا ہوں تو وہ لڑکی میرے سامنے آجاتی ہے۔"

"جب وہ لڑکی آپ کی بیوی کے خوابوں میں آتی رہی۔ تب آپ نے بیوی کا علاج نہیں کروایا۔ تب آپ۔"

"اس کا علاج کروایا تھا میں نے۔ بتایا تو آپ کو سائیکاٹرسٹ ہما فاطمہ کے پاس۔" مرتضیٰ جلدی سے بولا۔

"تو اب آپ بھی کیوں نہیں چلے جاتے سائیکاٹرسٹ ہما فاطمہ کے پاس۔" خولہ نے تیزی کے ساتھ ان کی بات کاٹی۔ وہ کچھ بول نہ پایا۔

"کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا علاج کوئی بھی ماہر نفسیات نہیں کر سکتی۔ انسان بھی خوب شے ہے۔ جب تک خود کسی کیفیت سے نہیں گزرتا کسی اور کی اذیت کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔"

مرتضیٰ نے سر جھکا لیا۔

"میرا مقصد آپ کو طعنے دینا نہیں مگر میں آپ کو احساس دلانا چاہتی ہوں کہ آپ نے زیادتی کی۔ نا صرف اپنی بیوی کے ساتھ بلکہ کسی اور کے ساتھ بھی۔"

"اپنی اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں میں۔" مرتضیٰ نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سوچ لیں۔ مشکل کام ہے۔"

"سوچ لیا ہے۔ مجھے اپنا علاج کروانا ہے۔ اور میرا علاج سچ کو نہ چھپانا ہے۔" مرتضیٰ کا لہجہ مضبوط تھا۔

☆☆☆

"مہر! اب تم نے کچھ اچھا پکانا چھوڑ دیا ہے کیا؟" ہمایوں نے موٹر سائیکل صاف کرتے ہوئے پاس سے گزرتی مہرتاب سے پوچھا۔

"اب اور بہت کام ہوتے ہیں؟"

"اور بہت کاموں کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکانا چھوڑ دیا جائے۔"

"پکاتی تو ہوں۔"

"اچھا نہیں پکاتی ہو۔"

"اپنی بہن کو سکھاؤ اچھا پکانا۔" وہ چڑ ہی تو گئی۔ ایک تو امی کے گھٹنے اب بالکل ہی جواب دے گئے تھے۔ سہارے سے بمشکل چل پاتی تھیں۔ اوپر سے بھابی کے اوپر تلے کے تین بچوں کے کام کے نام پہ بہانے ہی بہانے۔ ہر کام اس پہ آپڑا تھا۔ یہ سب بھی بوجھ نہ تھا، اصل بوجھ تو سینے پہ دھرا تھا جس کی وجہ سے کھل کے ہنس پاتی تھی نہ جی پاتی تھی۔

"ہمایوں۔" وہ اس کے قریب ہوئی۔

"ہوں۔" اس نے اپنی موٹر سائیکل سے نظر ہٹائے بغیر ہنکارا بھرا۔

"جب مومنہ نے کیپٹن عامر سے منگنی کر لی تھی تو تمہیں کیسا لگتا تھا؟"

"آج پوچھ رہی ہو جب وہ منگنی رہی نہیں۔"

"تب اپنا دل نہیں ٹوٹا تھا ناں۔ کسی اور کے گھاؤ نظر نہ آتے تھے۔" اس نے سوچا اور آنکھوں میں آنے والی نمی کو چہرہ پھیر کر جانے کس سے چھپانا چاہا۔

"ویسے مجھے لگتا تھا تمہیں اتنا فرق نہیں پڑا۔ ویسے ہی ہنستے رہتے ہو، دوسروں کے دماغ کھاتے رہتے ہو۔"

"ہاں صحیح کہتی ہو۔ فرق تب نہیں اب پڑا ہے۔ منگنی اس سر پھری نے توڑی ہے۔ اب مجھ پہ نظریں رکھ کے بیٹھی ہے۔ اُف پتا نہیں کیا ہوگا۔ میرا۔ اپنی ماں کا اکلوتا۔ یعنی اکلوتا بڑا بیٹا۔ اس جادوگرنی کے چنگل میں پھنس گیا تو۔ ہائے نی مائیں میں کیہوں

digest library.com

آ کھاں۔" چوہدری ہمایوں سلیمان اور بھی سیدھا جواب دے جائے۔ ناممکن۔

وہ پیر پٹخ کر اندر مامیوں کے پاس چلی گئی۔ ہمایوں نے مٹی سے بھرا کپڑا ایک طرف ڈالتے ہوئے جاتی ہوئی مہرتاب کو دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔

ساتھ ساتھ پلنے بڑھنے والے کزنز ایک دوسرے کے دل سے اکثر واقف ہوتے ہیں۔ اور ہمایوں جیسے بظاہر لاپرواہ دکھنے والے تو بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ وہ بھی جانتا تھا اس کے دل کا عالم۔ جب اعتل تھی تو وہ مہرتاب کے قدم اور اس کا دل پلٹ جانے کی دعا مانگا کرتا تھا۔ اب جب اعتل نہیں رہی تھی تو اس نے یہ دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔ اسے لگتا تھا اب اسود کی زندگی میں رنگ مہرتاب کی محبت ہی بھر سکتی ہے۔ مگر اسود۔ وہ اب بہت گہرا ہو گیا تھا۔ من کی من میں رکھتا تھا۔ وہ تو کسی اور اعتل سے شادی کرنے چلا تھا۔ پھر وہ بات بھی پانی کا بلبلہ بن گئی۔ جب واپس آیا تھا وہ تو ہمایوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ٹال گیا تھا۔

"میسنا نہ ہو تو۔" موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ بہرحال اس نے سوچ لیا تھا کہ اسود آجائے تو وہ اس سے مہرتاب کے بارے میں بات کرے گا۔ اور مومنہ آجائے تو۔ تو اس سے بھی کرنی تھی بڑی ضروری بات۔

اندر کمرے میں ارم کے پاس بیٹھی مہرتاب بھی سوچ رہی تھی کہ وہ بھی کرے گی ہمت اسود سے بات کرنے کی۔ جس بات پہ وہ اس سے متنفر بیٹھا ہے، اس کی معافی مانگ لے گی۔ اس نے اعتل کا خون نہیں کیا تھا کہ معافی نہ ملتی۔ اب کے رشتہ جو آیا تھا تو لگتا تھا کہ امی ابو فیصلہ کر ہی ڈالیں گے۔ لڑکا اچھا کماتا تھا۔ شکل وصورت بھی ٹھیک تھی۔ تائی، تایا عمرہ سے لوٹ آتے تو ان کے ساتھ لڑکے والوں کا ارادہ گھر آنے کا بھی تھا۔ جب بھی امی ابو، بھائیوں یا مامیوں میں سے کسی کے ساتھ اس رشتے کی بات کرتیں تو اس کا دل ڈوب ڈوب جاتا۔

"اسود کا انٹرویو بڑا اچھا ہوا ہے۔۔۔ بتا رہا تھا۔" ارم بچوں کے بکھرے ہوئے کھلونے سمیٹتے ہوئے بتا رہی تھی۔ وہ چونک کر اپنے خیالوں سے نکلی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"رفعت پاپی تو بڑی سیریس لگتی ہیں سیریز کے لیے۔ آج کل بڑے فون شون کیے جا رہے ہیں اپنے پاپی پاپی کو۔" ارم نے ماہا کے کھلونے سمیٹتے ہوئے اپنا اندازہ لگایا۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے مضطرب سی لگی۔ سب کی طرح وہ بھی جانتی تھی کہ رفعت جہاں مامی نے کبھی اسود کے حوالے سے اس کے لیے سوچا نہیں۔ انہوں نے نند کی ایک بیٹی لے لی، بہت تھا۔

"مامی نے کبھی میرے لیے سوچا نہیں۔ ان کے بیٹے نے کبھی میرے لیے کچھ محسوس کیا نہیں۔ پھر میں کیوں پاگل ہوئی رہتی ہوں۔ کس آس امید پہ خواب دیکھتی رہتی ہوں۔" اس نے خود کو جھڑکا۔ اور عہد کیا کہ اب وہ عشق کی اوکھی لمی راہ سے قدم موڑ لے گی۔ لاحاصل آبلہ پا مسافتیں طے نہیں کرے گی۔

خود سے کیا یہ عہد چھبیس منٹ تک قائم رہا اور ستائیسویں منٹ جب ولی مومنہ آپی، اسود بھائی کے نعرے لگاتا سرمئی گیٹ سے اندر داخل ہوا تو اس کا دل اسی رفتار سے دھڑک رہا تھا، جس سے اسود کے نام پہ دھڑکا کرتا تھا۔ اس کے چہرے پہ وہی رنگ بکھرا کرتے تھے جو اسود کے نام پہ بکھرا کرتے تھے۔

"کیسی ہو مہر؟"

بچوں نے مومنہ کے گرد اکٹھے ہو کر اپنے تحائف دیکھتے ہوئے اودھم مچا رکھا تھا، جب اسود نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس سے اس کا حال پوچھا۔ اس کا لہجہ ویسا ہی نرم تھا۔ اس کا انداز ویسا ہی مہذب تھا۔ مگر وہ ویسا نہیں تھا۔ مہرتاب جانتی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اب اس سے بات کرتے ہوئے وہ اپنی لٹ نہیں سنوارا کرتی تھی۔ اب مضطرب سے انداز میں انگلیاں چٹخاتی تھی ہونٹ چباتی تھی۔

اسود نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے

digest library.com

ہوئے ایک نظر اس پہ ڈالی اور پھر بچوں کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

ضامن مصطفیٰ نے حیرت کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ پہلی بار ایسی کسی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔ انہیں لگا کہ انہوں نے کچھ غلط سنا ہے۔

"جواب نہیں دیا آپ نے؟" اس نے ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہیں آئینے میں دیکھا۔ اور جیسے ان کی کیفیت اسے مزا سا دے گئی۔ ہلکا سا تبسم لبوں پہ اترا۔

"مجھے آپ کا سوال ہی سمجھ میں نہیں آیا؟"

"اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا میں نے۔" وہ مڑ کر ان کے قریب آئی۔ "بڑا سادہ سا آسان سا سوال ہے۔ آج آپ میرے ساتھ کورٹ چلیں گے؟" وہ بازو پہ بازو رکھے عین ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیوں؟" وہ پوچھے بنا رہ نہ سکے۔

"یونہی۔ میرا دل چاہ رہا ہے۔" آج اس کے انداز ہی بدلے بدلے سے تھے۔

"کورٹ ہی کیوں۔ لے کر چلنا ہے تو کہیں اور لے کر چلیں۔ جیسے دور کہیں وادیوں میں۔ پہاڑوں کے اوپر۔ جھرنوں کے پاس۔" ضامن مصطفیٰ کو بھی انداز بدلنے میں دیر نہ لگی۔

خولہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ جواب بن نہ پڑا تو اپنا بیگ اٹھانے کے لیے مڑی۔ اور پھر ٹھٹکی۔ ضامن مصطفیٰ نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"ارے کیا پہاڑ وادیاں اور جھرنے۔ اذن ہو تو قبر میں بھی اترنے کو تیار ہیں۔" ان کے لب و لہجے میں سنجیدگی نہ تھی مگر خولہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"قبر میں اترنے کا حکم آپ دیتے ہیں۔ میں ایسی سنگ دل نہیں۔"

"آپ کتنی سنگ دل ہیں۔ یہ ضامن مصطفیٰ سے بہتر کون جانتا ہے۔"

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

"ہاں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ کبھی کبھی دیر ہو جائے تو خالی ہاتھ ملنے پڑتے ہیں۔"

"میرا بازو چھوڑیں۔"

"ایک شرط پر۔"

اس نے جھنجلا کر ان کی طرف دیکھا۔ جیسے پوچھ رہی ہو "اب کیا؟"

"بازو چھوڑوں گا تو ہاتھ پکڑوں گا۔" وہ واپس اپنے انداز میں لوٹ آئے۔

"مجھے کورٹ پہنچنا ہے۔ یہ وقت رومانس کا نہیں۔"

"اچھا تو کون سا وقت رومانس کا ہے؟"

"کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔" اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

ضامن مصطفیٰ نے ہنستے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس نے جلدی سے بیگ اٹھایا اور نکلنے لگی۔ جب پیچھے سے آواز آئی۔

"مجھے دس منٹ لگیں گے تیار ہونے میں۔ انتظار کرو۔"

"کیوں نہیں ضامن مصطفیٰ۔ یہ دن دیکھنے کے لیے اتنا انتظار کیا ہے، دس منٹ اور سہی۔" وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

بارش دوپہر سے ہو رہی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی صبح سے۔ بچے جو گیلے جوتے لے کر برآمدے میں چلے آتے تو پورا برآمدہ گیلا ہو جاتا۔ اور ہمایوں جیسا بچہ تو باہر سے آتا تو کیچڑ بھرے جوتے بھی برآمدے میں لیے پھرتا۔ لاکھ وہ واویلا مچا لیتی، اس نے پاؤں اور جوتے باہر لگے نلکے پہ دھو کر نہیں آنے ہوتے تھے۔ اور نہ ہی جوتے برآمدے سے باہر اتارتا تھا۔ وہ چلاتی رہتی تھی وہ زچ کر کے مزے لیتا تھا۔ ہاں ایسا ہی ہوتا تھا۔ مگر آج دوپہر سے جو آسمان سے جھڑی لگی، اور وہ بھیگا ہوا گھر آیا تو مومنہ نے اسے بھی دیکھا، اس کے مٹی سے بھرے پاؤں بھی اور خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رات جو تھوڑی دیر کے لیے نکلی تو اپنا کھانا لے کر پھر کمرے

میں چلی گئی۔

رات کے دس بجے تھے اور چوہدری نگر میں دس بجے کا مطلب تھا آدھی رات۔ ہاں تو رات کے دس بجے تھے جب دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس وقت اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ آنے والا ہمایوں ہوگا۔ وہ ان کے کمرے میں بہت کم آتا تھا۔ فاطمہ کے ہوتے ہوئے بھی نہیں آتا تھا۔ آواز دے کر باہر بلا لیتا تھا۔ آج اندر آیا اور وہ بھی رات کے اس وقت۔ وہ حیران ہوتی ہوئی اپنے پلنگ پہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"آج تو بارش تمہیں رکنے والی۔" وہ فاطمہ کے پلنگ کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

مومنہ نے دیکھا اور حیرت سے پھر دیکھا۔ اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور جوتا بھی صاف ستھرا تھا۔ ہاں بال ہلکے ہلکے گیلے لگ رہے تھے۔

"انجمن آٹا لینے آئی تھی، دے دیا تھا؟"

"ہاں۔ امی نے دیا تھا۔"

"اچھا۔" اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ "پتا نہیں ماہا کا بخار ہلکا ہوا کہ نہیں؟"

"اب فرق پڑا ہے۔ سو گئی تھی میڈیسن لینے کے بعد۔"

نہ وہ اس طرح سے ان موضوعات پہ بات کیا کرتا تھا نہ ہی وہ بردباری سے یوں جواب دیا کرتی تھی۔ اور رات کے دس بجے وہ بھی ایسی باتیں وہ بھی اس کے کمرے میں۔

مومنہ نے الجھن بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

وہ کیوں آیا تھا اس کے کمرے میں؟

اسی وقت ہمایوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ اور پھر پتا نہیں کیوں کئی لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ باہر کہیں پھوار پڑتی رہی اندر کہیں من بھیگتا رہا۔

"اتنے دن کیوں لگا دیئے تھے کراچی میں۔" اس نے بمشکل من ماہی سے نگاہ ہٹا کر کھڑکی میں لگے پردے پہ مرکوز کی۔

وہ سوچنے لگی۔ کہا کہے۔

"رباب نے روک لیا تھا یا اسود کا انٹرویو ہی پرسوں ہوا تھا یا پھر۔"

"تم چلی جاتی ہو تو گھر خالی سا لگتا ہے۔" اس کی نظریں ادھر اُدھر سے بھٹک کر پھر اس پہ آ رکیں۔

سیاہ لباس میں زرد سا پھول لگ رہی تھی۔

"اتنے افراد ہیں تو گھر میں۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔

"ہاں ہیں تو۔ مگر مومنہ حیدر ان میں سے کوئی بھی نہیں۔"

پہلے چوہدری ہمایوں سلیمان کا لہجہ بھیگا پھر مومنہ حیدر کی آنکھیں۔

"رات ہو رہی ہے۔ جاؤ۔" اسے لگا کہ وہ کمزور پڑ جائے گی، اس لیے اسے کمرے سے نکالنا چاہا۔

"ڈرتی ہو۔ بدنامی ہو گی۔ اچھا ہے ناں ہو جائے۔" وہ ہنسا۔ وہ نمی جس میں اقرار تھا، وہ اب بھی اس کے لہجے سے جھلکتی تھی۔

"ہمایوں۔"

"مومنہ۔"

دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا، پکارا اور پھر دیکھتے ہی رہ گئے۔

☆☆☆

لاریب لاریب لاریب ۔ امت الاحد کا احد ہے۔

عبدالہادی نے جانا اور خوب جانا۔

اس کے سامنے مرتضیٰ جمال کھڑا تھا اور پراسیکیوٹر اس سے جرح کر رہا تھا۔ وہ بہت مضبوط لہجے میں اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں ایڈووکیٹ خولہ بنت زید نے اس سے ہزار ہا بار پوچھا تھا اور ہر بار اس کا جواب نفی میں تھا۔ اس نے کسی ایسی سفید گاڑی کو نہیں دیکھا تھا جو اس رات ان کی گاڑیوں کے پاس آ کر رکی اور پھر اسی وقت وہاں سے نکل گئی۔ ڈر اور خوف کے مارے۔ اس گاڑی میں بیٹھے لوگوں نے امت

digest library.com

الاحد کا قتل ہوتے دیکھا تھا۔ اور قاتل کو بھی دیکھا تھا۔

عبدالہادی نے عرصے سے تھکی آنکھیں چند پل کے لیے موند لیں۔

"پرفیکٹ کرائم۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ مجرم اور خاص طور پر قاتل ایسا نشان ضرور چھوڑتا ہے جو اس کے ہاتھ کی ہتھکڑی اور گلے کا پھندا بنتا ہے۔" ایڈووکیٹ خولہ بنت زید اسے حوصلہ دینے کے لیے کہا کرتی تھی۔ اور جانے کیوں اسے لگا کرتا تھا کہ ہاتھ کی ہتھکڑی اور گلے کا پھندا جگدیش مہیشوری اور صبغت اللہ جیسے لوگوں کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ بھی شودر، اچھوت، کمی کمین کا زیور ہیں، ان کے ہاتھ اور گلے میں ہی سجتے ہیں۔ مگر آج اسے لگ رہا تھا کہ وہ ذات جس نے ان سب کو پیدا کیا، وہ کوبی بھیل سے بھی اتنا ہی پیار کرتی ہے جتنا کسی ارباب کسی مہیشوری سے کرتی ہے۔

مرتضیٰ جمال بتا رہا تھا کہ وہ اس رات اپنے ماں باپ کے گھر سے اپنی بیوی کے ساتھ لوٹ رہا تھا۔ رات دیر سے نکلے اور راستے میں گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے رات سفر میں گزر گئی۔ اور فجر سے کچھ پہلے وہ کراچی میں داخل ہوئے تھے۔ اور چند ہی منٹ بعد وہ جان لیوا منظر دیکھنے کو ملا۔ اس نے بہت واضح الفاظ میں بتایا کہ اس نے جگدیش مہیشوری کو امت الاحد پہ فائرنگ کرتے دیکھا۔ اس نے اس ہتھیار کا نام بھی بتایا جو قاتل کے ہاتھ میں تھا۔

جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ وہ اتنا عرصہ خاموش کیوں تھا تو اس کے جواب نے کمرہ عدالت میں گہری خاموشی کروادی۔

"پہلے ہم ڈر گئے تھے۔ ہم اس وقت نہیں جانتے تھے کہ مرنے والی کون تھی، مارنے والا کون تھا۔ اگلے دن کی خبروں سے معلوم ہوا۔ اور یہ بھی پتا چلا کہ جس پر اس قتل کا الزام لگایا جا رہا ہے، وہ تو قاتل ہے ہی نہیں۔ وہ تو گولی چلنے کے بعد اس لڑکی کی طرف بھاگا تھا۔ اس کی بانہوں میں تو وہ لڑکی گری تھی۔"

عبدالہادی نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔

کرایا تو جگدیش مہیشوری بھی تھا۔

اس کا ساڑھے تین سال کا ڈر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے لگتا تھا۔ لگتا تھا اسے کہ کبھی نہ کبھی زمین کے کسی کونے سے یہ گاڑی نکل آئے گی جس میں بیٹھے افراد اس رات کے گواہ تھے۔ جس میں بیٹھی کسی عورت کی چیخ بھی اس نے سنی تھی۔ شروع کے دو سال اس نے سفید رنگ کی کار کے بارے میں معلومات لینے کے لیے پوری قوت صرف کر دی تھی جس کی اس نے بس ایک جھلک دیکھی تھی۔ وہ اس کا نمبر نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ اس میں بیٹھے لوگ اور ان کی تعداد نہیں دیکھ پایا تھا۔ اس نے گاڑی کا رکنا بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ہاں۔ نسوانی چیخ سن کر مڑ کر ضرور دیکھا تھا اور اس گاڑی کو تیزی سے دور جاتے بھی دیکھا تھا۔

"ہم نے وہاں کچھ غلط ہوتا دیکھ کر گاڑی روکی تو تھی مگر یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے اور گاڑی بھگا لی۔ میری بیوی بولنا چاہتی تھی سچ۔ میں نے اسے بھی روک دیا۔ ہم کسی ایسے چکر میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ پولیس کے سوال، عدالت کے چکر، قاتل کی دھمکیاں۔ میں اپنی پرسکون زندگی میں کوئی وبال نہیں چاہتا تھا۔ مگر کیا ہوا۔ کہ زندگی پھر پرسکون رہی نہیں۔" مرتضیٰ نے بتاتے ہوئے اپنی عینک اتاری۔ پھر چڑھائی۔

"سچ کو پی پی کر میری بیوی کی حالت بری ہونے لگی۔ اس کو لگتا تھا کہ ہماری گواہی امانت ہے۔ ہمیں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ میں ڈانٹ کر کبھی پیار سے اسے نتائج سے خبردار کرتا۔ وہ راتوں کو ڈر کر اٹھتی تھی۔ چلاتی تھی۔ پھر۔ پھر اس نے سونا ہی چھوڑ دیا۔ اور بولنا بھی چھوڑ دیا۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی اتری۔ عینک اتار کر اس نے آنکھوں کو مسلا۔

"میں وہ اخبار اس سے چھپانے لگا جس میں اس کیس کے بارے میں چھوٹی سی خبر بھی ہوتی تھی۔ مجھے امر کوبی نام کے لڑکے کی فکر ہوتی تھی مگر میں اپنی زندگی تو خراب نہیں کر سکتا تھا ناں۔ بیوی کا ایک سائکاٹرسٹ ہما فاطمہ سے علاج ہوا۔ اتنا فرق نہیں پڑا۔ وہ ویسی ہی رہی گم صم سی۔ پھر ہمیں شادی کے چار سال بعد اولاد کی خوشخبری ملی تو میری بیوی کی حالت میں بہتری آئی۔ اور

میری۔ میری حالت خراب ہوگئی۔" اس نے اضطراب میں عینک لگائی پھر اتار لی۔

"مجھے نیند نہیں آتی اب۔ ایسا لگتا ہے کوئی انصاف کے لیے میری راہ تک رہا ہے۔ اس حالت پہ بھی قابو پالیتا میں۔ مگر۔ ایک سوال ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتا۔ کل میرا بچہ بڑا ہوگا۔ تو اسے کیا سبق پڑھاؤں گا میں۔ کیا اسے بھی بہادر بننے کا اور سچ بولنے کا درس دے سکوں گا۔ جبکہ اس کا اپنا باپ دنیا کا بزدل ترین انسان ہو۔"

فائقہ جو غور سے شوہر کو دیکھ رہی تھی، رو پڑی۔ پھر اسے گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس کا رنگ پیلا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ جیسے عرصہ دراز تک بیمار رہی ہو۔ ساڑھے تین سال قبل کی وہ رات آج بھی اس کے حواسوں پہ سوار تھی۔ دو سال تک اس کا علاج ایک ماہر نفسیات کے پاس چلا تھا۔ اور یہی نقطہ پراسیکیوشن کے لیے ہتھیار بنا۔

"یور آنر! جو عورت ذہنی طور پر بیمار ہو، اس کی گواہی کس طرح قبول کی جاسکتی ہے؟"

"آبجیکشن یور آنر۔" ایڈووکیٹ اعظم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "گواہ فائقہ مرتضیٰ کی یہ حالت 4 نومبر کی اس رات وہ المناک حادثہ دیکھنے کے بعد ہوئی۔ ان کی معالج ڈاکٹر ہما فاطمہ ہیں جن کے پاس فائقہ مرتضیٰ کے پہلے وزٹ کی ڈیٹ اور ہر سیشن کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس رات سے پہلے گواہ ایک نارمل اور خوشگوار زندگی گزار رہی تھی۔"

جگدیش مہیشوری کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے تھے۔ آج اس کا دن نہیں تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر ضامن مصطفیٰ کے ساتھ بیٹھی خولہ کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں میں جیت کی چمک تھی۔ بظاہر وہ یہ کیس چھوڑ چکی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ آج ڈیفنس لائر کے لہجے کا اعتماد اس کی اپنی کسی کوشش کا مرہون منت نہیں تھا۔ اس کے پیچھے یہی ایڈووکیٹ خولہ بنت زید کھڑی تھی۔ اس نے پس منظر میں رہ کر زیادہ بہتر طریقے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

digestlibrary.com

سے کام کرلیا تھا۔اس نے دل ہی دل میں اسے گالی دی اور پھر عدالتی کارروائی کی طرف متوجہ ہوا۔اور اس بات پہ مہری لگتی محسوس ہوئی کہ آج واقعی اس کا دن نہیں تھا۔

''ضامن مصطفیٰ۔ کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟'' خولہ نے جگدیش مہیشوری سے نگاہیں ہٹا کر ساتھ بیٹھے ضامن سے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''مجھے بے گناہ کو آزاد ہوتے اور مجرم کو سزا ملتے دیکھ کر کبھی برا نہیں لگتا مسز۔'' انہوں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا تو خولہ کو ہنسی آگئی۔

''اچھا۔جس دوست کو بچانے کے لیے محبت و اتفاقات کا پورا سلسلہ چلایا گیا، وہ بچ پھر بھی نہیں پایا۔''

ضامن ہونٹ بھینچ گئے۔یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ وہ پھر سے صفائی دیتے۔ان کی بیوی بھی ایسی نہیں تھی کہ صفائی قبول کرلیتی۔

دوسری طرف عبدالہادی اب تک حیران بیٹھا تھا۔اس رات اسے سوائے احمل کے کچھ نظر نہ آیا تھا۔

وہ جا رہی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، اس احساس کے علاوہ کوئی احساس باقی نہ رہا تھا۔

وہ کلمہ شہادت پڑھ رہی ہے۔۔۔اس کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیا تھا۔کوئی گاڑی رکنے کی آواز، کوئی چیخ۔کچھ بھی تو سنائی نہ دیا تھا۔

عدالت نے حکم دیا تھا کہ جگدیش مہیشوری کو حراست میں لے کر کیس کی نئی سرے سے تفتیش کی جائے۔فائقہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔وہ لڑکی جس پر اس نے گولیاں چلتے دیکھی تھیں، آج اس کی امانت اس تک پہنچا دی تھی۔

جگدیش نے منہ ہی منہ میں کچھ گالیاں بکتے ہوئے ان چہروں کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔عبدالہادی، مرتضیٰ جمال، ایڈووکیٹ اعظم اور ایڈووکیٹ خولہ بنت زید۔ہر چہرے پہ سنجیدگی تھی اور خولہ بنت زید کے لبوں پہ مسکراہٹ۔تپا ڈالنے والی مسکراہٹ۔وہ قدم قدم بڑھاتی اس کی طرف آئی۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا ناں جگدیش مہیشوری کہ تمہاری بہن کے قاتل کو ضرور سزا ملے گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر لفظ لفظ چبا کر بولی۔''بھلے ابھی کہانی لمبی ہے۔جانے کب تک کیس چلے مگر یقین کرو تمہاری بہن کو انصاف ضرور ملے گا۔''

بہت بری لگتی تھیں جگدیش مہیشوری کو ایسی دوسرے کو نیچا دکھاتی، اترائی ہوئی، چیلنج کرتی ہوئی عورتیں۔اس نے تو لاجونتی جیسی پراعتماد بہادر لڑکی کے کس بل نکال دیے تھے۔

وہ ضمانت پہ باہر آتے ہی اس کو بھی سبق ضرور سکھائے گا۔اس نے عہد کیا تھا۔

''ویسے۔'' خولہ جاتے جاتے مڑی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔''عبدالہادی تو دیوانہ ہے اسے اس رات امت الاحد کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیا۔تم نے تو کوئی سفید مہران دیکھی ہوگی اس رات۔کسی عورت کی چیخ بھی سنی ہوگی۔گاڑی کا نمبر نوٹ کرنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔لیکن۔چیخ چیخ۔''

یہ آنکھیں۔اس کا مذاق اڑاتی ہنسی۔جگدیش مہیشوری کو پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ابھی تو بدلہ لینے کا وقت تھا نہ ہی ارادہ۔پھر بھی جانے کیا ہوا۔اس نے اپنی طرف بڑھتے پولیس آفیسر کی رائفل جھپٹی۔

''ہاں سنی تھی اس رات عورت کی چیخ۔اچھی لگتی ہیں عورتوں کی چیخیں مجھے۔تمہاری چیخ بھی سننی ہے مجھے۔'' اس نے چلاتے ہوئے اس پہ گولی چلا دی۔اس سے پہلے کہ کوئی اس صورت حال کو سمجھتا، کچھ کرتا۔وہ تین فائر کر چکا تھا۔

ایک لمحے کے لیے جیسے سب کچھ ساکن ہوا۔پھر ہوش و خرد سے بیگانہ ہونے سے پہلے خولہ نے خود پہ جھکے ضامن مصطفیٰ کا چہرہ دیکھا۔اسے وہ چہرہ عبدالہادی کا چہرہ لگا۔وہ چہرہ جو محبوب کو کھو دینے کے بعد ہوا کرتا ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

digest library.com

Digital Novels Lovers Group ❤❤
URDU NOVELS MAG

نمرہ احمد

نمل

مکمل ناول

سینتیسویں قسط

اسے ایک آواز آئی تھی۔ اپنے عقب میں۔ گھگھیانے کی جیسی۔ وہ رک گئی۔ پھر ایڑھیوں پہ گھومی۔

مالک فرید کا منہ قدرے کھلا تھا اور وہ جیسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بابا؟" وہ ششدر رہ گئی۔ پھر بھاگ کے ان کے پاس آئی۔

ان کی گردن کو جھٹکا سا لگا اور ایک دھار کی صورت میں خون باہر نکلا۔ زارینہ فرید کا سفید ڈریس سامنے سے خون کی دھار سے سرخ ہو گیا۔

اس نے زور سے چیخ ماری۔

پروجیکٹائل قے۔ برین ٹیومر کے حد سے بڑھ جانے کی نشانی۔

"بابا....." وہ مبہوت سی گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھتی گئی۔ ملازم بھاگتے ہوئے آئے۔ کسی نے ان کے دہرے وجود کو سیدھا کیا۔ کسی نے انجیکشن لگایا۔ عمار ہسپتال کال کر رہا تھا۔

وہ بنا پلک جھپکے اس مشق کو دیکھ رہی تھی جو ان کے لیے شناسا سی تھی۔ وہ سب اس سے واقف تھے۔ کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟ کیا کرنا تھا؟ انہیں سب معلوم تھا۔

URDU NOVELS MAG

مالک فرید نیم غنودگی کے عالم میں نڈھال تھے اور عمار انہیں سنبھالے ہوئے فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر خون تھا۔ چہرے پر بھی چند چھینٹے پڑے تھے۔ کوئی ان کا دواؤں کا باکس اٹھا لایا تھا۔ ہر روز کے چوکھٹے میں چند گولیاں تھیں۔

اور اس لمحے وہ جان گئی تھی کہ وہ نہ گردوں کی دوا تھی نہ لیکوز کی۔ ☆☆☆

اسے بس نہیں ملی۔ ٹیکسی کرنی پڑی۔ بیربل سے بہت سے شکوے کے ساتھ وہ کیف کی عمارت میں دیر سے پہنچی۔

کیبن آدھے بھرے تھے۔ بہت سوں کا آج ورک فرام ہوم ڈے تھا۔ ماہر پہلے ہی اپنے آفس میں گم تھا۔ اس کی ویک اینڈ پہ اس سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف چنگیز کا فون آیا تھا جس نے بتایا تھا کہ وہ گلاطہ والی گلی والے معاملے کو پہلے ہی دیکھ رہے ہیں۔ وہاں کسی شاپ کے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج نہیں تھی۔ جو بھی معلوم ہوگا وہ اسے بتائیں گے۔ وہ کال نہ کرتا تب بھی وہ مطمئن تھی۔ اگر ماہر نے کہا تھا کہ انتظار کرنا ہے تو اسے اس پر اعتبار تھا۔

وہ ماہر فرید پہ اعتبار کرنا سیکھ رہی تھی۔

لنچ بریک سے گھنٹہ پہلے اسے ماہر باہر نکلتا دکھائی دیا۔ وہ اوپر اسٹڈی کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو ماہر اس کے قریب رکا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

مالا نے اپنی اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

"ایک کانسپٹ ہے۔ صرف کانسپٹ ہے۔ اگر آپ صرف دو سیکنڈ کے لیے دیکھ لیں؟"

ماہر آگے آیا۔ جھک کے اس کی اسکرین دیکھی۔ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ دو سیکنڈ بعد وہ سیدھا ہوا۔

"اسے ٹرینش کین میں تم ڈالو گی یا میں؟"

کشمالہ مبین کی ساری خوشگواریت عنقا ہو گئی۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

"خود ڈال دوں گی۔ بہت شکریہ۔"

وہ جواب سنے بنا آگے بڑھ گیا۔ اس نے کینہ توز نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ شکر ہے وہ اس کی مستقل ایمپلائی نہیں تھی۔

"شکر کرو ٹرینش کہا ہے۔ دروازہ نہیں کہا۔" شبنم نے مسکراہٹ دبائے تبصرہ کیا۔ اس آفس میں ماہر کے کمنٹس سب بہت انجوائے کرتے تھے، شرط یہ کہ وہ کسی دوسرے کے بارے میں ہوں۔

"دروازہ کیا؟" نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ شبنم نے "کچھ نہیں" کہہ کے جھرجھری لی اور واپس اسکرین کی طرف مڑ گئی۔

وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ موبائل بجنے لگا۔ ماہر فرید۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ اسے اوپر اسٹڈی میں بھی بلا سکتا تھا لیکن شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ باتیں کریں۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

"ایک خبر ہے۔ چنگیز کی کال آئی تھی۔"

اس کا سانس تھم گیا۔

"انہیں ائیر پورٹ سے ایک فوٹیج ملی ہے۔ اسی تاریخ میں ایک... ایک بچے کی۔" وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ دل ایک دم بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

"اپنی امیدیں زیادہ اونچی مت کرنا۔ وہ کوئی اور بچہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پہچان کے لیے بلوا رہے ہیں۔" رک کے لہجے کو سرسری بنایا۔ "اور فوٹیج ملنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔" مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس کا ہلتا سر نہیں دیکھ سکتا تھا، نہ آنکھوں میں بھرتے آنسو۔

"میری ساڑھے بارہ بجے ایک میٹنگ ہے۔ اس سے فری ہو کے چلیں گے۔"

نرمی سے کہہ کے وہ رکا۔

"مالا؟" جیسے تسلی کی کہ وہ سن رہی ہے۔

"ہوں۔ اوکے۔" اس کی آواز گیلی تھی۔ فون رکھا اور تیزی سے اٹھ کے واش رومز کی طرف آ گئی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

digest library.com

تین سنک قطار میں لگے تھے اور ایئر فریشنر کے باعث فضا میں چنبیلی کے پھولوں کی مہک تھی۔ سفید تیز بتیاں روشن تھیں۔ وہ سنک پر دونوں مٹھیاں رکھ کے کھڑی ہوئی۔ ٹھنڈا سنگ مرمر ہاتھ سے مس ہوا لیکن سارے جسم کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام رہا۔ اندر بہت کچھ ابلنے کو بے تاب تھا۔

(انہیں ایک بچے کی فوٹیج ملی ہے...)

آئینے میں نظر آتی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ایک دم سے بہت کچھ یاد آیا۔ پولیس کا اسے بلوانا۔ مردہ خانے میں بچے کی لاش کی تصدیق۔

ماہی کے الفاظ۔

"بچے مر جاتے ہیں، مالا۔ میرے بھی دو مرے تھے۔" آنسو زاروزار بہنے لگے۔

وہ بالآخر ٹریپ نہیں تھی۔ وہ سعودی عرب کے اس گھر میں قید نہیں تھی۔ وہ بک شیلف گرا کے وہاں سے بھاگ سکتی تھی۔ وہ اس فریزنگ کنٹینر میں قید نہیں تھی۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ اس جلی ہوئی لاش کے ساتھ مردہ خانے میں قید نہیں تھی۔ وہ کافی شاپ میں اپنے ڈرائیورز لائسنس کے بغیر قید نہیں تھی۔

ہر قید میں ایک روزن تھا۔ روشنی اور امید کی جھری ہر قید خانے میں ایک دروازہ تھا۔

اس نے پانی کا نل کھولا۔ ٹھنڈے چھینٹے چہرے پر مارے۔ مسکرا رہنے لگا۔ اس کو وائپ سے صاف کیا۔ اور چہرہ درست کر کے وہ واپس ڈیسک پہ آئی۔ لیکن اب وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ نہ کیف کا۔ نہ اپنا۔ کنسل کی کالز اور کلائنٹ کے میسجز نظر انداز کیے۔ اس کی بے چینی عروج پہ تھی۔ مگر اسے انتظار کرنا تھا۔ اور وہ اسے جان بوجھ کے انتظار نہیں کروا رہا تھا۔ اس کی واقعی میٹنگ تھی۔ وہ مصروف تھا۔ پہلی دفعہ اسے ماہر فرید کی نیت پہ شک نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے اذیت نہیں دے رہا تھا۔ اس کا کام بہت تھا۔ اس کی عمارت اب صرف سرخ عمارت نہیں تھی۔ وہ اٹھائیس شیڈز والی سرخ عمارت تھی جس نے ماہر کی روح کو بہت تھکا دیا تھا۔

ماہر فرید کی تمام مجبوریاں سمجھنے کے باوجود اس سے وقت نہیں گزر رہا تھا۔

ماہر کی میٹنگ ختم ہونے اور پولیس اسٹیشن جانے تک کا وقت بہت دقت سے کٹا۔ ہر لمحہ ایک صدی کے برابر تھا۔

وہ سارا راستہ خاموش رہی۔

ماہر نے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے چند ایک دفعہ دیکھا۔ بولا نہیں۔ وہ ہنی کھڑکی پر ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ انگلیاں ہونٹوں پر جمی تھیں۔ آنکھیں بار بار بھر رہی تھیں۔ گھٹن تھی۔ ہر طرف گھٹن تھی۔

چند منٹ بعد ہی اس نے اپنی طرف کا شیشہ کھول دیا تو ماہر نے بنا کچھ کہے ہیٹر آف کر دیا۔ سرد ہوا اندر آنے لگی۔ "مالا..."

کار اسٹیشن کے باہر رکی اور وہ بیلٹ کھولنے لگی جب وہ بولا۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے بیٹے کے بولنے یا نہ بولنے میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

وہ بیلٹ پر ہاتھ رکھے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ پھر سر ہلا دیا۔ مگر وہ جانتا تھا مالا کو اس بات پہ یقین نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

"آپ کے بیٹے کے پاسپورٹ کی انٹری کے وقت کے ساتھ یہ فوٹیج میچ کرتی ہے۔"

وہ ایک میز کے سامنے بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں بار بار دھند چھائی تھی۔

سامنے بڑی اسکرین پہ ایک فوٹیج دکھائی دے رہی تھی۔ ساتھ والی کرسی پر چنگیز بیٹھا اسکرین کی طرف قلم سے اشارہ کرتا کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ ماہر پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں کافی کا ڈسپوزیبل کپ تھا۔

وہ چنگیز کو نہیں سن رہی تھی۔ گود میں ہاتھ ایک

دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے جیسے کاٹنے سے روک سکیں۔ اسکرین پہ ایئر پورٹ کے پاسپورٹ کنٹرول کا منظر چل رہا تھا۔ کاؤنٹر کے سامنے قطار میں لوگ آ رہے تھے۔ ان کے پس منظر میں اونچی شیشے کی دیوار سے آتی روشنی دکھائی دیتی تھی۔

''یہ بچہ...'' چنگیز کی ٹریک پیڈ کو دائرے میں چھوتی انگلی تھمی۔ انگلی اور انگوٹھے سے نادیدہ چٹکی کاٹی۔ تصویر بڑی ہوئی۔

وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ بچے کو کندھے پہ اٹھائے وہ ڈیسک تک آیا۔ آفیسر کے کہنے پہ اس نے بچے کو کندھے سے قدرے نیچے کیا۔ اس کے چہرے سے ٹوپی اتاری۔ وہ سو رہا تھا۔ لیکن وہ اس چہرے کو سوتے ہوئے بھی پہچان سکتی تھی۔

''کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟''

اس نے بے اختیار ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ بہت دقت سے آنسو ضبط کیے سر ہلایا۔

چنگیز نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔ ''کاغذات کے مطابق اس کا نام معید تھا اور یہ اس بچے کا ماموں ہے۔''

اس نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یہ میرا بھائی معید نہیں ہے۔''

''جانتا ہوں۔ یہ ایک پروفیشنل کوریئر ہے۔ یورپ میں اکثر ایسے ہی کام کرتا ہے۔ کسی خاص ڈاکومنٹ یا انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچانے کا کام۔ اس کو کسی نے یہ ٹاسک دیا تھا۔''

''اب یہ کہاں ہے؟''

''یہ دس گھنٹے بعد استنبول سے نکل گیا تھا۔ البتہ اس دفعہ بچہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ دو ہفتے میں پولیس کو یہی ملا تھا کیا؟

''ہم اس کوریئر کو تلاش کر رہے ہیں، لیکن اس کا ملنا بے سود ہے۔ اغوا کار نے اپنی [illegible] نہیں بتایا ہوگا۔ یقیناً کسی گمنام ذریعے سے رقم ٹرانسفر کی ہوگی تاکہ...'' اس کے تاثرات دیکھ کے چنگیز جلدی سے بولا۔ ''مگر ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا اور گیلی سانس اندر کھینچی۔ پھر اسکرین کو دیکھا۔ وہ ایک لمحے کی جھلک تھی۔ ایک لمحہ۔ بدر نے وہی لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ اغوا ہوا تھا۔ جلی ہوئی لاش کا لباس بھی جل گیا تھا۔ وہ جلا ہوا بچہ ایک changeling تھا۔ اس کا بچہ نہیں تھا۔ اور یہ بچہ.... یہ اس کا بچہ تھا۔ وہ اسے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ درست تھی اور ماہی غلط۔

ہر کسی کا بچہ نہیں مرجاتا۔ اس کا بچہ زندہ تھا۔

''اس فوٹیج سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا بچہ آج بھی زندہ ہے۔ یہ اس کے اغوا کے چوبیس گھنٹے بعد کی فوٹیج ہے۔ اڑتالیس گھنٹے بعد اکثر بچے زندہ نہیں رہتے۔ اس لیے آپ کو دونوں چیزوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' چنگیز نے اسی انداز میں کہتے کہتے نگاہ اٹھا کے پیچھے کھڑے ماہر کو دیکھا جو دیوار سے ٹیک لگائے پیروں کی قینچی بنائے ہوئے تھا۔

پھر چنگیز کھنکھارا۔

''ایک اچھی خبر بھی ہے۔''

وہ چونکی۔ سانس پھر سے رکا۔

''کاٹن کینڈی مین کا سراغ ملا ہے۔''

ماہر نے کپ نیچے رکھا اور چند قدم آگے آیا۔ مالا کی کرسی کے عین پیچھے وہ رک گیا۔

''جیسا کہ میں نے آپ کو کال پہ بتایا تھا کہ کسی دکان کے پاس فوٹیج نہیں ہے۔ اس کافی شاپ کے پاس بھی نہیں۔'' قدرے زور دے کر کہا۔ وہ اس رات کی کارگزاری سے واقف تھا غالباً۔ مگر وہ شرمندہ نہیں ہوئی۔ رات گئی بات گئی۔

''میرے آدمیوں نے چند لوگوں سے پوچھ تاچھ کی ہے۔ اور ایک دکان دار کا سراغ ملا ہے جو کاٹن کینڈی بیچتا ہے۔ یعنی دکان میں دوسری کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ان دنوں وہ کاٹن کینڈی بھی رکھتا تھا۔

URDU NOVELS MAG

digest library.com

"کیا اس نے بدر کو دی تھی کائن کینڈی؟ یا کسی نے اس سے خریدی تھی؟"

"وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ پرسوں تک آجائے گا۔ میرا ایک اہلکار اس سے مل کے پوچھ لے گا۔" "میں ساتھ جاؤں گی۔" وہ بے چینی سے بولی۔ چنگیز نے نگاہ اٹھا کے ماہر کو دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

"اوکے۔ آپ ساتھ چلی آئیں۔ اس سے فون پر بات ہوگئی ہے۔ وہ پرسوں صبح تک پہنچ جائے گا۔" چنگیز نے اٹھتے ہوئے گہری سانس لی۔

"بدر کو کائن کینڈی اس نے دی تھی یا کسی نے اس سے خریدی تھی... یہ صرف وہی بتا سکتا ہے۔ اگر اسے اتنی پرانی بات یاد ہو۔ وہ کافی بوڑھا ہے۔ البتہ وہ ہم سے بات کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے ایک بچے کے کھونے اور کچھ دیر بعد مل جانے والا واقعہ یاد ہے اور تفصیل وہ خود بتائے گا۔"

ایک اور روزن۔ ایک اور ٹریپ ڈور۔

"وہ آج کیوں نہیں آسکتا؟"

"کشمالہ جانم... میں جانتا ہوں کہ فلموں اور کتابوں میں تفتیش جلد ہو جایا کرتی ہے۔ تمام گواہ موقع پہ موجود ہوتے ہیں۔ پولیس افسران جاتے ہیں اور پوچھ گچھ کر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقی زندگی میں ہر شخص ہر وقت موقع پہ موجود نہیں ہوتا۔ ایسے کیسز بہت وقت لیتے ہیں۔ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔"

مالا نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ پرسوں صبح میں کتنا وقت تھا؟ کتنی گھڑیاں، کتنی صدیاں؟

☆☆☆

پرسوں صبح کے آنے میں کئی گھنٹے اور کئی آنسو صرف ہوئے۔

وہ نہ کوئی کام کر سکی نہ اس نے ماہر سے بات کی۔ وہ صرف خاموش تھی۔ ماہی کی کالز بھی نہیں اٹھائیں۔ بیریل کے میسج بھی نظر انداز کیے۔ وہ صرف کمرے میں ٹہلتی کبھی انگلیوں پر تسبیح پڑھتی، کبھی بلت کی گلیوں میں واک پہ نکل جاتی۔ رک کے کسی آوارہ بلی کو کھانا ڈالتی۔ اور اس سے کہتی کہ وہ اس کے لیے دعا کرے۔ بلی کھانا چاٹ کے جواب دیے بنا آگے بڑھ جاتی۔ خود اس نے دو دن ٹھیک سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ "بیریل؟"

مالا نے گردن موڑ کے اسے معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا۔

"سوری۔ بعد میں کال کر لوں گی اس کو۔ ابھی میں بات نہیں کر سکتی۔"

"آف کورس۔" وہ رکا۔ "لیکن وہ بار بار کیوں کال کر رہا ہے؟"

دو سورج ڈوبے اور دو طلوع ہوئے۔

کئی تارے ٹوٹ کے گم ہوئے۔

اور چاند کا ورق ہر دن گھٹتا گیا۔

اور پھر بالآخر وہ صبح آن پہنچی جب وہ گلاطہ کے سامنے والی گلی میں موجود تھی۔

ماہر اور ایک پولیس اہلکار اس کے ہمراہ تھا۔ آج اس نے کسی میٹنگ کو ترجیح نہیں دی تھی۔ وہ دو دن سے اسے صرف خاموش دیکھ رہا تھا۔ لمبا بھورا کوٹ پہنے کالر اونچے کیے، وہ اس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ کوٹ پہنتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ براؤن کیوں؟ لیکن پھر اسے جامنی رنگ کا جواب دینا پڑتا۔ اور آج وہ مالا سے ایسا سوال نہیں پوچھ سکتا تھا۔

اس کافی شاپ سے دو دکانیں چھوڑ کے یہ دکان تھی۔ کریانے اور قہوے کی دکان۔

وہ قریب پہنچے تھے کہ مالا کا فون تھرتھرایا۔ اس نے بے زاری سے فون نکال کے دیکھا۔ پھر کال کاٹ دی۔ بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے وہ کیمل کوٹ کے نیچے سفید ہائی نیک پہنے ہوئے تھی۔ چند لٹیں کیچر سے نکل رہی تھیں۔ چہرہ سردی سے گلابی ہو رہا تھا اور اس نے میک اپ کا ذرہ بھی نہیں لگایا تھا۔ آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"یہی ہے وہ دکان۔" ساتھ چلتے پی کیپ والے پولیس افسر نے بتایا جو بنا آستین کے سرمئی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ مالا کا فون پھر تھرتھرایا۔ اب کے ماہر نے دیکھا۔ اسکرین بجھانے سے پہلے اس پہ

بیریل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کے ابرو استعجاب سے اکٹھے ہوئے۔

"اس روز اس کی کار دیکھی میں نے ایک جگہ۔ اسے کال کر کے پوچھا کہ وہ مجھے ڈراپ کر سکتا ہے تو وہ گھبرا گیا۔ جلدی میں کال کاٹ دی۔ اب معذرت کرنی ہوگی۔"

ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹکا۔

"ہوگا کسی لڑکی کے ساتھ۔"

مالا نے گردن موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"لڑکی کے ساتھ دیکھے جانے پہ تمہارا بھائی گھبراتا ہے کیا؟"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ گال میں گڑھا سا بنا۔

"خیر... گھبراتا تو نہیں ہے۔ مگر یہ منحصر ہے کہ تم نے اسے کس لڑکی کے ساتھ دیکھا، یا...."

اگلے الفاظ حلق میں رک گئے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ مالا نے بے صبری سے اسے دیکھا۔ پولیس اہلکار بھی اس کے رکنے پہ ٹھہر گیا تھا۔

"یا؟"

"یا..." ماہر فرید نے تھوک نگلا۔ ذہن کے ایک گوشے میں ایک سرخ بٹن بجنے لگا تھا۔

"یا تم نے اسے کس جگہ دیکھا۔"

"کسی ایسی جگہ نہیں دیکھا۔" وہ خفا ہوئی۔ "ایک بس اسٹاپ پہ دیکھا تھا۔" اس نے جلدی جلدی لوکیشن بتائی۔ اور اس عمارت کا نام جس کے سامنے بیریل کی کار تھی۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ اسے اس بوڑھے دکان دار سے بات کرنی تھی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ ماہر فرید کی رنگت سفید ہوئی ہے۔ وہ تیزی سے فون نکال کے میپس کھولنے لگا۔ (نہیں... یہ نہیں ہونا چاہیے۔ بیریل وہاں نہیں جا سکتا۔) گوگل کا نقشہ سامنے کھلا تھا۔ یہ وہی لوکیشن تھی۔ اس کے دل کو کسی نے زور سے جکڑ لیا۔

(ناممکن۔)

مالا اس اہلکار کے ساتھ اب دکان کے دہانے پہ کھڑی تھی۔ وہ بے جان قدموں سے چلتا ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ ذہن ایک دم بالکل کورا ہو گیا تھا۔

(ناممکن۔)

کاؤنٹر پہ ایک فربہ ترک عورت کھڑی تھی۔ سر پر رومال باندھے وہ سوکھے کپڑے سے شیشے کے کپ صاف کر کے ریک میں لگا رہی تھی۔ انہیں دیکھ کے رکی۔ ابرو ناگواری سے بھنچ لیے۔

اہلکار تعارف کروانے لگا۔ ابھی اس کی بات درمیان میں تھی کہ....

"میرے بابا بہت بوڑھے ہیں اور ان کی یادداشت بھی کمزور ہے۔ اتنے ماہ قبل انہوں نے کس کو کیا بیچا، انہیں کیسے یاد ہو سکتا ہے؟" کھٹ سے ایک کپ رکھا۔ اور دوسرا اٹھا لیا۔

"کیا وہ واپس آ گئے ہیں؟"

"ہاں لیکن...."

"ہمیں ان سے ملنا ہے۔"

اس نے ایک سلگتی نگاہ اہلکار پہ ڈالی۔ پھر رکی۔

"ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"کس نے کہا میری طبیعت خراب ہے؟"

دکان کی پشت سے بھاری آواز سنائی دی اور پھر وہ بوڑھا آدمی باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ فربہ تھا لیکن اتنا بوڑھا نہیں جتنا وہ سمجھی تھی۔ بال سفید تھے اور جلد چٹی سفید۔ سپر ماریو کے جیسی مونچھیں اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ عینک کے پیچھے سے خفگی سے بیٹی کو دیکھا جو بے اختیار ایک طرف ہوئی۔

"مرحبا۔ خوش آمدید۔" بوڑھے نے خوشدلی سے اہلکار سے ہاتھ ملایا۔

"ہماری فون پہ بات ہوئی تھی نا۔ آؤ ادھر بیٹھو۔" پھر بیٹی کو گھورا۔ "چائے بناؤ ان کی۔" گو کہ اس نے ترکش میں کہا لیکن وہ سمجھ گئی تھی۔

پھر وہ ان کو ایک طرف بچھی میز کرسیوں کی طرف لے آیا۔

"میں ایک منٹ آتا ہوں۔" ماہر نے دھیرے سے معذرت کی۔ کوئی متوجہ نہ تھا۔ مالا صرف بے چینی سے اس آدمی کو اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ وہ ہولے

digest library.com

سے وہاں سے دور ہٹ آیا۔ موبائل نکالا۔ ایک نمبر ملایا۔

"ادریس... ہاں... سنو... ایک چیز چیک کرنی ہے۔" الفاظ پھنسے پھنسے سے نکل رہے تھے۔

اپنی بات سمجھاتے ہوئے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ چند لمحے گہرے سانس لیے۔ سگار یاد آیا۔ مگر اس وقت وہ بھی اثر نہ کرتا۔

پھر وہ واپس چلا آیا۔ اب تک وہ چاروں ایک میز کے گرد بیٹھ چکے تھے۔ بچی اور بوڑھا دکان دار ایک طرف۔ مالا اور اہلکار دوسری جانب۔ چائے سے لبالب بھری چار پیالیاں سامنے رکھی تھیں۔ لیکن کسی نے ان کو نہیں چھوا تھا۔ ماہر کی نہ کرسی تھی نہ پیالی۔

"بالکل، میں کاشن کینڈی رکھتا ہوں۔ کبھی کبھی بچے لے جاتے ہیں۔..."

ماہر نے پانچویں کرسی قریبی میز سے کھینچی اور ان چاروں سے ٹوٹے کے زاویے پر بیٹھا۔

"بابا... آپ نے کب کاشن کینڈی رکھی ہے؟ ایک دو دفعہ ہی لائے تھے۔ بھول جاتے ہیں آپ۔"

وہ پوری باپ کی طرف گھوم کے بولی۔ دانت پر دانت جمائے۔ آنکھوں میں انہیں گھورا۔

"مگر رکھتا تو ہوں۔ وہ یہی پوچھ رہے ہیں۔"

"بیرام بے۔" وہ بے چینی سے ان کو نام سے مخاطب کر کے بولی اور ایک تصویر نکال کے میز پر رکھی۔ آنکھیں ان کی آنکھوں پہ لگی تھیں۔

"یہ میرا بیٹا بدر ہے۔ تین ماہ پہلے یہ میرے ساتھ تھا۔" ماہر نے پولیس اہلکار کے سامنے رکھی پیالی اپنی جانب کھسکائی۔ اہلکار نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ اب وہ شکر دان اپنے قریب کر رہا تھا۔

"ہم علی الصبح شوٹ کر رہے تھے جب..."

"علی الصبح تو بابا دکان پہ نہیں آتے۔ بہت دیر سے آتے ہیں۔"

"ہم شوٹ کر رہے تھے جب..." مالا نے آواز ان کی بیٹی سے اونچی کر لی۔ "میرا بیٹا کھو گیا تھا۔ آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے جب...."

"یہاں ہر روز بہت سے لوگ شوٹ کرتے ہیں۔ بابا کو اتنی پرانی بات کیسے یاد ہو سکتی ہے؟"

مالا نے پوری توجہ بیرام بے کی طرف رکھے بات مکمل کرنی چاہی۔

"جب میں کیمرہ ہاتھ میں لیے اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ میرے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی۔ دولہا دلہن اس طرف....."

"انسٹاگرام تو چل ہی اسی لوکیشن کے باعث رہا ہے۔" وہ پیالی سے گھونٹ بھرتی کہہ رہی تھی۔ مالا نے بدقت ضبط کیا۔

"بیرام بے، میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ کو کچھ یاد ہے؟" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ مجھے یاد ہے.... یعنی...." انہوں نے کندھے اچکائے۔ "مکمل شکل نہیں یاد۔ لیکن ہاں ایک بچہ کھویا تھا اور اس کی ماں کسی دلہن کا شوٹ کر رہی تھی۔ شاید وہ تم ہی تھیں۔"

"بابا، جب آپ کو شکل نہیں یاد تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی بچہ تھا؟" وہ اب پوری باپ کی طرف مڑی۔

"خاتون... آپ ان کو بات کرنے دیں پلیز۔" اہلکار کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ ادھر ماہر اس کی پیالی میں ایک کے بعد ایک شکر کی ڈلی ڈال رہا تھا۔ اس کو آج بہت ساری شوگر چاہیے تھی۔

"میں اپنے حقوق جانتی ہوں، سر۔ میرا باپ انڈر اریسٹ نہیں ہے۔ اس لیے وہ کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں..."

"چچ... اللہ اللہ جیلان... وہ ایک ماں ہے۔ اس کا جواب دینے میں حقوق کہاں سے آ گئے؟" بوڑھے بیرام نے ماتھے کو چھوا۔ "مجھے جواب دینے دو۔"

جیلان نامی خاتون نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"مگر آپ کو بچے کی شکل یاد نہیں۔ اس لیے..."

"مجھے اس آدمی کی شکل یاد ہے جس نے مجھ سے کاٹن کینڈی لی تھی۔"

میز پہ سناٹا چھا گیا۔ مالا پلک جھپکنا بھول گئی۔ البتہ ماہر اسی طرح چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ شکر کم تھی۔ اسے مزید درکار تھی۔ قاسم فرید کی برسوں کی محنت... اس کی ساری کمائی... سب کچھ داؤ پہ لگا تھا...

"کون آدمی؟"

"وہ میرے پاس آیا۔ اس نے کافی دیر چیزیں دیکھیں جو بچوں کے لیے تھیں۔ پھر اس نے کاٹن کینڈی لی۔ اور پھر وہ اس جگہ..." اشارہ کیا۔ "اس جگہ کھڑا ہو گیا۔ وہ وہاں سے دور کسی کو اشارہ کر رہا تھا۔"

"بدر کو... اس نے بدر کو اشارے سے بلایا ہوگا۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ دل پہ مٹھی رکھ لی۔

"پھر میں کام کرنے لگا۔ دھیان نہیں دیا۔ اس دن ایک میچ تھا۔ میں اس کے لیے صبح سے جاگا ہوا تھا۔ تبھی مجھے وہ تاریخ یاد ہے۔ وہ میرے کلب کا میچ...."

"وہ آدمی... آپ اس کے بارے میں بتا رہے تھے۔"

"ہاں... پھر میں نے دیکھا تو ایک بچہ اس کے ساتھ کھڑا تھا۔" بوڑھے بیرام نے ہاتھ سے زمین سے تین فٹ اوپر کا اشارہ کیا۔ "اتنا بڑا بچہ۔ وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا..."

"وہ کوئی اور بچہ بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں..." جیلان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا یہ اسی میچ کی تاریخ والا دن تھا۔ میں اتنا بوڑھا نہیں ہوا کہ..."

"پھر کیا ہوا؟" مالا نے تیزی سے بات کاٹی۔ انہیں اس آدمی سے تھانے میں ملنا چاہیے تھا۔

"ہاں... وہ بچے کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ یاد ہے مجھے۔ بچے نے کاٹن کینڈی لے لی۔ پھر وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر میں نے شور مچتے دیکھا۔ شاید کوئی عورت آئی تھی۔ وہ بچے کو ڈھونڈ رہی تھی۔ شاید تم تھیں... لیکن...." انہوں نے تنقیدی نظروں سے مالا کو دیکھا۔ "اس کے بال تم سے لمبے تھے۔"

"یعنی یہ وہ نہیں تھی۔" جیلان کا چہرہ چمکا۔

"میرے بال ان دنوں لمبے تھے۔" اس نے سنجیدگی سے بات کاٹی۔ جیلان جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"بھئی مجھے نہیں یاد کس کی کیا شکل تھی، لیکن مجھے وہ شخص یاد ہے۔ کیونکہ وہ... وہ مختلف تھا۔"

"کیسے مختلف؟"

اہلکار نے ایک تصویر سامنے رکھی۔ مالا نے چونک کے دیکھا۔ وہ زیاد کی تصویر تھی۔ یقیناً یہ چنگیز کا حکم تھا۔ اس نے خفگی سے ماہر کو دیکھا لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔ گھونٹ بھرتا کسی اور سوچ میں تھا۔

"نہیں۔ یہ نہیں تھا۔"

"اتنے مہینے گزر گئے، بابا۔ ہو سکتا ہے یہی ہو۔ دوبارہ دیکھیں..."

"وہ نوجوان تھا۔ چھوٹی عمر کا نوجوان۔ طویل قامت۔ اس نے سیاہ لمبا ٹرنچ کوٹ پہن رکھا تھا۔ گرما میں کوٹ۔ اس دن بارش بھی نہیں تھی۔ ہے نا عجیب بات تھی۔ اور اس کے بال سنہرے تھے۔ جیل سے گیلے کر کے کھوپڑی سے چپکائے۔ پیلی سی رنگت تھی اس کی۔ مجھے اس کا چہرہ کبھی نہیں بھولے گا۔"

"آپ اس وقت بولے کیوں نہیں؟" اہلکار درشتی سے بولا۔ "اس ماں کو کیوں نہیں بتایا کہ اس کا بیٹا کس کے ساتھ کھڑا تھا؟"

بوڑھے نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔

"میں... گم صم ہو گیا تھا۔ کیونکہ... جاتے جاتے اس نوجوان نے مجھے دیکھا تھا۔ پھر وہ مسکرایا تھا۔ اور اس نے ایک آنکھ دبائی۔ اور.... اور ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ وہ مجھے خاموش رہنے کا کہہ رہا تھا۔ اور

digest library.com

میں کچھ نہ بول سکا۔کوئی ہیبت تھی اس کی۔رعب سا۔ میری زبان واقعی بند ہو گئی جیسے وہ کوئی.... کوئی....''

''کوئی جادوگر ہو۔'' وہ دھیرے سے بولی۔پھر ماہر کو دیکھا۔اس کا فون بجا تھا اور وہ اٹھ کے جا رہا تھا۔

''کیا جادوگر؟ عجیب بات کر رہے ہیں۔آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔'' جیلان سر نفی میں سر ہلاتی ترکش میں بڑبڑاتی اٹھ گئی۔کوئی گاہک آیا تھا۔وہ اب اس کی مطلوبہ شے شاپر میں ڈال کے دے رہی تھی۔

یہ شاپر استنبول کی ہر دوسری دکان میں تھے۔ ترکوں کو واقعی انوائرمنٹ کا احساس نہیں تھا۔

اس نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔

سنہری بال۔نوجوان چہرہ۔

وہ ہلال کے ساتھ بیٹھی تھی جب ہڈی والا نوجوان باہر نکل رہا تھا۔شیشے کے دروازے کے عکس میں اس کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔سنہری بالوں کی جھلک۔

وہ دو زخرید رہی تھی جب ساتھ کھڑے شخص نے شاپر پہ تبصرہ کیا تھا۔ٹوپی سے نکلتے سنہری بال۔ایسے بال ہر ایک کے نہیں ہوتے۔اسے شاپر کو تھامے اس نوجوان کے ہاتھ یاد آئے۔ان میں انگوٹھی تھی۔سبز نگینے والی۔اس انگوٹھی نے اسے چونکایا تھا۔لیکن وہ اپنا آرڈر لینے لگی۔اس کے ذہن سے نکل گیا۔اوہ نو۔

وہ جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

پزل کے بہت سے ٹکڑے ایک ساتھ مل رہے تھے۔

ماہر فرید کان سے فون لگائے ان سے دور جا رہا تھا۔

''بتاؤ۔کیا معلوم ہوا؟''

ٹائی مزید ڈھیلی کی۔سینے میں گھٹن ہو رہی تھی۔ اس کے بدترین خدشے کی تصدیق ہونے والی تھی۔

''آپ کا خدشہ درست تھا۔''

اس کا وکیل رکا۔

''بیربل نے میرج لائسنس کے لیے اپلائی کیا ہے۔''

''ایڈیٹ۔'' اس نے بوٹ سے ٹریش کین کو ٹھوکر ماری۔ایک بلی دبک کے دور بھاگی۔

''ایک دوست نے اسے پرسوں دیکھا ہے بلدیے (میونسپلٹی) کی عمارت کے باہر۔''

''اس کو کب تک لائسنس مل جائے گا؟''

وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔کتنا وقت تھا اس کے پاس اس ایڈیٹ کو انسان بنانے کے لیے؟اسے نہ صرف بیربل کو اس کام سے باز رکھنا تھا بلکہ اس لڑکی کو بھی کھوجنا تھا جو اس کے باپ کی برسوں کی کمائی میں نقب زن کی طرح داخل ہو رہی تھی۔مس نو میر۔

''اب دیر ہو چکی ہے،ماہر بے۔''

اس کا جمع تفریق کرتا ذہن تھم گیا۔

''بیربل فرید پرسوں لائسنس کے لیے بلدیے نہیں گیا تھا۔لائسنس اسے پہلے ہی مل چکا تھا۔''

وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''وہ میرج سرٹیفکیٹ جمع کروانے گیا تھا۔''

وکیل کی آواز میں پشیمانی تھی۔

''بیربل دو دن پہلے شادی کر چکا ہے۔''

اسٹریٹ پول سے ٹیک لگائے ماہر نے سر لگا کے آنکھیں بند کر لیں۔

جس شے سے وہ برسوں سے اس کی حفاظت کرتا آیا تھا،بیربل اس میں کود پڑا تھا۔

''کس سے؟''

نام اس کے لیے اہم نہیں تھا۔وہ سب ایک جیسی تھیں۔

''آپ اسے جانتے ہیں۔''

''کون؟'' اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

''یہ نام سن کے آپ خوش نہیں ہوں گے،ماہر بے۔''

☆☆☆

ہسپتال کا سفید کمرہ خاموش اور بے رونق تھا۔

بابا ایک فرید بستر پر یوں لیٹے تھے کہ سرہانے والی جگہ اونچی تھی اور گردن کو تکیوں کا سہارا ملا ہوا تھا۔ان کے ساتھ چند نالیاں لگی تھیں۔البتہ وہ بہتر دکھائی

دیتے تھے۔ کھانے کی ٹرے نرس سمیٹ رہی تھی۔

زارا سامنے کاؤچ پر گھٹنے ملائے بیٹھی تھی۔ جینز پہ ٹی شرٹ پہنے۔ بال پونی میں باندھے وہ بے رونق لگ رہی تھی۔

انہوں نے نقاہت سے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اور ہلکا سا مسکرائے۔

"ماہر کو نہیں بتایا؟"

زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ہوں نا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔" وہ مسکرائی مگر اس مسکراہٹ میں شکوہ تھا۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔" ان کے چہرے پہ افسوس سا اترا۔

"چاہتا تھا تم سکون سے شادی کر لو۔"

اس نے دائیں بائیں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اور وہ شاک سے باہر آچکی تھی۔ ان دو دنوں میں وہ جتنی ریسرچ کر سکتی تھی کر چکی تھی۔ ڈاکٹرز سے ملنا، رپورٹس دیکھنا۔ وہ سب کر چکی تھی۔

"ماہر اور بیربل جانتے تھے۔ صرف میں بے خبر تھی یا میری بہنیں۔"

"بیربل کو میں نے نہیں بتایا تھا۔ اسے مالا نے ..." ان کے منہ سے پھسلا۔

زارا دنگ رہ گئی۔

"وہ بھی جانتی تھی؟" اس کے لہجے میں پھنکار تھی۔ آنکھوں میں غصہ۔

"وہ کیوں جانتی تھی؟"

"میں نہیں جانتا۔ اس نے شاید اندازہ کر لیا تھا۔ اس کی ماں کو بھی یہ مرض رہا ہے۔" انہوں نے کندھے اچکا دیے۔ دو دن میں وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔

زارا نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ ہر جگہ تھی۔ وہ کیوں ہر جگہ تھی؟

"وہ کیسے اندازہ کر سکتی ہے؟ میں آپ کی بیٹی تھی۔" (وہ نہیں) اس نے بہت مشکل سے "وہ نہیں" کے الفاظ لبوں میں دبائے۔ کچھ باتیں نہیں کہنی چاہئیں، کہ کہیں وہ حقیقت نہ بن جائیں۔

"یہ اہم نہیں ہے، زارا۔ اہم یہ ہے کہ تم ماہر سے اب بھی شادی کرنا چاہو گی؟" وہ یاسیت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ماہر کا اس سے کیا تعلق؟"

"کیا تم ابھی بھی نہیں سمجھیں؟" انہوں نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اس نے تمہیں پروپوز تب کیا جب اسے میری بیماری کا علم ہوا۔ وہ لاکھ اس بات سے انکار کرتا رہے، میں اسے ہمیشہ سے جانتا ہوں۔"

زارینہ فرید پلک جھپکنا بھول گئی۔

"کیا مطلب؟" وہ کرنٹ کھا کے اٹھی۔

"وہ مجھ سے اس لیے شادی کر رہا ہے کیونکہ آپ بیمار ہو گئے؟"

"شاید وہ مجھے خوش کرنا چاہتا ہے۔ شاید تمہیں۔ اور وہ تمہارے ساتھ مخلص بھی ہے۔ لیکن کیا تم دونوں خوش رہو گے؟ کیونکہ ایسے ....."

"وہ مجھ سے اس لیے شادی کر رہا ہے کیونکہ آپ بیمار ہو گئے؟" اس کی آواز بلند ہوئی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ صوفے پر سختی سے ہاتھ جما کے خود کو جیسے سہارا دیا۔

"زارا . . ." انہوں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "وہ کوئی ترس کھا کے یہ نہیں کر رہا نہ ہی ..."

"آپ .... آپ کی بیماری وجہ ہے؟ وہ اس لیے .... اوہ میرے خدایا..." اس نے بے اختیار چیخ روکنے کے لیے ہونٹوں پر دونوں مٹھیاں رکھ لیں۔ آنسو زار و قطار گرنے لگے۔ شاک، خوف، بے یقینی، وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا، بابا۔ وہ ایسے کیسے ....."

"زارا، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس نے ایسا ہمدردی میں کیا۔" وہ الفاظ تلاش کر رہے تھے جس سے زارا کو اپنی ذات بے وقعت نہ لگے، لیکن وہ نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں .... مجھے اس سے بات

URDU NOVELS MAG

کرنی ہے۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔" اس نے بھیگے چہرے اور حلق سے نکلتی چیخوں کو دباتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

"مجھ سے ملو۔ ابھی اسی وقت۔ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔" وہ آڈیو میسج میں چلائی تھی۔ وہ ملال سے اسے دیکھے گئے۔

"میں ابھی نہیں آسکتا۔ کہیں پھنسا ہوا ہوں۔" باہر نکلتے ہوئے اس نے جوابی آڈیو میسج سنا۔

"ابھی ملو مجھے۔ لوکیشن بھیج رہی ہوں۔ تم نہ آئے تو یا تمہاری جان لے لوں گی یا اپنی۔" وہ فون میں دھاڑی تھی۔

اسکرین دھندلی ہو رہی تھی اور دنیا بلیک اینڈ وائٹ۔ انہوں نے اسے آواز دی۔ وہ ماہر کو غلط نہ سمجھے لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ہسپتال کے کاریڈور میں تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

وہ ایسے کیسے کرسکتا ہے؟ وہ اس کے ساتھ یہ کیسے کرسکتا ہے؟

وہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ دھندلی اسکرین دھندلی تھی۔ وائپر بار بار چل رہے تھے۔ لیکن شاید آنکھیں دھندلی تھیں۔

وہ ایسا کیسے کرسکتا ہے؟ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ وہ اس سے ملے گی۔ وہ انکار کردے گا۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔

ماہر صرف اس سے اس کی محبت میں شادی کر رہا تھا۔ مالک فرید کی بیماری وجہ نہیں تھی۔

وہ کار سے نکلی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ بنا کسی جیکٹ یا سوئیٹر کے وہ ٹھنڈ میں چلتی ہوئی سیدھی دروازے تک آئی۔

وہ ایک ویئر ہاؤس تھا۔ کاٹھ کباڑ سے بھرا۔ اندر چند بلب جل رہے تھے۔

وہ ہمیشہ ایسی ہی جگہوں پہ ملتے تھے۔

"ہیلو، زارا۔"

وہ سامنے ایک کرسی پر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہو؟" وہ چلاتی ہوئی اس کی طرف لپکی۔

عالیان نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ لب اوہ میں سکڑے۔

"اوپس"

"تم نے... تم نے کیا کیا ہے میرے باپ کے ساتھ؟"

"نہ نہ نہ نہ..." عالیان نے چیخ کہتے ہوئے انگشت شہادت اٹھا کے دائیں بائیں ہلائی۔

"تم لوگ کیوں بھول جاتے ہو کہ تم نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکی۔ بے یقینی، خوف، غصہ۔ اس کی آنکھوں میں سب کچھ تھا۔ وہ کسی بھی لمحے اس پہ حملہ کرسکتی تھی۔ لیکن... اسے امید تھی.... وہ انکار کردے گا۔

"تم میرے پاس آئی تھیں، زارینہ... میں تمہیں یاد کرواتا ہوں۔" نرمی سے مسکراتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"میں نے کہا تھا وہ مجھ سے محبت کرے۔ وہ میرا ہو جائے۔"

"رائٹ آنسر" وہ اس کے گرد دائرے میں چلتے ہوئے انگلی ہلا کے بولا۔

"تم نے کہا تھا تمہیں اس کی بیوی بننا ہے۔"

"ایس کے.... تم نے کیا کیا ہے میرے باپ کے ساتھ؟" اس کی چیخ میں نڈھال پن تھا۔

"اور میں نے کہا تھا کہ ماہر فرید سے میرے ہیلپرز کی بنتی نہیں ہے۔ اس کے اوپر میرا جادو اثر نہیں کرتا۔ نہ میری ماں کا جادو اثر کرتا تھا۔" وہ دھیرے دھیرے کہتا اس کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بے یقینی سے کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں ہر قیمت پہ اس کی بیوی بننا تھا۔ اور تم تفصیل میں نہیں جانا چاہتی تھیں۔ سو میں نے سوچا ہم ٹیکنیکل گراؤنڈز پہ کھیل سکتے ہیں۔"

زارا نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا... کیا تم اس جادو کی قیمت سننا چاہو گی۔ تم نے انکار کیا تھا۔"

زارا گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی۔

"میں ماہر فرید پہ جادو کرنے کا رسک نہیں لینا

digest library.com

چاہتا تھا۔ لیکن میں اس کو مجبور کر سکتا تھا کہ وہ تم سے شادی کر لے۔ کیسے؟" عالیان اس کے سامنے ایک پنجے کے بل بیٹھا۔ اور چٹکی بجائی۔

"اگر مالک فرید بیمار ہو جائے..."

"ایس کے..." وہ چلائی۔ لیکن آنسوؤں نے آواز دبالی۔

"دیکھو... اس کا ٹیومر میں نے نہیں پیدا کیا تھا۔ وہ اس کی اپنی بیماری تھی۔ البتہ وہ چلا گیا تھا۔ وہ تندرست ہو رہا تھا۔ میں نے صرف اتنا کیا کہ اس کو....." (پھر سے چٹکی بجائی) ...دوبارہ بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ وہ اتنا بڑھ جائے کہ ماہر گلٹ میں آ کے تم سے شادی کر لے۔"

"میرا باپ مر رہا ہے اور تم.... اوہ مائی گاڈ..." اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

عالیان وہاں سے اٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا اور ایک ڈسپوزیبل کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"زارا... مائی ڈیئر، زارا... ایسے تم ڈی ہائیڈریٹ ہو جاؤ گی۔ ابھی تمہیں بہت رونا ہے۔" وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

زارا نے چہرہ اٹھایا۔ زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ کپ دور جا گرا۔ مٹیالے فرش پر پانی کی ندی بہہ گئی۔

"ڈی ہائیڈریشن اٹ از دین"

عالیان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کو ریورس کرو۔ اس بیماری کو ختم کرو۔ ان کو ٹھیک کر دو۔ پلیز۔" چند لمحوں بعد وہ سر اٹھا کے بولی۔ مٹھیاں زمین پر جمی تھیں۔

"اللہ اللہ...." اس نے چچ کہہ کے سر جھٹکا۔

"تم جو مانگو گے میں دوں گی۔ ہر قیمت..."

"مرتے ہوئے آدمی کو زندگی دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے کام ہم اوپر والے پہ چھوڑتے ہیں۔" انگلی اٹھا کے ادب سے اوپر اشارہ کیا۔ "اور اس کے کاموں میں ہم مداخلت نہیں کرتے۔"

"ایس کے... پلیز... تم میرے باپ کے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟"

"مگر یہ میں نے نہیں کیا، زارا۔ یہ تم نے کیا ہے۔ تمہارا باپ وہ قیمت ہے جو تمہیں ادا کرنی تھی۔ ہر جادو کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ مجھے پیسے چاہیے تھے، مل گئے۔ تمہیں ماہر چاہیے تھا، مل گیا۔" اس نے اپنے سیاہ کیپ کا زمین کو چھوتا کنارہ جھٹکا۔ وہ گرے ہوئے پانی سے ذرا سا چھو کے گیلا ہو گیا تھا۔

"اپنے باپ کو تم نے قتل کیا ہے، زارا۔ میں نے نہیں۔ وہ پیسے خرچ کر کے میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ لیکن یہ تم ہو جسے ساری عمر اس درد کے ساتھ رہنا ہے۔ دوبارہ کبھی مجھے ایسے دھمکی دے کر مت بلانا۔ میں ہر دفعہ نہیں آؤں گا۔"

"ایس کے.... پلیز کچھ کرو...." وہ زور سے چلائی۔ عالیان ویئر ہاؤس کے دروازے کے قریب رکا۔ کچھ سوچ کے پلٹا۔

"اور ہاں۔ تم سب سے پوچھ رہی ہو کہ مالا کون ہے۔ میں بتاتا ہوں۔"

زارا کے آنسو تھم گئے۔ چونک کے اسے دیکھا۔ دروازے کے باہر تیز روشنی تھی اور ویئر ہاؤس کے اندر سرمئی سا اندھیرا۔

عالیان کسی سیاہ ہیولے کی طرح روشنی میں کھڑا تھا۔

"مالا، ماہر فرید کی سب سے خاص محبت ہے۔ وہ اس جیسی محبت کسی عورت سے نہیں کر سکے گا۔ تم سے بھی نہیں۔ وہ جب اس کو بلائے گی وہ اس کے پاس چلا جائے گا۔ ڈنر تو کیا، وہ اس کے لیے کچھ بھی چھوڑ دے گا۔"

پھر وہ رکا۔ چند الفاظ تولے۔

"اور اس کا بیٹا میرے پاس ہے۔ چاہو تو اسے بتا دو۔"

چغہ جھٹکا اور باہر نکل گیا۔

اب وہ وہاں تنہا تھی۔

اپنے آنسوؤں کے ساتھ۔

ایک لڑھکے ہوئے کپ اور بہے ہوئے پانی کے ساتھ، جو سوکھی سیمنٹ میں مل کے مٹیالے رنگ کا ہو گیا تھا۔

اسے وہ خون کے رنگ کے جیسا لگ رہا تھا۔ وہ خون جو دو دن پہلے اس کے براق سفید لباس پر گرا تھا۔

وہ خون جو زارینہ فرید کے ہاتھوں پر تھا۔

☆☆

URDU NOVELS MAG

"فرید لار" کے لونگ روم میں موتیے کی مہک تھی۔ سیاہ پردے ہٹے تھے اور روشنی کھڑکیوں سے اندر چھن کے آرہی تھی۔

ہلال شمس کی ٹیپسٹری (tapestry) کا چوکھٹا اسٹینڈ پہ نصب تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھی تھی، چہرہ کھڑکی کے رخ پہ تھا۔

اس وقت وہ گردن جھکائے کچھ تلاش کررہی تھی۔ ساتھ رکھی ٹرالی کے خانے رنگ برنگے دھاگوں سے بھرے تھے۔ ہر گولے پر ایک اسٹیکر چسپاں تھا۔ ہلال کے ٹٹولتے ہاتھ ایک گولے پہ رکے۔ پوروں سے اسٹیکر پہ ابھرے نقطے پڑھے۔ پھر اس کو اٹھا کے وہ سیدھی ہوئی۔ اب وہ دھاگے کو انگلیوں پر لپیٹ رہی تھی۔ آنکھیں سامنے دیکھ رہی تھیں۔ فریم کو؟ کھڑکی کو؟ یا اس کے پار پھیلے شہر کو؟ یہ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سنہری مائل بھوری سی لونا اس کے قدموں میں لمبی لیٹی تھی۔ آنکھیں بند اور دم ہل رہی تھی۔

"تم کیا بنا رہی ہو، ہلال؟"

اوپن کچن میں فیضی حانم نے گریپ فروٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ٹیپسٹری۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ انگلیاں اس دھاگے کو سوئی میں پرو رہی تھیں۔

"وہ تو میں جانتی ہوں۔" فیضی حانم قدرے خفا ہوئیں۔ "مگر اس میں ہوگا کیا؟"

ہلال نے جواب کے لیے لب کھولے اسی لمحے فیضی حانم نے جوسر کا بٹن دبا دیا۔ وہ زوں کی آواز سے چل پڑا۔ شور تھما تو وہ گویا ہوئی۔

"ایک خیال۔"

"مگر یہ تو صرف رنگ ہیں۔" فیضی حانم نے جگ ایک شیشے کے مگ میں انڈیلا۔ سطح پہ جھاگ کے بلبلے آگئے۔ پھر اسے لیے ہلال کے ساتھ آکھڑی ہوئیں۔

"یہ الٹا امیج ہے، فیضی حانم! ٹیپسٹری الٹی بنتی ہے۔ بنانے کے بعد سیدھا کروں گی تو دکھائی دے گا کہ کیا بنایا۔"

فیضی حانم ناسمجھی سے فریم کو دیکھے گئیں۔

فریم پہ اوپر سے نیچے تک سفید دھاگے لگے تھے۔ انڈیا میں بننے والی چارپائی کے پایوں کے جیسے۔ اب ہلال نیچے سے دائیں سے بائیں رنگین دھاگے بھر رہی تھی۔ یوں کہ ٹیپسٹری اپنی بیس سے چند انچ اوپر تک بھری ہوئی تھی۔ سبز، نیلا اور مٹی کا رنگ دکھائی دیتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ پلٹ گئیں۔

ہلال کی آنکھیں اندھیر تھیں لیکن وہ تمام آوازیں سن سکتی تھی۔ فیضی حانم کی آواز۔ وہ اسے بتا رہی تھیں کہ انہیں گروسری کرنے جانا ہے۔ کچن میں ہوتی کھٹ پٹ۔ کھونٹی کے اوپر سے تھیلا اتارنے کی آہٹ۔ ان کے دور جاتے قدموں کی چاپ۔ کوڈ پنچ کرکے دروازہ لاک ہونے کی بپ۔ پھر دروازہ بند اور خاموشی۔

اب ہلال کا اندھیرا خاموش تھا۔

اس نے دھاگے رکھے۔ اندازے سے ہاتھ ٹرالی تک لے گئی۔ شیشے کے مگ کو چھوا۔ وہ ٹھنڈا تھا۔ بیرونی سطح پہ پانی کے قطرے تھے۔ وہ اسے ہونٹوں تک لائی۔ اس کے پسندیدہ سٹرس فروٹس۔ ایک گھونٹ پیا۔ اندر تک ترش رس اترتا گیا۔ مسکرا کے مگ رکھا۔

پھر پیر پہ کچھ نرم سا آن لگا۔ لونا نے اسے دم ماری تھی۔

"کیا ہوا، لونا؟"

پھر .... لونا کے اٹھنے کی آہٹ۔ اس کے پنجوں کے دور جانے کی چاپ۔ اب وہ کہیں رک گئے۔ پھر پنجے شیشے پہ دستک دینے لگے۔ ساتھ ہی لونا نے مانوس آواز نکالی۔

وہ اندازہ کرسکتی تھی کہ لونا بالکونی کے دروازے کے ساتھ کھڑی اسے کچھ دکھانا چاہ رہی ہے۔ ہلال نے گلاس احتیاط سے ٹرالی پر رکھا۔ کانچ کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ پھر وہ اٹھی۔ ٹرالی کے ایک

digest library.com

طرف سے نکل کے وہ دروازے تک آئی۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ لوہے کا ہینڈل سرد تھا۔ اسے گھمایا۔ پھر دروازہ ایک طرف سلائیڈ کیا۔ سرد ہوا کا جھونکا تیزی سے اندر آیا۔ اور اسی تیزی سے لونا باہر بھاگی۔ پھر اسے محسوس ہوا وہ اسی تیزی سے واپس اس کے قدموں میں آن بیٹھی ہے۔ کوئی شے وہ ہلال کی پنڈلی سے رگڑ رہی تھی۔

وہ نیچے جھکی۔ ہاتھ سے لونا کا چہرہ ٹٹولا۔ وہ دانتوں میں کچھ دبائے ہوئے تھی۔

ہلال نے اس شے کو نرمی سے باہر نکالا۔ وہ تہہ شدہ کاغذ تھا۔ لونا کے دانتوں میں اس کے سانس کی مہک تھی۔ بیربل نے اس کو ٹوتھ برش نہیں کروایا تھا۔ جب وہ آئے گا تو وہ اسے یاد کروائے گی۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گیا تھا۔

ہلال نے سلائیڈنگ دروازہ بند کیا۔ پھر واپس اسٹول پر بیٹھی۔ اور کاغذ کی تہیں کھولیں۔

اس کی سطح پہ انگلی پھیری تو چونکی۔ وہاں نقطے ابھرے تھے۔ اس کے پور نقطوں کو ٹٹولنے لگے۔ وہ اسے الٹا پکڑے ہوئے تھی۔ پہلے اسے سیدھا کیا۔ پھر انگلیوں سے اسے پڑھنے لگی۔

الفاظ ذہن میں بنتے گئے۔

وہ بریل میں لکھا تھا۔

آنکھوں والے اسے نہیں پڑھ سکتے تھے۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

اس نے کاغذ مروڑ کے ٹراؤزر کی جیب میں ڈال دیا۔ انگلیوں نے پھر سے ریشمی دھاگہ اٹھایا لیکن اب ان میں کپکپاہٹ تھی۔ اور ابرو بھنچے ہوئے تھے۔

لونا بار بار بالکونی کے دروازے تک جا کے بھونکتی پھر واپس اس کے پاس آتی۔ کچھ دیر بعد اس نے ہمت ہار دی اور اپنی جگہ پہ پھیل کے لیٹ گئی۔ ٹھنڈے فرش پہ ٹھوڑی رکھی اور آنکھیں موند لیں۔

فیضی حانم جس لمحے گھر میں واپس داخل ہوئیں ہلال اپنی ٹیپسٹری بننے میں لگی تھی۔

البتہ بالکونی کو کھلتے دروازے میں پردے کا کنارہ پھنسا تھا۔ وہ چونکیں۔ پھر تعجب سے ہلال کو دیکھا۔ اس کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ گروسری کے تھیلے رکھ کے وہ پردے تک آئیں۔ دروازہ کھولا، پردہ درست کیا۔ پھر دروازہ بند کیا۔

رک کے ایک نظر ہلال کو دیکھا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ وہ کیوں جائے گی بالکونی میں؟ شاید صفائی کے دوران لان سے ہی ایسا ہوا ہوگا۔

☆☆☆

"بیربل نے شادی کرلی ہے۔"

"کس سے؟"

"آپ اس کا نام سن کے خوش نہیں ہوں گے۔"

ماہر فرید گلی کے کونے پہ کھڑا تھا۔ ٹریش کین کے ساتھ۔ موبائل والا ہاتھ پہلو میں گرائے۔ گم صم۔ اس کی ٹھوکر سے دبک کے بھاگنے والی بلی اب گلی کے موڑ پہ کھڑی جھانک رہی تھی۔ ٹریش کین میں کچھ ایسا تھا جس کی خوشبو اسے تاک میں بیٹھنے پہ مجبور کیے ہوئے تھی۔

"میں نے کہا تھا ایک دوسرا سرکار موجود ہے۔ میں نے کہا تھا۔" دور کسی کنویں سے آواز سنائی دے رہی تھی۔

ماہر دھیرے سے پلٹا۔ ذہن جاگنے لگا۔

ہالا اس طرف آرہی تھی۔ ماتھے پہ بل۔ آنکھوں میں جھنجھلاہٹ۔

"اور وہ میرا تعاقب کررہا تھا۔ اس کا وہی حلیہ تھا جو بیرام بے نے بتایا۔ ایک دفعہ بیکری پہ۔ ایک دفعہ اس رات دونر لیتے ہوئے۔"

وہ ایک طرف کو چلنے لگا۔ سیدھ میں دیکھتا ہوا۔ لمبا سرمئی کوٹ اس سردی کو روکنے میں ناکام تھا جو اس کے سارے جسم کو منجمد کرچکی تھی۔

"ماہر؟ تم سن رہے ہو؟"

اس نے سر ہلا دیا۔ وہ ساتھ ہی تھی کہیں۔ اس

کے دائیں۔ یا شاید بائیں۔

"ہمیں ان سے پولیس اسٹیشن میں ملنا چاہیے تھا۔ ان کی بیٹی انہیں بولنے ہی نہیں دے رہی تھی۔ ماہر... ماہر...!"

آواز بلند ہوئی تو ماہر نے قدم روکے۔

"کیا ہوا ہے؟" مالا اس کے سامنے آئی۔ راستہ روکا۔ آنکھیں ناسمجھی سے چھوٹی ہوئیں۔

"ایک ورک ایمرجنسی ہے۔ مجھے جانا ہے۔ تم اوبر کرلوگی؟"

"بالکل کرلوں گی۔ مگر کیا تم جھوٹ بولنا چھوڑ دوگے؟" وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

"سارا دن آفس میں دیکھتی ہوں تمہاری ورک ایمرجنسیز۔ ان پہ تمہارا چہرہ ایسا نہیں ہوتا۔ کچھ اور ہوا ہے نا؟" وہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں بتانا تو کہہ دو ... مالا، میرا کوئی ذاتی مسئلہ ہے۔ بس ادھورے سچ کہنا چھوڑ دو۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ "ہم نے اس دن یہی فیصلہ کیا تھا۔ نو جج منٹ۔ نو فلٹرز۔ مگر تم پھر سے وہی کررہے ہو۔"

"کیا کررہا ہوں؟" ایک دم سے وہ بہت تھک گیا تھا۔

"جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔ پوری بات بتائے بنا جگہ چھوڑ کے چلے جاتے ہو۔"

"تم بھی یہی کرتی ہو۔"

"اب نہیں کرتی۔ نہ کروں گی۔ مگر تم...؟"

ٹریش کین سے کھڑ پٹر کی آوازیں آرہی تھی۔ بلی واپس آچکی تھی اور کوڑے میں سے اپنے ناشتے کو تلاش کررہی تھی۔

"تم نہیں سمجھو گی۔"

"تم سمجھاؤ گے نہیں تو میں کیسے سمجھوں گی، ماہر بے؟"

ماہر چند قدم آگے گیا۔ ایک شاپ کے سامنے بچھی کرسی کھینچی۔ اور اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دھوپ اب نکل آئی تھی اور اس ایش ٹرے پہ پڑ رہی تھی جو دونوں کے درمیان حائل میز کے سرخ رومال پہ رکھا تھا۔

"اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟"

"بیرہل نے شادی کرلی ہے۔"

"اوکے۔ بہت مبارک ہو۔ اب اصل بات بتاؤ۔"

اس کی سنجیدگی پہ ماہر سوگوار سا مسکرایا۔

"مذاق نہیں کررہا۔ یہی ہوا ہے۔ بی اس دن بلدیہ کی عمارت کے باہر اسی لیے تھا۔ میرج لائسنس کے لیے۔"

مالا کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"واٹ؟"

نوعمر بیرا تیزی سے ان کے پاس آیا۔ ماہر نے دو چائے کہا۔ وہ اسی طرح دانت نکالے واپس پلٹ گیا۔

اسے شاک سے نکلنے کا وقت دینے کے لیے ماہر نے دائیں بائیں دیکھا۔ پولیس اہلکار کہاں تھا؟ شاید وہ مالا کو آگاہ کرکے جاچکا تھا۔ شاید وہ بیرا م بے کی دکان پہ ان کا انتظار کررہا تھا۔ اسے پرواہ نہ تھی۔

"بیرہل نے واقعی شادی کرلی ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تمہیں نہیں بتایا؟"

ماہر نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ایک انگلی وہ سرخ رومال کے سفید چیک پرنٹ پہ پھیر رہا تھا۔

"خیر... یعنی... وہ ایک... ایک نوجوان ہے..." وہ سنبھل کے ذرا احتیاط سے کہنے لگی۔ "سمجھ دار ہے۔ اپنے فیصلے خود کرسکتا ہے۔ کچھ سوچ کے ہی... کچھ سوچ کے ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔"

ماہر نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"وہ غم کو ہینڈل نہیں کرسکتا۔ مالک کی بیماری کا سن کے اسے لگا میں نے اسے ایک اہم بات سے محروم رکھا ہے سو اس کے پاس بہانہ آگیا مجھ سے کچھ

digest library.com

چھپانے کا۔"

مالا نے غور سے اس کے تاثرات دیکھے۔

"تمہیں دکھ پہنچا ہے؟"

"بات دکھ سے آگے کی ہے۔ اس بے وقوف کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ کتنی بڑی حماقت کر چکا ہے۔"

"تمہیں خدشہ ہے کہ وہ..."

"مجھے یقین ہے کہ اس لڑکی نے بیربل سے صرف اس کی دولت کے لیے شادی کی ہے۔ وہ صرف ایک گولڈ ڈگر ہے۔" ماہر کے تاثرات سخت ہو گئے۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔ البتہ انگلیاں سرخ رومال کے کنارے کو مسلسل مسل رہی تھیں۔

"ماہر... اٹس اوکے۔" وہ بولی تو آواز نرم تھی۔

"اٹس اوکے؟"

"مانا کہ اس نے غلط کیا۔ اسے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ تمہاری فیلنگز جائز ہیں۔ لیکن وہ چھوٹا ہے اور تم بڑے ہو۔ بڑے کو بڑا بن کے دکھانا ہوتا ہے۔"

ماہر فرید فرصت سے اس کو دیکھے گیا۔ آنکھیں چھوٹی کیے۔ بناتاثر چہرے کے ساتھ۔

"اس نے اپنے لیے ایک فیصلہ لیا ہے۔ جو شاید درست ہو۔ شاید نہ ہو۔ لیکن تمہارا سخت ردعمل اسے تم سے مزید دور کر دے گا۔"

"اچھا؟" ماہر ایک ہاتھ گال تلے جمائے اسی انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"اور ضروری نہیں کہ ہر لڑکی بیربل کی دولت کے پیچھے ہی ہو۔ تم منفی مت سوچو۔ ہو سکتا ہے وہ ایک اچھی لڑکی ہو۔ اور بیربل کب سے ایک اچھی لائف پارٹنر کی تلاش میں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے واقعی محبت کرتی ہو۔ ہر ایک کو سچی محبت نہیں ملتی۔ شاید ان دونوں کو مل گئی ہو۔"

ماہر کے تاثرات سے بے پرواہ وہ کہہ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ بیربل کے لیے اچھی ثابت ہو۔ وہ اس کی زندگی میں ڈسپلن لے آئے۔ ایک اچھا پارٹنر آپ کو آپ کا بہترین ورژن بننے میں مدد دیتا ہے۔ آپ کو سپورٹ کرتا ہے۔ بیربل اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے۔ کچھ تو دیکھا ہوگا اس نے۔ ہو سکتا ہے وہ بیربل کی زندگی سنوار دے۔"

"لوگ شادی کے بعد بدلتے نہیں ہیں، مالا! وہ جو ہوتے ہیں مزید وہی بنتے جاتے ہیں۔"

"لیکن اگر وہ اچھی ہوئی تو بیربل کو ایک ٹھکانہ مل جائے گا۔ ایک گھر۔ وہ سیٹل ڈاؤن ہو جائے گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

مالا کا حوصلہ بڑھا۔

"تمہیں اس موقع پہ اس کو اسپیس دینی چاہیے۔ اس کو خود سے مزید دور نہ کرو۔ میرے بھائی معید نے بھی اپنی پسند سے شادی کی تھی... اور ماہی اور میں، اس کے انتخاب سے ہم خوش نہیں تھے۔ لیکن میں نے پھر بھی اس کو سپورٹ کیا تھا۔"

"اور اب تمہارا بھائی تم سے خوش ہے؟"

مالا ایک دم چپ ہو گئی۔

"وہ الگ معاملہ ہے۔"

بیرا چائے کی پیالیاں اور شکر کی ڈلیاں لیے آیا۔ ایک ایک چیز میز پوش پر رکھی تو ماہر کی انگلیوں نے کپڑے کا کنارہ چھوڑ دیا۔

"بیربل اور تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ تم اس کے باپ نہیں ہو۔ بلکہ اس کا تو باپ ہے ہی نہیں۔ وہ مالک کی وجہ سے پہلے ہی اسٹریس میں ہے۔ ایسے میں تمہیں ایک مہربان بھائی کی طرح اس کو سپورٹ کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ ایک نوٹ چائے کی ان چھوئی پیالیوں کے ساتھ رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

مالا نے امید سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یعنی تم اس کو سپورٹ کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"ماہر!" وہ جھنجھلا گئی۔ وہ کوٹ کا بٹن بند

کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"کیونکہ میں ایک مہربان بھائی نہیں ہوں۔ میں قاسم فرید کا بیٹا ہوں۔ جب میں نے شمس کو اپنے باپ کی کمائی پہ نقب لگانے نہیں دیا تو اس لڑکی کو کیسے اجازت دے دوں؟"
"کیا مطلب؟ کیا کرو گے تم؟" وہ بیگ اٹھائے اس کے پیچھے لپکی جواب گلی میں آگے قدم بڑھا رہا تھا۔
"تم ہمیشہ کہتی ہو نا کہ ماہر فرید ایک ماسٹر مینیو پولیٹر ہے۔ اب دیکھنا میں اس معاملے کو کیسے ہینڈل کرتا ہوں۔"
پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ "دیکھو اور سیکھو۔"
"دیکھو اور سیکھو۔ ہونہہ۔"
وہ دونوں گلی میں دور جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ خاموش تھا اور وہ سر دائیں بائیں ہلاتی بحث کر رہی تھی۔
پیچھے گلاطہ کا اونچا مینار دوپہر کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ اور چند سمندری بگلے اس کی بالکونی کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔

☆☆☆

زارینہ فرید نے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔ پھر اسی جارحانہ انداز میں اسے واپس پٹخا۔ بولٹ اڑسا۔ ڈبل لاک بند کیا۔ پھر دروازے سے پشت ٹکائے کتنی ہی دیر وہیں کھڑی رہی۔
اس کا چہرہ آنسوؤں اور لباس گدلے پانی سے تر تھا۔
البتہ اپارٹمنٹ صاف ستھرا تھا۔ راہداری خالی تھی سوائے ایک کنسول ٹیبل اور اس کے آئینے کے۔
وہ نڈھال قدموں سے چلتی آئینے تک آئی۔ وہ بادل کی شکل کا تھا۔ سلور کنارے اوپر نیچے گولائی میں کٹے تھے۔
آبگینے کے بادل میں اس کا عکس ابھرا۔ بے جان چہرہ۔ بے یقین آنکھیں۔
بادل میں دیکھتے ہی دیکھتے روئی بھرنے لگی یہاں تک کہ وہ مکمل کورا ہو گیا۔
اور اس پہ سیاہ سفید روشنائی سے ایک منظر لکھا جانے لگا.....
وہ ساحل سمندر تھا۔ دوپہر کی نرم گرم ریت۔ جو بن پہ چمکتا ٹھنڈا سورج۔
اور ایک چھتری تلے بچھے سن لاؤنجرز پہ نیم دراز دو لڑکیاں۔
زارا کے چہرے پہ ہیٹ تھا اور ساتھ والی لڑکی کی آنکھوں پہ سن گلاسز۔ وہ کہنی کے بل اس کی جانب کروٹ لیے اڑتے بالوں کو بدقت سمیٹتی ناخوشی سے کہہ رہی تھی۔
"اتنا عرصہ ہو گیا تمہیں اس کا شہر چھوڑے ہوئے۔ لیکن اب بھی وہ تمہارے دل میں ہے۔"
"دل سے نہیں جاتا۔ کیا کروں؟"
"کتنے مردوں سے ملوایا تمہیں ہم سب نے۔"
"وہ ماہر نہیں ہیں۔"
"تم اس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"
"کرنی چاہی تھی۔ کئی دفعہ۔ وہ جان بوجھ کے گفتگو کو اس مقام پہ آنے ہی نہیں دیتا اور میں ڈیسپریٹ نہیں لگنا چاہتی۔"
"پھر یہ سب کیسے ہوگا، زارا؟ کوئی جادو کی چھڑی تو ہے نہیں جو گھماؤ اور کسی کے اوپر لو میجک کر دو۔"
زارا نے ہیٹ اٹھا کے ریت پہ رکھی تو دھوپ سیدھی آنکھوں میں پڑی۔ پلکیں سکڑ گئیں۔
"ایسے جادو ہوتے ہیں۔"
"کم آن، زارا۔"
"ماہر نے بتایا تھا۔" اس نے شانے اچکائے اور واپس ہیٹ چہرے پہ رکھ لیا۔ "وہ زیاد سلطان والا کیس۔ جس آدمی نے اس کی بہن کو اغوا کیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے شادی ہی لو میجک کی وجہ سے کی تھی۔"

digest library.com

"پھر اس جادوگر کا پتا کرو جس نے وہ جادو کیا تھا۔ ہم بھی اس کے کلائنٹ بن جاتے ہیں۔" وہ مذاق میں بات اڑا کے ہنسی۔ زارا بھی مسکرادی۔

"وہ اس کی ماں تھی۔ جو مرگئی تھی۔ اب ہمیں کوئی ایسا جادوگر نہیں مل سکتا۔ افسوس۔"

"کسی کو تو اپنا علم ورثے میں دے کر گئی ہوگی نا۔ میں بھی اپنے شوہر پہ کوئی عمل ...." وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی اور زارا نے ایک دم سے ہیٹ دوبارہ ہٹایا۔ اب وہ بنا جھجکے سورج کی جانب دیکھ رہی تھی جو چھتری کے چھجے کے کناروں سے لپک لپک کے اس کی آنکھوں میں گھسا جارہا تھا۔

ذہن میں ایک خیال جنم لے رہا تھا....

بادل کی شکل کا آئینہ شفاف ہوگیا۔

وہ بے جان آنکھوں کے ساتھ وہیں کھڑی تھی۔

آہستگی سے کار ریموٹ اور پرس کنسول ٹیبل پہ رکھے۔ بیڈروم دائیں ہاتھ تھا۔

خاموش۔ صاف ستھرا۔ بیڈ پہ سفید بیڈ کور بچھا تھا۔ بنا شکن کے۔ اجلا اجلا۔ کونے میں ڈریسر مرر کھڑا تھا۔ الٹے یو کی شکل کا۔ زمین سے لگا دیوار سے ٹیک لگائے۔

وہ اس کے سامنے جارکی۔ وہ آئینہ اتنا طویل قامت تھا کہ اس کو سر سے پیر تک دکھا رہا تھا۔ آلودہ آنسوؤں سے تر چہرہ۔ سفید شرٹ کے گدلے داغ۔ اور جوتوں پہ پڑے ٹیالے چھینٹے۔

یکا یک آئینے کی سطح دھندلی ہونے لگی۔

زارا نے اس پہ لکھا منظر پڑھنے کی کوشش کی....

وہ فرید لار کا اپارٹمنٹ تھا۔ لمبے ایل کی صورت بچھے سیاہ صوفے۔ اونچے سیاہ پردے۔ نیچے قالین پہ بہت سے دھاگے پھیلائے ہلال بیٹھی تھی۔ لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے اور وہ سر جھکائے ایک موٹی سوئی میں دھاگہ پرو رہی تھی۔

"میں کردوں؟" وہ جو کافی دیر سے صوفے پہ لمبی لیٹی میگزین چہرے کے آگے پھیلائے ہوئے تھی بالآخر سیدھی ہو بیٹھی۔ میگزین ایک طرف رکھا۔ پیر آلتی پالتی کیے۔ اس کے بال آج سے کہیں ہلکے بھورے تھے۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ جیسے چھٹیاں گزارنے یہاں آئی تھی۔

"ہوگیا۔" سر جھکائے ہلال نے دھاگا پرو لیا تھا۔

"کوئی بات بتاؤ مجھے، ہلال! میں تمہارے لیے آئی ہوں۔" وہ بغور اس کے جھکے سر کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا بتاؤں؟" ہلال اب دھاگے کی گرہ لگا رہی تھی۔

"یہ تمہیں انہوں نے اس.... اس قید میں سکھایا تھا؟"

ہلال کے ہاتھ رکے۔ سر دائیں بائیں ہلایا۔ "وہاں یہ نہیں سکھاتے تھے۔"

زارا چونکی۔ آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ جلدی سے نیچے قالین پہ آئی اور اس کے ساتھ آلتی پالتی کر کے بیٹھی۔ اب وہ ہلال کے سامنے تھی۔ اس کی جھکی آنکھیں دیکھ سکتی تھی۔

"پھر کیا سکھاتے تھے وہاں؟"

ہلال نے بس سر دائیں بائیں ہلایا۔ چہرے پہ تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے، جیسے وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جادو سکھاتی تھی وہ بڑھیا تمہیں؟"

"میں نہیں سیکھتی تھی۔"

"پھر کون سیکھتا تھا؟"

"عالیان!"

"وہ کون تھا؟"

ہلال کے لبوں سے سس نکلی۔ سوئی اس کی انگلی میں چبھی تھی۔ خون کی بوند نکلی۔

"پتا نہیں، زارا! مجھے نہیں یاد۔" جھکی پیشانی پہ بل پڑے۔

زارا بدمزہ ہو کے پیچھے ہوئی۔ پھر زور سے آواز

دی۔
"فیضی حانم... فرسٹ ایڈ باکس لائیں۔ ہلال کو زخم لگا ہے۔ ادھر لاؤ۔ میں اس پہ بینڈیج لگاتی ہوں۔" اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑا۔ میز پہ رکھے باکس سے ایک ٹشو کھینچا اور بوند پہ رکھ کے دبایا۔ خون رک گیا۔ ننھا قطرہ اندر ہی اندر جمنے لگا۔

"عالیان تمہارے ساتھ قید تھا؟" وہ بغور ہلال کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ قید خانے کا ذکر ہلال سے کرنا منع تھا۔ یہ ماہر کی ہدایت تھی۔ لیکن ماہر کے آنے سے پہلے وہ جا چکی ہوگی۔

"مجھے نہیں یاد، زارا!" وہ جھنجھلائی۔ زارا غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی....

قد آور آئینے کی دھند چھٹی۔ وہ گدلے جوتوں کے ساتھ اپنے عکس کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" اس نے پھر سے ابلتے آنسو رگڑے۔

"میری وجہ سے ایسا کچھ نہیں ہوا۔" الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے وہ دہرا رہی تھی۔

اب وہ باتھ روم مرر کے سامنے کھڑی تھی۔ گیلے بال۔ خشک آنکھیں۔ اجلی سفید ویسٹ اور ہائی ویسٹ پینٹس پہنے وہ ڈرائیر سے بالوں کو سکھا کے اسٹائل کر رہی تھی۔ نگاہیں گول آئینے کے گرد روشن ویننٹی لائٹس پہ جمی تھیں۔

ان لائٹس میں لکھا منظر صاف پڑھا جا رہا تھا.....

وہ ورک ٹیبل پہ آگے کو جھکے بیٹھی تھی۔ کمر میں درد اٹھ رہا تھا لیکن وہ بے چینی سے انگلیاں کی بورڈ پہ چلا رہی تھی۔

"کہاں گئی وہ ای میل؟" جھنجھلا کے بار بار سرچ بار میں کچھ الفاظ لکھتی۔ ماہر نے اس کو ایک شخص کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کہا تھا۔ جن دنوں وہ پاکستان چلا گیا تھا۔ کیونکہ جب بھی ماہر کو کسی کے بارے میں معلومات چاہیے ہوتی وہ اس کے پاس آتا تھا۔ بس انہی چیزوں کے لیے اسے زارا چاہیے ہوتی تھی۔ مگر اس ای میل کا جواب کہاں گیا؟

اس نے ماہر کو عالیان کی معلومات ای میل کی تھیں اور واٹس ایپ بھی۔ اتنی پرانی چیٹ اس کے پاس نہ تھی لیکن ای میل ہونی چاہیے تھی۔

"آہا..." بالآخر اس کی آنکھیں چمکیں۔ مطلوبہ ای میل سامنے تھی۔

"یہ کبیرہ کے بیٹے عالیان کے بارے میں پولیس رپورٹ ...." وہ لب دانت سے دبائے پڑھے گئی۔

زارینہ فرید انسانوں کو ڈھونڈنے میں اچھی تھی کیونکہ وہ کسی کا نام نہیں بھولتی تھی۔ اور یہ نام اسے یاد تھا۔

اس نے موبائل اسکرین روشن کی اور ایک نمبر ملایا۔

"میں آپ کو ایک شخص کا نام اور دیگر تفصیلات بھیج رہی ہوں۔ آپ نے اس کو تلاش کرنا ہے۔"

ویننٹی لائٹس بٹن دبانے سے ٹھک سے بند ہوئیں۔ اب اس کا روشن عکس مدھم ہو چکا تھا۔ چہرے کی باریک لکیریں چھپ گئی تھیں۔ زارا تیار تھی۔ بال بل دار اسٹائل کیے، نو میک اپ لک مسکارے کے چار پانچ کوٹ لگائے، آنکھیں بالکل خشک تھیں۔

وہ باہر آئی تو سنسان لونگ روم اس کا منتظر تھا۔ سامنے ٹی وی اسکرین نصب تھی۔ اس کی سیاہ آئینے جیسی سطح میں سفید سیاہ روشنائی سے لکھا منظر اسے رک کے پڑھنا ہی تھا۔ اس نے بدقت اپنے تاثرات ہموار رکھے اور وہ تحریر پڑھنے لگی....

وہ ایک نیم روشن پارکنگ لاٹ تھا۔ لمبے سرمئی کوٹ اور بلاک ہیلز پہنے لڑکی موبائل پہ سر جھکائے چلتی جا رہی تھی۔ بل دار بال کمر کو چھوتے تھے اور انگلیوں میں سنہری انگوٹھی والے انگوٹھے سے وہ موبائل اسکرین پہ بٹن دبا رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی۔ اسکرین پہ چمکتے الفاظ پڑھے۔

"آپ کے کہنے پہ آج اپنا آخری سورس بھی

digest library.com

آزما لیا۔ عالیان سادان نامی بچے کی واقعی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ وہ وجود نہیں رکھتا۔ صرف پیسے کا زیاں ہے۔ پھر بھی اگر آپ مصر ہیں تو میں ایک دوسرا پرائیوٹ سراغ رساں ہائر کرکے کوشش کرلیتا ہوں۔"

زارا کے ابرو بے زاری سے اکٹھے ہوئے۔ فون چہرے کے قریب لے کر گئی۔

"رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔" زبانی پیغام ریکارڈ کرکے بھیجا۔ فون جیب میں ڈالا اور تیز قدم اٹھاتی ایک ایس یو وی کے قریب آئی۔ ڈرائیونگ ڈور کے ہینڈل پہ سنہری انگوٹھیوں والا ہاتھ رکھا۔ پھر وہیں جم گئی۔

ایک دم چونک کے مڑی۔

پیچھے کوئی نہ تھا۔ پارکنگ لاٹ خالی تھا۔ آسمان اندھیرا اور دور دور تک کھڑی کارز خاموش تھیں۔

اس نے سر جھٹکا۔ شاید وہم تھا۔ اور واپس پلٹی۔

اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹی۔

کار کے بونٹ کے سامنے کوئی کھڑا تھا۔

لمبا سیاہ لبادہ پہنے۔ سر پہ اونی ٹوپی۔ جیبوں میں ہاتھ۔

زارا نے آنکھیں چھوٹی کرکے دیکھنا چاہا۔ وہ اندھیرے میں تھا۔ روشنی کا پول چند قدم آگے تھا اور اس کی روشنی کا ہالہ جہاں زارا کی آنکھوں کو چندھیا رہا تھا وہیں نووارد کا چہرہ بالکل تاریک بنائے ہوئے تھا۔

"کون؟" اس کی چوکنی آواز بلند ہوئی۔ ہاتھ سست روی سے بیگ کی طرف رینگا۔ اس کا ریپ الارم اور پیپر اسپرے دونوں بیگ میں تھے۔

"جس کو تم تلاش کر رہی ہو، مائی ڈیئر زارینہ۔"

وہ ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت۔

"کون؟"

"عالیان۔"

وہ قدم قدم چلتا آگے آیا۔ اس کے بوٹس کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ یہاں تک کہ وہ روشنی کے ہالے میں آرکا۔ اب اس کا چہرہ واضح تھا۔

زارا کا بیگ کو بھنچا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ سر سے پیر تک نووارد کا جائزہ لیا۔ ابرو ناگواری سے اکٹھے ہوئے۔

"کون عالیان؟"

"تم بتاؤ کون عالیان؟ زارا ہر ایک کو تلاش کرلیتی ہے۔ ہے نا؟"

وہ نرمی سے بولتا تھا مسکراتے ہوئے، سفید رنگت۔ سنہری بال جو ٹوپی سے جھلکتے تھے۔ اور ایک مسکراہٹ جو ہونٹوں سے چپکی تھی۔

"میں کیسے یقین کروں تم عالیان ہو؟" زارا نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ عالیان کو دیکھتی نگاہوں میں تنقید در آئی۔

"کیوں ڈھونڈ رہی ہو مجھے؟"

زارا نے لب کھولے۔ پھر سر دائیں بائیں ہلایا۔

"تم کوئی جادوگر نہیں ہو۔ جادوگر ایسے نہیں ہوتے۔"

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"کتنے جادوگروں کو جانتی ہو تم؟"

"کامن سینس۔"

"زمانہ بدل گیا ہے، مائی ڈیئر۔ ہم بھی بدل گئے ہیں۔ تم بتاؤ، کیا چاہیے تمہارے دل کو؟"

زارا کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "تم واقعی زیاد کی ماں کے شاگرد ہو؟"

سفید چہرے والے نوجوان کی آنکھوں میں سایہ سا ابھرا۔ مسکراہٹ ہلکی ہوئی۔ اس نے سر کو خم دیا۔

"ہلال نے کہا تھا تم اس سے جادو سیکھتے تھے۔ کیا واقعی؟"

وہ غیر متاثر تھی۔ قدرے بے زار۔

"تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

مگر زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"چچ ... تم کوئی جادوگر نہیں ہو۔ تم ایک کون آرٹسٹ ہو۔ لوگوں سے پیسے وصول کر کے ان کو اسکام کرتے ہو۔ ان کا کام نہیں ہوتا ہوگا لیکن وہ تمہارے خلاف کیا کریں گے؟ قانونی کارروائی؟ ہونہہ۔" اسے مایوسی ہوئی تھی۔ یہ تو کوئی کم عمر سا لڑکا تھا۔

"تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

زارا نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ جھٹکا اور کار کا دروازہ کھولا۔ اندر بیٹھ کے سیٹ بیلٹ پہنی تو وہ الٹے قدموں اندھیرے میں واپس جا رہا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے انجن بٹن دبانے لگی۔ اتنا پیسہ برباد ہوا۔ اتنے دن ضائع ہوئے۔ یہ تو کوئی اسکامر تھا۔ بے وقوف سمجھا ہے کیا مجھے؟

ٹی وی کی سیاہ اسکرین تاریک ہوگئی۔ منظر غائب ہوگیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ گم صم۔

ہر طرف آئینے تھے۔ سیاہ سفید آئینے۔ اور ہر آئینے میں ایک منظر تھا۔

کس آئینے میں اس نے ابھی تک اپنا عکس نہیں دیکھا تھا؟

وہ ایڑھیوں پہ چاروں طرف گھومی۔ ڈور وتھی کی طرح۔ لیکن اس کی دنیا نہیں بدلی۔ صرف آئینہ بدل گیا۔

دیوار گیر کھڑکی اس کو اس کا عکس دیکھنے کی دعوت دے رہی تھی۔ زارا اس کے ساتھ آ ٹھہری۔ شیشے میں چند الفاظ تحریر تھے۔ اس نے انہیں پڑھنے کی کوشش کی۔

وہ نیند میں تھی۔

آنکھیں بند تھیں۔ اور جسم .... بالکل ساکت۔ اس نے ہلنے کی کوشش کی لیکن جیسے سینے پہ کوئی چیز بیٹھی ہے۔ بھاری۔

زارا نے بدقت آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن ان پہ بوجھ تھا۔ ہونٹ حرکت دینے چاہے۔ وہ پتھر بن چکے تھے۔

سینے پہ بوجھ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی بلا تھی جو پنجے گاڑھے بیٹھی تھی۔

اسے ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ پتھر ہونٹ کپکپانے لگے۔ اسے اٹھنا تھا۔ صبح تھی یا رات، وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی آفس جانے کا وقت نہیں ہوا تھا لیکن اسے جاگنا تھا۔ اسے اس بوجھ سے آزادی چاہیے تھی۔

سینے پہ بیٹھے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ بند آنکھوں سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔ ایک نوکیلے ناخن والا ہاتھ رینگتا ہوا اس کے بازو تک آیا۔ پھر چبھن ہوئی۔ جیسے ناخن سے لکیر کھینچی گئی ہو۔ وہ چیخ بھی نہ سکی۔ آنسو اندر ہی گھٹ گئے۔

ایک دم سے اس کی آنکھ کھلی۔

وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

اب وہاں کوئی نہ تھا۔ کوئی بوجھ۔ کوئی وجود نہیں۔ وہ اکیلی تھی۔

سانس بے ترتیب تھا اور کمرے میں اندھیرا۔ جلدی سے لیمپ جلایا۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ گہرے سانس لیے۔

پانی کی بوتل اٹھائی اور غٹا غٹ پی گئی۔ پانی کا ذائقہ کڑوا سا محسوس ہوا۔ یا اندر تک تلخی اتری تھی۔

وہ صرف ایک برا خواب تھا۔ شاید اس کا معدہ رات کو دیر سے کھانا کھانے کی وجہ سے اپ سیٹ تھا۔ اسی لیے....

اسے بازو پہ چبھن ابھی تک محسوس ہو رہی تھی۔ آستین ہٹا کے بازو اونچا کیا۔ کلائی اور کہنی کے عین وسط میں تین لکیریں کھنچی تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔

وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔

دیوار پہ آویزاں گھڑیال کی سوئیاں آگے بڑھنے لگی۔

digest library.com

اب وہ اس زخم پہ مرہم لگا رہی تھی۔ ہر آواز پہ وہ چونکتی۔ سارے اپارٹمنٹ کی بتیاں روشن کیے۔

اب وہ تیار ہو رہی تھی۔ آج اس نے فل سلیو پہنی تھی۔ وہ آفس میں کسی کو اپنا بازو نہیں دکھا سکتی تھی۔

اب وہ آفس جا رہی تھی۔ بار بار اپنے پیچھے دیکھتی۔ کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مگر دکھائی نہ دیتا تھا۔

یہ فرید ہولڈنگ کا مے فیئر آفس تھا۔ وہ اپنی سیٹ پہ بیٹھی گم صم سی کام کر رہی تھی۔ ہر آہٹ پہ چونک کے سر اٹھاتی۔ آج میک اپ بھی ہلکا تھا۔ بال کیچر میں بندھے تھے۔ بار بار آستین ہٹا کے ان لکیروں کو دیکھتی۔ سینے پہ ابھی تک اس بوجھ کا احساس باقی تھا۔

اب وہ کانفرنس روم میں ایک میٹنگ میں بیٹھی تھی۔ سربراہی کرسی پہ مالک فرید براجمان اکتائے انداز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ ہتھیلی گال تلے رکھے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

تب ہی اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔ اس نے اسکرین سامنے کی۔ غیر شناسا نمبر۔

مالک فرید نے سرزنش کے انداز میں اسے گھورا۔ لیکن وہ جانتی تھی یہ کس کی کال تھی۔

اسے اس کال کا انتظار تھا۔

"کیسا تھا میرا ڈیمو؟"

فون کان سے لگائے اپنے آفس میں پہنچنے تک وہ خاموش رہی۔

"کیا کیا ہے تم نے؟" دروازہ بند کرتے ہی وہ دبا دبا سا چلائی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"تمہارے دل کو یقین چاہیے تھا اور مجھے ایک نیا کلائنٹ۔"

وہ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ ساری بحث، بے یقینی سب دم توڑ گیا تھا۔

"اب بتاؤ زارینہ فرید... تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

کھڑکی میں اس کا عکس تحریر پہ غالب آ گیا۔ وہ وہاں سے ہٹ آئی۔ مینٹل شیلف تک رکی۔ اس پہ رکھا سنہری اور سفید لیمپ دمک رہا تھا۔ لیمپ کے سنہری براس میں اس کا عکس تھا۔ لیکن الٹا۔ وہ الٹی تحریر پڑھنے لگی۔

وہ ایک کاٹھ کباڑ سے بھرا ویئر ہاؤس تھا۔ گرد اور ترپنٹائن آئل کی بو سارے میں پھیلی تھی۔ وسط میں دو گدلی کرسیاں رکھی تھیں جن پر وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ زارینہ کا چہرہ پارکنگ لاٹ کے جیسا نہ تھا۔ کندھے پست اور پلکیں جھکی تھیں۔

"مجھے ماہر چاہیے۔"

"بی اسپینک"

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ مسکراتی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔

"بس مجھے وہ چاہیے۔ اسپیسفیکلی کیسے بتاؤں؟"

"کس صورت میں چاہیے؟ غلام بنانا ہے، محبوب یا شوہر؟"

وہ ٹھہر گئی۔ تھوک نگلا۔

"مجھے اس کی محبت چاہیے۔ اتنی محبت کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔"

"ماہر فرید اور میری ماں کے تنازعے کے بارے میں تم واقف ہو گی۔ اس پہ جادو کرنے سے جادو الٹا ہوا تھا اور میری ماں بیمار ہو گئی تھی۔"

"نگینہ بیگم؟"

"میری ایک ہی ماں ہے، زارا۔" اس کی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔ زارا نے سر اثبات میں ہلایا۔ اس نوجوان کا فیملی ٹری اس کا مسئلہ نہ تھا۔

"میں اس پہ سحر عشق نہیں کروں گا۔ لیکن میں ٹیکنکل گراؤنڈز پہ تمہاری اس سے شادی کروا سکتا ہوں۔"

"یعنی جادو کے ذریعے؟"

"ہاں۔ جادو کے ذریعے۔ لیکن اس کی قیمت..."

"میں اپنا بچہ نہیں دوں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔ چہرہ سرخ ہوا۔ "مجھے ماہر کے ساتھ ایک فیملی بنانی ہے۔"

عالیان گردن پیچھے کر کے ہنس دیا۔

"مجھے کسی کے بچے نہیں چاہئیں۔ میں نے کیا کرنا ہے بچوں کا؟"

"تمہاری ماں کیا کرتی تھی؟" پھر سر جھٹکا۔ "سوری۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔"

"میں اس کام کے بدلے میں ایک بھاری رقم لوں گا لیکن ..." وہ رکا۔ جیسے سوچا۔ "لیکن ہر جادو کی ایک اور قیمت بھی ہوتی ہے جو ساری زندگی ادا کرنی ہوتی ہے۔ کسی پچھتاوے کی صورت میں۔ ادا کرلوگی، زارا؟"

"ماہر سے شادی کر کے میں کبھی نہیں پچھتاؤں گی۔"

"تمہیں ہر قیمت پہ وہ چاہیے؟" وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہر قیمت پہ۔"

"اور تمہارے بابا؟ کیا وہ رکاوٹ نہیں بنیں گے؟"

زارا کے ابرو ناسمجھی سے اکٹھے ہوئے۔ پھر سمجھ کے سر ہلایا۔

"جانتی ہوں۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں ماہر کی وجہ سے دوسرے ایجبل بیچلرز کو انکار کروں۔ لیکن میں ان کو منالوں گی۔"

"یعنی تمہیں ہر قیمت پہ ماہر سے شادی کرنی ہے اور اگر مالک فرید رکاوٹ بنیں تو میں اس رکاوٹ کو ختم کرسکتا ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"جو بھی کرو۔ مجھے تفصیلات نہیں چاہئیں۔"

"پلیز ایبل ڈینائے ایبلٹی" اس نے سمجھ کے سر ہلایا۔

"مجھے ماہر فرید کی بیوی بننا ہے۔ آگے میں سب خود سنبھال لوں گی۔ کتنا عرصہ لگے گا؟"

"مجھے چھ ماہ دو۔ میں حالات ایسے بنادوں گا کہ وہ خود چل کے آئے گا اور تمہیں پرپوز کرے گا۔ اور تمہاری شادی تک میں تمہارے ری ٹینر پہ رہوں گا۔"

زارا نے شانے اچکا دیے۔ جو رقم اس نے کوٹ کی تھی وہ اس کی توقع سے کم تھی۔

ٹرن ٹرن۔ موبائل کی اولڈ فون رنگ ٹون پہ وہ ایک دم ڈر گئی۔ اف۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ میں کھڑی تھی۔ سارے عکس اور ان کی تحریریں ختم ہوگئی تھیں۔

وہ تھی اور اس کے سایے۔

"مالک کو کیا ہوا ہے؟" دوسری جانب ماہر تھا۔ پریشان۔ فکرمند۔

اس نے گہری سانس لی۔

"تین دن سے ہاسپٹل میں ہیں۔ میں وہیں جارہی ہوں۔"

"میں آرہا ہوں۔ تم پہنچو۔"

اس نے فون نیچے کیا۔ کنسول ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ چہرہ بے تاثر اور آنکھیں خشک تھیں۔

کسی کی محبت حاصل کرنے کے لیے جادو کرنا کوئی گناہ نہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو کیا ہے عالیان نے کیا ہے۔ وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کسی کو خود کو ذمہ دار سمجھنے دے گی۔

جھپٹ کر کار ریموٹ اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ماہر فرید اسے دور سے ہسپتال کی راہداری میں دکھائی دے گیا۔ سر جھکائے موبائل کے بٹن دباتا کچھ الجھا ہوا۔ زارا کے قدم سست ہوئے۔ گہرا سانس لیا۔ ہسپتال کی مخصوص مہک نتھنوں سے ٹکرائی جو اینٹی سیپٹک دواؤں کے جیسی تھی۔

"مجھے اتنی دیر سے کیوں بتایا، زارا؟"

وہ تیزی سے اس کی جانب آیا۔ آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"مجھے اتنی دیر سے کیوں بتایا، ماہر؟" آواز بلند اور ماتھے پہ بل تھے۔ ماہر کے تنے اعصاب

digest library.com

ڈھیلے ہوئے۔

"یہ میرا راز تھا نہ میرا فیصلہ۔" ابرو سے بند دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ "لیکن آئی ایم سوری۔"

زارا نے گلہ آمیز نظروں سے اس دروازے کو دیکھا جس کے پار مالک فرید تھے۔

"بابا نے مجھے کبھی اتنا مضبوط سمجھا ہی نہیں کہ.... خیر۔تم کیسے ہو؟" غور سے اسے دیکھا۔ماہر کے چہرے پہ پھر سے ندامت ابھری۔

"اس دن کے لیے پھر سے معذرت۔ مجھے تمہیں چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"اٹس اوکے۔" وہ جبراً مسکرائی۔مگر وہ کہے جا رہا تھا۔

"مگر میری مجبوری تھی۔ مالا ایک مسئلے میں تھی۔پولیس کیس بن سکتا تھا۔جانتی ہو نا میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے بیٹے کو ڈھونڈوں گا۔میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

مالا۔پھر مالا۔لیکن بظاہر وہ مسکرا دی۔

"آف کورس۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔" ہلکا سا اس کی کہنی کو چھوا۔"اس نے بھی ہلال کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ویسے"... لہجے کو سرسری بنایا۔" کچھ پتا چلا اس کے بیٹے کا؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔انگلی اور انگوٹھے سے وہ ناک کی اوپری ہڈی مسل رہا تھا۔

"کسی پہ شک؟"

"اسے لگتا ہے کہ ..."اس نے سر جھٹک دیا۔جیسے بات کرنا مناسب نہ ہو۔

"بتاؤ نا۔" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم جانتی ہو نگینہ بیگم....جو زیاد کی ماں تھیں۔ زیاد یعنی کشمالہ کا..."

"میں سب کو جانتی ہوں، ماہر۔مجھے نام نہیں بھولتے۔"

"وہ سمجھتی ہے کہ نگینہ کے مرنے کے بعد کوئی نیا جادوگر اس کی جگہ لے چکا ہے۔"

زارا نے بہت سا تھوک نگلا۔

"اور تم بھی یہی سمجھتے ہو؟"

"کم آن۔کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔ہم وہ سب پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔" اس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"یہ سب زیاد سلطان نے کیا ہے۔"

زارا کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔" مگر وہ تو جیل میں ہے۔"

"واٹ ایور۔"

وہ چند لمحے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں لگتا ہے بابا کی بیماری کسی جادو کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔پھر اس کے تاثرات میں بے زاری کے ساتھ خفگی بھی در آئی۔

"بے کار مت سوچو۔ مالک کا ٹیومر بہت پرانا تھا۔ایسے کیسز میں چند سال بعد ٹیومرز واپس آجاتے ہیں۔کوئی اسے جادو سے یوں بیمار نہیں کر سکتا۔"

"شمس نے تمہارے باپ کو کیا تھا نا۔"

"وہ اور بات تھی۔ مالک کا کوئی ایسا دشمن نہیں ہے جو یہ کرے۔فضول وہم نہ پالو۔"

"میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ...."اس نے تھوک نگلا۔"اگر کسی جادوگر کے پاس بیمار کرنے کی طاقت ہو تو کیا تندرست کرنے کی..."

"زارا!" اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

زارا کا سانس بھی تھم گیا۔

"ایسی بات سوچنا بھی مت۔نہ ایسا کچھ انٹرنیٹ پہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنا۔" وہ دبا دبا سا غرایا۔"ورنہ میں ساری عمر تمہارا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔"

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔"نہیں سوری، میں تو بس ایسے ہی .... مجھے ایک دم مالا کی باتوں سے خیال آیا مگر..."

ماہر کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ زارا کے کندھے کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔

زارا چونک کے گھومی۔

سامنے سے بیربل فرید چلا آرہا تھا۔ ماہر پہ نگاہ پڑی تو اس کی رفتار مزید سست ہوگئی۔

"آیئے، بیربل بے.... ہم آپ کا ہی انتظار کررہے تھے۔"

بیربل کو ایکس رے کرتی اس کی آنکھوں میں چبھن تھی۔

بیربل نے تھوک نگلا اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

☆☆☆

بلت کی رنگ برنگی عمارت میں واقع مالا کے فلیٹ کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے۔ اندر جھانکو تو سرسبز پودے جگہ جگہ رکھے تھے۔ لونگ روم کے ساتھ ملحقہ کچن میں وہ کھڑی تھی۔ کاؤنٹر پہ آئی پیڈ رکھا تھا اور وہ اس کی روشن اسکرین کو انگلیوں سے زوم کررہی تھی۔

"بس؟ اتنے ہی خدوخال یاد ہیں بیرام بے کو؟" کانوں میں لگے ائرپوڈز کے ذریعے پولیس اہلکار سے پوچھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

"اتنے مہینے گزر گئے۔ انہیں جتنا یاد تھا بتادیا۔"

"لیکن اس مبہم اسکیچ سے ہم اس کو تلاش نہیں کرسکتے۔ میں نے بھی ٹھیک سے شکل نہیں دیکھی تھی اس کی۔" اس نے اسکرین بجھادی۔ کندھے ڈھلک گئے اور جوش ماند پڑ گیا تھا۔

"ہم کوشش کریں گے۔" اسکیچ کی طرح کی مبہم خالی خالی سرکاری تسلی۔ اس نے رسمی کلمات کے بعد کال کاٹ دی۔ کاٹن کینڈی مین کو تلاش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے وہ اسے کہاں ڈھونڈیں گے؟

اس نے ماہر کو کال کرنے کا سوچا، پھر سر جھٹک کے ائرپوڈز کانوں سے نکال لیے۔

"ماہر کو نہ ہی چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" خود سے کہتے ہوئے فریزر کھولا۔ قیمے کا جما ہوا پیکٹ نکالا۔

"وہ ذہن میں کوئی اسکیم بنا رہا ہوگا بیربل کی شادی تڑوانے کی۔ اتنا نہیں کرے گا کہ دل بڑا کرکے اس کو تسلیم کرلے۔"

پیکٹ سرد تھا۔ ہاتھ یخ ہونے لگے۔ مالا نے اسے پیالے میں ڈال کے نل تلے رکھ دیا۔ اب وہ سبزیاں چن رہی تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا اور اسے اگلے تین چار دن کا کھانا بنا کے فریز کرنا تھا کیونکہ سوموار سے بورنگ آفس ویک شروع ہورہا تھا۔

"جوان بھائیوں پہ زبردستی کہاں کی جاسکتی ہے؟ ماننی پڑتی ہے ان کی بات۔ لیکن نہیں۔ ماہر بے ہار تھوڑی مانیں گے۔"

وہ اب خود سے بڑبڑاتے ہوئے ٹوکری میں اکٹھی کی گئی سبزیاں پانی سے گزار رہی تھی۔

"ماہر اپنی زندگی خود پیچیدہ بناتا ہے۔ پتا نہیں اب کیا کرے گا بے چارے بیربل کے ساتھ۔"

ڈور بیل بجی تو اس نے نل بند کیا۔ پانی کی دھار جو سبزیوں پہ گرتی بلبلے بنا رہی تھی دم توڑ گئی۔

مالا کی بلڈنگ کے دروازے پہ چار گھنٹیاں لگی تھیں۔ ہر گھنٹی الگ فلیٹ میں بجتی تھی۔ یقیناً کسی نے اس کے فلیٹ کی گھنٹی بجائی تھی۔ مالا ٹوکری اٹھائے دیوار پہ لگے انٹرکام کے سامنے رکی۔ بٹن دبایا۔

"ہیلو؟"

چند لمحوں کی خاموشی۔ پھر اسپیکر میں آواز گونجی۔

"کشمالہ؟"

سبزیوں کی ٹوکری اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ٹماٹر اور سبز پتے فرش پہ بکھر گئے۔

وہ اس آواز کو بھرے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ دوڑ کے کھڑکی تک آئی۔ پردہ کھینچ کے ایک طرف کیا اور نیچے جھانکا۔

بلڈنگ کے دامن میں سڑک کنارے وہ کھڑا تھا۔

digest library.com

اسی لمحے اس نے چہرہ اٹھایا۔یوں کہ اس کی نگاہیں مالا سے ملیں۔

برسوں پہلے ایک رات وہ ماموں کے گھر کے ٹیرس پہ کھڑی تھی اور وہ نیچے یونہی کھڑا تھا۔تب بھی اس نے یونہی چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔وہ رات جس میں چاکلیٹ براؤنیز کی تلخی تھی۔

☆☆☆

ہسپتال کی راہداریوں کے برعکس اس پرائیوٹ سویٹ میں اینٹی سیپٹک اور اسپرٹ کی مہک نہ تھی۔بلکہ وہ پھولوں کی خوشبو سے معطر تھا۔یہ وہی ہسپتال تھا جہاں ایک زمانے میں ماہر فرید روم 555 میں ٹانگ ٹوٹنے کے ایکسیڈنٹ کے بعد داخل ہوا تھا۔

بیڈ کی ٹیک اونچی کیے عبدالمالک فرید تکیوں کے سہارے بیٹھے تھے۔عینک ناک پہ جمی تھی۔ڈیجیٹل پنسل سے وہ ٹیب کی اسکرین پہ دستخط کررہے تھے جو عمار (سیکرٹری) جھک کے سامنے کیے ہوئے تھا۔ بیربل نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"تم اتنا کام کیوں کررہے ہو، مالک؟"

مالک نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"تم کرسکتے ہو میری جگہ؟ جاؤ، عمار۔ اس کے سامنے رکھو یہ فائل۔یہ کرلے گا۔"

"میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔"

"تم تینوں میں سے کوئی ایک بھی میرے کام سنبھالنے کے قابل ہوتا تو مجھے یہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔" درشتی سے کہہ کے واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئے۔

عمار نے ظاہر کیا کہ اس نے مالک فرید کے تینوں وارثوں کی یہ بے عزتی لائیو نہیں سنی۔

سنی تو ماہر نے بھی نہیں تھی۔وہ کھڑکی کے ساتھ رکھی لمبی سیٹ پہ بیٹھا تھا۔نگاہیں مسلسل بیربل پہ جمی تھیں جو کونے میں کرسی پہ براجمان تھا اور ماہر سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

"خیر یہ دونوں تو بہت قابل تھے آپ کی نظروں میں۔اسی لیے ان کو بتایا۔مجھے نہیں۔"

زارا انہی سلگتی نظروں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھی تھی۔بلائنڈز اٹھے ہوئے تھے اور دوپہر کی روشنی زارا کی پشت سے اندر آتی کمرے کو منور کررہی تھی اور اس کے چہرے کو مزید تاریک۔مالک فرید نے جواب نہیں دیا۔وہ یہ بحث اس سے ان چار دنوں میں کئی دفعہ کرچکے تھے۔

"زارا، بس کردو یار! یہ مالک کا فیصلہ تھا۔" بیربل نے بے زاری سے نہیں کہا۔بلکہ سوچ سوچ کے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"اور ہر عاقل بالغ انسان کی طرح مالک اپنے فیصلوں میں آزاد ہے۔"

وہ اب بھی ماہر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ سائیڈ ٹیبل پہ دھرے پھولوں کے ڈھیر پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔وہ ہر رنگ کے پھول تھے لیکن ان پہ ان دیکھی نیلاہٹ بکھری تھی۔

مالک فرید نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا، پھر واپس اسکرین سوائپ کرنے لگے۔ان کے وجود کی ٹھنڈک نے وہ سارے پھول جما دیے تھے۔

"تمہیں معلوم ہوسکتا ہے اور مجھے نہیں؟" وہ پھنکاری۔"یہ مالک کی مرضی، زارا! اور دیکھو... مالک ایک... ایک اڈلٹ ہے۔اور ایک اڈلٹ انسان اپنے... اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔"

"ہوں... بالکل۔" ماہر فرید نے بہت توجہ سے سنتے ہوئے سر ہلایا۔چبھتی نظریں بیربل پہ جمی تھیں۔

"ہمیں مالک کے فیصلے سے لاکھ اختلاف ہوسکتا ہے لیکن... لیکن یہ اس کی زندگی ہے۔وہ اس کے ساتھ جو بھی کرے۔"

"درست۔"

"اپنی زندگی کے فیصلے اس نے کس کو کب بتانے ہیں یہ اس نے طے کرنا ہے۔ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" بہت سا تھوک نگلا۔بالآخر نگاہیں ماہر سے ملائیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

URDU NOVELS MAG

حضورِ یار میں حرفِ التجا کے رکھے تھے
چراغ سامنے جیسے ہوا کے رکھے تھے

بس ایک اشکِ ندامت نے صاف کر ڈالے
وہ سب حساب جو ہم نے اٹھا کے رکھے تھے

تمہی نے پاؤں نہ رکھا وگرنہ وصل کی شب
زمیں پہ ہم نے ستارے بچھا کے رکھے تھے

بکھر رہے تھے سو ہم نے اٹھا لیے خود ہی
گلاب جو تری خاطر سجا کے رکھے تھے

ہوا کے پہلے ہی جھونکے سے ہار مان گئے
وہی چراغ جو ہم نے جلا کے رکھے تھے

مٹا سکی نہ انہیں روز و شب کی بارش بھی
دلوں پہ نقش جو رنگِ حنا کے رکھے تھے

حصولِ منزلِ دنیا کچھ ایسا کام نہ تھا
مگر جو راہ میں پتھر انا کے رکھے تھے

امجد اسلام امجد

ملنا تھا اتفاق، بچھڑنا نصیب تھا
وہ اتنی دور ہو گیا جتنا قریب تھا

میں اس کو دیکھنے کو ترستی ہی رہ گئی
جس شخص کی ہتھیلی میں میرا نصیب تھا

دفنا دیا گیا مجھے چاندی کی قبر میں
میں جس کو چاہتی تھی وہ لڑکا غریب تھا

بستی کے سارے لوگ ہی آتش پرست تھے
گھر جل رہا تھا اور سمندر قریب تھا

مریم کہاں تلاش کرے اپنے خون کو
ہر شخص کے گلے میں نشانِ صلیب تھا

انجم میں جیت کر بھی یہی سوچتی رہی
جو ہار کر گیا ہے بہت خوش نصیب تھا

انجم رہبر

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

digest.library.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت انس جہنی رضی اللہ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے لیے راستے بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا کہ جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

صبر ایوب

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری جب بہت بڑھ گئی تو آپ کی بیوی نے کہا۔

”کیا آپ نے اللہ سے دعا نہیں کی تھی کہ وہ آپ کو شفا دے۔“

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”ہاں کی تھی۔“

وہ بی بی کہنے لگیں، ”لیکن آپ کی بیماری تو پہلے کے مقابلے میں کچھ اور بڑھ گئی ہے۔“

حضرت ایوب نے فرمایا، ”نیک بخت ہم برسوں برس تک آرام و آسائش، راحت و عافیت کی زندگی بسر کرتے رہے، پھر اگر ہم پر مصیبت آ پڑی ہے تو اسے صبر و شکر سے برداشت نہ کریں۔“

چھ باتیں

ایک دانا کا قول ہے کہ چھ باتیں ایسی ہیں جس سے جاہل پہچانا جاتا ہے۔

☆ غصہ کے وقت غضب ناک ہو جانا، خواہ وہ کسی انسان کی طرف سے پیش آئے یا کسی جانور کی وجہ سے۔

☆ بے فائدہ کلام۔ [illegible] کہ بے فائدہ گفتگو کرے۔

☆ ہر کسی سے راز کی بات کہتا پھرے۔

☆ فضول خرچی کرنا، مال کسی ایسی جگہ لگانا جہاں سے کوئی فائدہ یا اجر حاصل نہ ہو۔

☆ ہر کسی پر اعتماد کر بیٹھے۔

☆ اپنے دوست دشمن میں امتیاز نہ کر پائے۔

سچی دوستی

باپ: ”رات کو کہاں تھے؟“

بیٹا: ”دیر ہو گئی تھی۔ دوست کے گھر ہی رک گیا تھا۔“

باپ نے اسی وقت فون اٹھایا اور اس کے دس دوستوں کو کال کی۔

چھ دوستوں نے کہا۔ ”ہاں انکل! وہ رات میرے پاس ہی سویا تھا۔“

تین نے کہا۔ ”انکل وہ سو رہا ہے۔ آپ کہیں تو اٹھا دوں۔“ ایک نے تو حد کر دی، کہنے لگا۔ ”جی ابو۔ بولیں۔“

کرنل شفیق الرحمٰن لکھتے ہیں

عاشق کے ہاتھوں میں اس کی محبوبہ کے ہاتھ تھے وہ اپنی محبوبہ سے پوچھتا ہے۔

”اس میں سے میری انگلیاں کون سی ہیں؟“

محبوبہ شرما کے کہتی ہے ”ساری آپ کی ہیں۔“

مجھے اس بات نے اپنا گرویدہ کر لیا، میری بڑی خواہش تھی کہ کوئی مجھے بھی ایسے کہے، سال پر سال گزرتے گئے، لیکن میں یہ خواہش نہ بھول سکا۔ آخر وہ میری زندگی میں آ گئی۔ ایک دن جب اس کے

URDU NOVELS MAG

ہاتھ میرے ہاتھ میں تھے، مجھے اپنی وہی خواہش یاد آ گئی۔ میں نے بڑے جذب کے عالم میں اس سے پوچھا۔

"ان میں سے میری انگلیاں کون سی ہیں؟"

"اس نے کہا اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے یہ کالی کالی آپ کی ہیں.....!!"

یہ لطیفہ نہیں ہے

ایک سرکاری افسر سے ملاقات کے لیے ایک صاحب کے وقفہ وقفہ سے فون آ رہے تھے، صبح سے دوپہر ایک بجے تک انہیں مندرجہ ذیل جوابات سننے کو ملے۔

"صاحب تو ابھی آئے ہی نہیں۔"

"صاحب بس آنے ہی والے ہیں۔"

"نہیں کچھ دیر پہلے صاحب کا فون آیا تھا کہ انہیں آنے میں دیر ہو جائے گی۔"

"جی ہاں، وہ آئے تھے لیکن ابھی بڑے صاحب نے انہیں میٹنگ کے لیے بلا لیا ہے۔"

"جی نہیں وہ ابھی میٹنگ میں ہی ہیں"

"اب وہ لنچ کے لیے چلے گئے۔"

دوپہر دو بجے کے بعد انہیں مندرجہ ذیل جواب سننے کو ملے۔

"بس وہ پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

"نہیں۔ وہ ابھی تک نہیں آئے، آپ پیغام دے دیجیے۔"

"وہ بلڈنگ میں ہی کہیں ہیں، ان کی واسکٹ کرسی پر ٹنگی ہوئی ہے لیکن یہ نہیں معلوم وہ کہاں ہیں۔"

"مجھے پکا پتا نہیں کہ وہ واپس آئیں گے یا نہیں۔ جی ہاں ان کا موبائل آف ہے۔"

"ارے جناب وہ آئے تھے لیکن بس دو منٹ پہلے ہی چھٹی کر گئے ہیں۔ اب تو ویسے بھی آفس بند ہو رہا ہے۔"

التماس: براہ کرم اسے لطیفہ نہ سمجھا جائے۔

بڑھاپا اور موت

مشہور صحافی اور یانا خلاسی نے سابق اسرائیلی وزیر اعظم سے ایک انٹرویو کے دوران سوال کیا۔

"کیا آپ بڑھاپے سے خوف زدہ ہیں؟"

"گولڈا میئر نے کہا۔

"نہیں اس نے مجھے کبھی خوف زدہ نہیں کیا ہے۔ سنو مائی ڈیر! بڑھاپا آندھی میں پھنسے جہاز کی طرح ہے، اگر آپ اس پر سوار ہیں تو پھر آپ جہاز کو روک سکتے ہیں نہ آندھی کو اور نہ ہی وقت کی رفتار کو روک سکتے ہیں۔ ایک فقط خود کو پرسکون رکھ سکتے ہیں۔"

اور یانا نے پوچھا "اور موت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

گولڈ نے کہا "تیسرا واحد خوف مجھے عرصہ تک جیے جانا ہے۔ بڑھاپے کی کمزوری اور جسمانی مشکلات میرے لیے اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اپنی ذہنی معقولیت کھو دینا اور سٹھیا جانا ہتک آمیز ہے۔ میں اپنے روشن ذہن کی حالت میں ہی مرنا چاہتی ہوں۔

ہاں میرا واحد خوف لمبے عرصہ تک جیے جانا ہے۔"

ذرا سوچیے

کچھ لوگ کسی سے فیض حاصل کرتے ہیں تو دوسروں کو بھی رہنمائی دیتے ہیں کہ اس چشمہ فیض سے آپ بھی استفادہ کر لیں۔ ویسے یہ قسم اب خال خال ہے۔

دوسری قسم کے لوگ، خود تو کسی سے فیض حاصل کر لیتے ہیں مگر کسی دوسرے کی راہنمائی نہیں دیتے۔ یہ قسم خود غرض کہلاتی ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو خود فیض حاصل کرنے کے بعد فیض رساں کے چشمہ فیض رسانی کو بند کر دینے پر مستعد رہتے ہیں۔ یہ سنگ دل لوگ کہلاتے ہیں۔

ہمیں ضرور غور کرنا چاہیے کہ ہمارا شمار کس قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے تاکہ اپنی اصلاح کر سکیں۔

میری بیاض سے

روحیلہ خان

ربیعہ احمد......دبئی

ایک مدت سے اجڑتے ہی چلے آئے ہیں
ایک لمحے میں کہاں ہم نے سنور جانا ہے
جس طرح رات کٹی، دن بھی گیا ہاتھوں سے
اس طرح ہم نے بھی ایک شام گزر جانا ہے

سائرہ خان......چکوال

عمر کتنی منزلیں طے کر چکی
دل جہاں ٹھہرا تھا ٹھہرا ہی رہ گیا

اریبہ......گلشن اقبال

میں اپنے ساتھ بناتا ہوں اپنی تصویریں
کہ میرا نام لیا جائے میرے نام کے ساتھ

زہرہ شفقت......لاہور

ختم ہو جائیں گے آہستہ آہستہ
غم نہ سہی ہم ہی سہی

علشبہ......کیپٹل سوسائٹی

تیری آنکھوں میں وہ حدت ہے کسی روز اگر
ان کو کاغذ پہ بناؤں تو جل جائے گا

حبیبہ خان......کراچی

جس کے سبب میں اہل محبت کے ساتھ ہوں
وہ شخص میرے ساتھ ہے کب تک، نہیں پتا

سحر احمد......کراچی

میں اسے چھوڑ کے بس جان بچا لوں اپنی
وہ روایت جو زمانے سے چلی آتی ہے
اک ترا غم ہے کہ تنہا نہیں ہونے دیتا
اک تیری یاد ہے سکھیوں میں گھری آتی ہے

عالیہ وحید......کراچی

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے
بن تمہارے کبھی نہیں آئی
کیا مری نیند بھی تمہاری ہے

رضوانہ وقاص......ہری پور

ایک چھٹی تو میرے ساتھ منا گاؤں میں
کوئی خوش بخت سا اتوار مکمل کر دے

علیشا......کراچی

زندگی بن کر بکھرنے کے لیے
زندگی ہے عشق کرنے کے لیے
انگلیوں کو ہم قلم کرتے رہے
چاہتوں میں رنگ بھرنے کے لیے

صبوحی عمران......لیہ

اس کے چہرے کی چمک کے سامنے سادہ لگا
آسمان پہ چاند پورا تھا مگر آدھا لگا

شہلا اعجاز......سیالکوٹ

رنگ پیراہن اک خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

ماریہ سلطان......ملتان

بارش کے موسم میں حسن کا منظر دیکھا
ایسا لگتا ہے جیسے ہم نے کوئی اپنا دیکھا

لبنیٰ رضوان......ثمن آباد

موسم، خوشبو، باد صبا، چاند، شفق اور تاروں میں
کون تمہارے جیسا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

انعم طلحہ......ٹیچر سوسائٹی

کسی نے فون پہ دی سال نو کی تہنیت مجھ کو
تمنا رقص کرتی ہے تخیل گنگناتا ہے
تصور اک نئے احساس کی جنگ میں لے آیا
نگاہوں میں کوئی رنگین چہرہ مسکراتا ہے

حمیرا مظفر......امریکہ

محبتوں میں شمار کیسا، سوال کیسا، جواب کیسا
محبتیں تو محبتیں ہیں، محبتوں میں حساب کیسا

URDU NOVELS MAG

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

حمدہ خان کی ڈائری سے

ایک اور سال رخصت ہونے کو ہے۔ دسمبر رواں سال کا آخری مہینہ ہے۔ سال کے اختتام پر اپنی دوستوں، عزیزوں کے نام کسی نامعلوم شاعر کی یہ نظم۔

آؤ دسمبر کو رخصت کریں
کچھ خوشیوں کو سنبھال کر
کچھ آنسوؤں کو ٹال کر

جو لمحے گزرے چاہتوں میں
جو پل بیتے رفاقتوں میں

کبھی وقت کے ساتھ چلتے چلتے
جو تھک کے رکے راستوں میں

کبھی خوشیوں کی امید ملی
کبھی بچھڑے ہوؤں کی دید ملی

کبھی بے پناہ مسکرا دیے
کبھی ہنستے ہنستے رو دیے

کوئی ہار گیا، کوئی جیت گیا
یہ سال بھی آخر بیت گیا

کبھی سپنے سجائے آنکھوں میں
کبھی بیت گئے پل باتوں میں

کچھ تلخ سے لمحات بھی تھے
کچھ حادثے اور صدمات بھی تھے

کچھ بے رخی، کچھ بے چینی
کچھ من میں سمٹی ویرانی

پر اب کے برس اے دوست
اللہ سے دعا یہ مانگی ہے

کوئی پل نہ تیرا اداس گزرے
کوئی روگ نہ تجھے راس گزرے

کوئی شخص نہ تجھ سے گلہ کرے
تو خوش رہے، آباد رہے

تو جو چاہے، وہ ہو جائے
تو جو مانگے، وہ مل جائے

معاف وہ ہر اک خطا کرے
تجھے ایسے ہی رب عطا کرے

فرخندہ سلیم کی ڈائری سے

دسمبر کی شاموں میں ایک عجیب سا سحر ہوتا ہے جو دلوں میں یادیں جگا جاتا ہے۔ بیتے لمحے دل پر دستک دیتے ہیں، بچھڑنے والے یاد آتے ہیں۔ فہمیدہ ریاض کی یہ نظم پڑھیے، جو ان ہی کیفیات کی عکاس ہے

دسمبر کی شامیں

وہ جو دسمبر کی شامیں تھیں
زرد پتوں میں چھپے خوابوں کی مانند
سرد ہواؤں کے ہمراہ
بہت سی یادیں جگاتی تھیں
دسمبر کے مہینے میں
ہم نے وہ لمحے گزارے
جو کبھی خوابوں کا حصہ تھے
اور کبھی آنکھوں میں نمی بن کر اترتے رہے
یہ شامیں سرد ہیں مگر
دل میں ایک آگ سی جلا دیتی ہیں
پھولوں کی خوشبو بھی جیسے

ان ہواؤں میں گم ہو چکی ہے
دسمبر کے یہ دن
جب کبھی دل میں اترتے ہیں
پچھلے موسم کی محبتیں
پھر سے جگا جاتے ہیں

سحر احمد کی ڈائری سے

وقت سے بڑا جادوگر کوئی نہیں، وہ بڑے سے بڑا زخم بھر دیتا ہے۔ نہ نفرتیں رہتی ہیں۔ نہ محبتیں یاد آتی ہیں۔ انسان سارے ملال بھول جاتا ہے، اسی کیفیت کو بیان کرتی کسی نامعلوم شاعر کی یہ غزل آپ کی نذر

تیری ہجرتوں کا ملال تھا، مگر اب نہیں!
مجھے صرف تیرا خیال تھا، مگر اب نہیں!

تیری بے مثال محبتوں کے نثار میں
تو زمانے بھر میں تھا بے مثال، مگر اب نہیں!

جسے تو نے درد عطا کیا وہی آدمی؟
تیری قربتوں میں نہال تھا، مگر اب نہیں!

تیرا ہجر میری بشارتوں کو نگل گیا
مجھے شاعری میں کمال تھا، مگر اب نہیں!

میں تیری تلاش میں ریزہ ریزہ بکھر گیا
وہ جنون شوق وصال تھا، مگر اب نہیں!

تیرے در پہ آخری بار آ کے پلٹ گیا
میری زندگی اک سوال تھا، مگر اب نہیں

صدف ناصر کی ڈائری سے

"صدف ناصر" کا انتخاب اپنے "پیارے بچپن" کے نام،

"آج اور کل" پڑھ کر آپ بھی رو پڑیں گے
مجھ کو یقین ہے سچ کہتی تھیں، جو بھی دادی کہتی تھیں
جب میرے بچپن کے دن تھے، چاند پہ پریاں رہتی تھیں

ایک یہ دن جب اپنوں نے بھی، ہم سے ناتا توڑ لیا
ایک وہ دن جب پیڑ کی شاخیں، بوجھ ہمارا سہتی تھیں

ایک یہ دن جب ساری سڑکیں روٹھی روٹھی لگتی ہیں
ایک وہ دن جب "آؤ کھیلیں" ساری گلیاں کہتی تھیں

ایک یہ دن جب جاگی راتیں، دیواروں کو تکتی ہیں
ایک وہ دن جب شاموں کی بھی پلکیں بوجھل رہتی تھیں

ایک یہ دن جب لاکھوں غم اور کال پڑا ہے آنسوؤں کا
ایک وہ دن جب ایک ذرا سی بات پہ ندیاں بہتی تھیں

ایک یہ گھر جس گھر میں میرا ساز و ساماں رہتا ہے
ایک وہ گھر جس گھر میں میری "بوڑھی نانی" رہتی تھیں!!

سائرہ سلمان کی ڈائری سے

ناصر کاظمی کی یہ غزل مجھے بہت پسند ہے، قارئین کی نذر

کسی کا درد ہو دل بے قرار اپنا ہے
ہو کہیں کی ہو سینہ فگار اپنا ہے

ہو کوئی فصل مگر زخم کھل ہی جاتے ہیں
سدا بہار دل داغ دار اپنا ہے

جو شاد پھرتے تھے کل، آج چھپ کے روتے ہیں
ہزار شکر غم پائیدار اپنا ہے

اسی لیے یہاں کچھ لوگ ہم سے جلتے ہیں
کہ جی جلانے میں کیوں اختیار اپنا ہے

کہیں ملا تو کسی دن منا ہی لیں گے اسے
وہ زود رنج سہی پھر بھی یار اپنا ہے

وہ کوئی اپنے سوا ہو تو اس کا شکوہ کروں
جدائی اپنی ہے اور انتظار اپنا ہے

نہ ڈھونڈ ناصر آشفتہ حال کو گھر میں
وہ بوئے گل کی طرح بے قرار اپنا ہے

URDU NOVELS MAG

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

کیرامل سیسمی ونگز ودھ میکرونی سلاد اینڈ ٹماٹو رائس

ضروری اشیاء:

چکن ونگز	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
چینی	تین کھانے کے چمچے
پانی	ڈیڑھ کپ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
تل	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:

چکن ونگز، نمک، لال مرچ، لہسن، ادرک اور ایک کپ پانی ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے گوشت گل جائے تو پلیٹ میں نکال لیں۔ اسی برتن میں چینی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔

چینی پگھل کر براؤن ہو جائے تو اس میں تیل آدھا کپ پانی، نمک، سرکہ اور گوشت ڈال کر اچھی طرح مکس کریں تاکہ کیرامل ونگز پر اچھی طرح لگ جائے ونگز پر تل چھڑک کر اچھی طرح مکس کرلیں۔

ٹماٹو رائس

ضروری اشیاء:

چاول	دو کپ
پسے ٹماٹر	ایک کپ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ

ترکیب:

برتن میں تیل گرم کرکے لہسن ڈال کر بھون لیں۔ ہلکا سنہری ہو جائے تو پسے ٹماٹر، نمک اور لال مرچ ڈال کر پکائیں۔

تیل الگ ہونے لگے تو بھون کر دو کپ ابلے ہوئے چاول ڈال کر مکس کردیں ہلکی آنچ پر دو منٹ دم پر رکھیں۔

میکرونی سلاد

ضروری اشیاء:

میکرونی	ایک کپ
مایونیز	ایک کھانے کا چمچہ
کریم	دو کھانے کے چمچے
نمک	ایک چٹکی
سفید مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
شملہ مرچ	ایک عدد

ترکیب:

ابلی میکرونی میں نمک، پسی ہوئی سفید مرچ اور پسی ہوئی چینی ڈال کر مکس کریں۔

اس میں مایونیز، کریم اور شملہ مرچ ڈال کر اچھی طرح ملالیں۔

فریج میں ٹھنڈا کرکے ونگز اور ٹماٹو رائس کے ساتھ سرو کریں۔ مزے دار کیرامل سیسمی ونگز میکرونی سلاد اینڈ ٹماٹو رائس کا پلیٹر تیار ہے۔

لگن کی بوٹی

ضروری اشیاء:

URDU NOVELS MAG

گوشت	ایک کلو
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچے
دہی	ایک کپ
پسا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	ایک کپ
پودینہ، ہرا دھنیا	ایک گٹھی
ہری مرچ	چار عدد
کباب چینی	ایک کھانے کا چمچہ
لونگ، چھوٹی الائچی	چھ عدد
بڑی الائچی	دو عدد
کاجو	دو کھانے کے چمچے
خشخاش	دو چائے کے چمچے
تیل	آدھا کپ
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا

گارنش کے لیے:

ٹماٹر، ہرا دھنیا، کاجو اور کٹا ادرک

ترکیب:

سب سے پہلے گوشت میں لہسن، ادرک، ہلدی، سفید زیرہ، پسا دھنیا، لال مرچ، نمک، پودینہ، ہرا دھنیا، پسی ہری مرچ اور دہی ملا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اس کے بعد اس میں دار چینی، لونگ، چھوٹی اور بڑی الائچی، کباب چینی ڈال کر بھونیں کچھ دیر بعد مسالا لگا گوشت شامل کریں۔ اس میں تلی ہوئی پیاز، پسی ہوئی خشخاش اور کاجو ڈال کر مکس کریں اور ڈھکن ڈھک دیں ہلکی آنچ پر 30 سے 40 منٹ تک پکائیں۔ پھر دو منٹ تک بھون لیں۔ لگن کی بوٹی تیار ہے۔ کٹے ہوئے ٹماٹر، ہرا دھنیا، کاجو اور کٹی ادرک سے گارنش کر کے گرم گرم پراٹھوں کے ساتھ سرو کریں۔

سوجی بیسن کا حلوہ

اجزاء:

بیسن	ایک پیالی
گھی	ایک پیالی
سوجی	ایک پیالی
چینی	ایک پیالی
پانی	آدھی پیالی
سبز الائچی	تین عدد
بادام پستے	حسب پسند

ترکیب:

گھی کو اچھی طرح گرم کر کے الائچی ڈال کر کڑکڑا لیں، سوجی بھی ڈال کر بھونیں پانچ چھ منٹ بھوننے کے بعد بیسن ڈال کر بھونیں۔ چینی کا شیرہ بنا لیں اس میں بھنا ہوا بیسن اور سوجی ڈال کر اتار لیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔

کسی ٹرے یا تھال میں گھی تیل لگا کر چکنا کر لیں اور یہ آمیزہ اس پہ پھیلا دیں۔ اس میں حسب پسند بادام پستے ڈال کر اس کی ٹکڑیاں کاٹ لیں۔ مزے دار حلوہ تیار ہے۔

کافی

اجزاء:

دودھ	ایک پاؤ
پانی	تھوڑا سا
کافی	چار چمچے
چینی	حسب ضرورت

ترکیب:

پہلے کپ میں پانی، کافی اور چینی ملا کر کانٹے کی مدد سے پھینٹ لیں کافی پھول جائے تو ابلے ہوئے دودھ میں مکس کر لیں۔

☆☆

URDU NOVELS MAG

آپ کا باورچی خانہ

نبیلہ گلزار

س: کھانا پکاتے وقت کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں پسند ناپسند، غذائیت کا؟

ج: کھانا بناتے ہوئے سب کی پسند کو مدنظر رکھتی ہوں کیونکہ میں پیپرز کے بعد ابھی کھانا بنانا سیکھ رہی ہوں تو کھانا بناتے وقت صحت اور غذائیت دونوں کا خیال رکھتی ہوں تو پھر ذائقہ آ ہی جاتا ہے۔

س: کھانے کے وقت گھر میں اچانک مہمان آ گئے، کوئی ایسی ڈش جو فوری تیار ہو جائے؟

ج: ہمارے ہاں مہمان ہمیشہ بتا کر ہی آتے ہیں اور زیادہ تر چھٹی والے دن ہی، تو بڑا اچھا لگتا ہے مہمانوں کی تواضع کر کے اور جب کھانے کی تعریف کی جائے تو دل کو بڑا سکون ملتا ہے۔ ایک ڈش کی ترکیب لکھ رہی ہوں جو سب کو پسند آتی ہے۔

لیمن کریم کباب

ضروری اجزاء:

قیمہ	ایک کلو
انڈا	ایک عدد
ہری پیاز	تین عدد (چوپ کرلیں)
لیموں	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

قیمہ باریک پیس لیں اس میں انڈہ، ادرک، ہری پیاز اور ہری مرچ باریک پیس کر کے مکس کر دیں۔ انڈہ ایک عدد توڑ کر اس میں ملا دیں، اب قیمہ کے اس آمیزے کی کباب کی طرح ٹکیاں بنا کر اس پر ڈبل روٹی کا چورا لگا کر ایک پلیٹ میں رکھ دیں۔

ایک فرائی میں تیل ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں گرم ہونے پر کباب تل لیں جب بادامی ہو جائیں تو اتار کر ایک بڑی پلیٹ کے درمیان رکھتی جائیں۔ مزید ذائقے دار بنانے کے لیے اجوائن پیس اوپر سے چھڑک دیں۔ ساتھ ہی کالی مرچ — نمک چھڑک کر پیش کریں۔

س: کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ ہوتا ہے آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج: کچن ہمیشہ صاف ستھرا ہی رہتا ہے۔ کھانا بنا کے بھی کچن صاف کر لیتی ہوں ساتھ ساتھ سلیب بھی صاف کرتی ہوں اور برتن جمع نہیں ہونے دیتی فوراً دھوتی ہوں اور ہفتہ میں ایک دفعہ تفصیلی صفائی بھی کرتی ہوں، بہن کے ساتھ مل کر۔

س: صبح ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟

ج: ناشتے میں زیادہ تر سب چائے پراٹھا ہی پسند کرتے ہیں اور چھٹی والے دن سب شاہی ناشتہ کرنا پسند کرتے ہیں مطلب حلوہ پوری۔

س: آپ مہینے میں کتنی بار کھانا کھانے باہر جاتی ہیں؟

ج: کھانا باہر کھانے بہت کم جاتے ہیں اور خاص موقعوں پر باہر سے منگوا لیتے ہیں اور گھر میں بھی بنا لیتے ہیں تو سب خوب مزہ کرتے ہیں۔

س: کھانا پکاتے ہوئے موسم کا خیال رکھتی ہیں؟

ج: کھانا موسم کی مناسبت سے ہی پکایا جاتا ہے۔ گرمیوں میں دالیں، سبزیاں اور آئس کریم۔ سردیوں میں ساگ، سوپ، ڈرائی فروٹس کا اپنا مزہ ہے اور پھل تو ہر موسم کا اچھا ہوتا ہے خاص طور پر آم۔

س: کھانا پکانے کے لیے کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج: کھانا ہمیشہ ہلکی آنچ پر پکاتی ہوں!... دل لگا کر پکاتی ہوں اور امی سے بھی مدد لیتی رہتی ہوں۔

س: کوئی ایک ٹپ؟

ج: روزانہ سلیب اور چولہے صاف کریں تو کچن بھی صاف رہتا ہے اور کیڑے مکوڑے بھی زیادہ نہیں آتے ... اور درود شریف پڑھ کر کھانا بنائیں تو بہت اچھا کھانا بنے گا۔

☆☆

URDU NOVELS MAG

ادارہ

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

ایک بہت بڑا دولت مند جو اپنی بدمزاجی کے لیے مشہور تھا، ایک مرتبہ کسی خانقاہ کے ایک بزرگ کے پاس ان کی دعائیں حاصل کرنے کی غرض سے گیا۔ ان بزرگ نے جیسے ہی اسے خانقاہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ یکا یک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک بند کھڑکی کے پاس لے گئے۔ جس کے شیشوں کے ذریعہ بیرونی سڑک کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

''مجھے بتاؤ کہ تم ان شیشوں کے ذریعے کیا دیکھتے ہو؟'' بزرگ نے اس دولت مند سے پوچھا۔

''ان شیشوں کے ذریعہ مجھے باہر سڑک پر چلتے پھرتے آدمی دکھائی دے رہے ہیں۔'' اس نے کسی قدر حیرانی کے ساتھ جواب دیا۔

اس پر وہ بزرگ اس دولت مند آدمی کا ہاتھ پکڑ کر ایک بڑے آئینے کے سامنے لے گئے۔

''اب تم کیا دیکھتے ہو؟'' بزرگ نے سوال کیا۔

''اب میں خود اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔'' دولت مند نے جواب دیا۔

''میاں صاحبزادے اب میں تم سے اپنے ان دونوں سوالات کی وضاحت کروں گا۔ یہ کھڑکی اور یہ آئینہ دونوں ہی شیشے کے بنے ہوئے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ آئینے کی پشت پر چاندی کا ملمع چڑھا ہوا ہے۔ جب تم سادہ شیشے کے ذریعے دیکھتے ہو تو تمہیں دوسرے آدمی نظر آتے ہیں لیکن جب تم اس چاندی کا ملمع چڑھے ہوئے شیشے کے ذریعے دیکھتے ہو تو تمہیں اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اور دوسرے آدمی دکھائی نہیں دیتے۔ افسوس کہ اس چاندی کے ملمع نے تمہاری نظروں سے دوسرے آدمیوں کو بالکل اوجھل کر دیا ہے۔''

ان بزرگ کا آخری جملہ نہایت ہی تاکیدی لہجہ میں تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہیں، وہ صرف اپنے ہی آرام و آسائش پر نظر رکھتے ہیں حالانکہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ زندگی کی حقیقی خوشی دوسروں کو خوشی دے کر حاصل ہوتی ہے۔ ہماری زندگی کی اچھی اور درست قدریں چاندی کے اس ملمع نے بالکل تبدیل کر کے رکھ دی ہیں۔ ہر شخص حصول دولت کے لیے اس قدر اندھا ہو کر بھاگا چلا جا رہا ہے کہ اسے اپنے اردگرد کا مطلق خیال نہیں ہے۔ آج ہماری زندگی کا اصل مقصد صرف پیسہ حاصل کرنا رہ گیا ہے خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے ہو، جائز، ناجائز کی تفریق مٹ کر رہ گئی ہے۔

ثمرہ بی بی......اسلام آباد

میں اپنے کزن سے بہت محبت کرتی تھی اور وہ سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے لفٹ نہیں کراتا تھا، میرا خیال تھا کہ شاید وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ میرا رشتہ آیا جو خاصا معقول تھا، میرے والدین کو وہ بہت پسند آیا، اچھی جاب اور اپنا گھر والدین کی اولین ترجیح ہوتی ہے انہوں نے مجھے پسند کر لیا اور سب کچھ طے ہوتا چلا گیا۔

میری ایک سہیلی میرے حال دل سے واقف ہے، اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اس سے بات کر کے دیکھ لو اگر وہ رسپانس نہیں دیتا تو اچھی بیٹی بن کر رشتے کو قبول کر لو۔ میں نے کس دل سے یہ بات اس سے کی، میں ہی جانتی

ہوں پر اس نے میرا بہت مذاق اڑایا، میرے جذبات پر اوس پڑ گئی، میں نے وہ رشتہ او کے کر دیا۔ وہ لوگ تو جیسے تیار بیٹھے تھے اس طرح ہماری بات طے ہو گئی، چھ مہینے بعد ہماری شادی طے ہے۔ ایک دن اچانک میرے کزن نے فون کیا اور اپنے رویے کی معافی مانگی اور بتایا کہ وہ بھی مجھے چاہتا ہے، مجھ سے ملنا چاہتا ہے میں نے فون بند کر دیا لیکن اب وہ مجھے بار بار فون کرتا ہے اور میسج کرتا ہے، بہانے بہانے سے گھر بھی آتا ہے لیکن میں نہیں ملی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ دل چاہتا ہے کہ اس کی بات پر یقین کر لوں اگر پہلے ایک بار وہ اشارہ بھی کرتا تو میں اس کی خاطر ساری دنیا چھوڑ دیتی اب ایک الجھن سی ہے کس کی سنوں دل کی یا دماغ کی۔

ج:۔ اچھی بہن.....! آپ کا کزن کتنا قابل اعتبار ہے۔ یہ تو آپ ہی جانتی ہیں اگر زندگی کے دیگر معاملات میں اس کے رویے سنجیدہ ہیں تو اس کے جذبات کی پذیرائی کی جا سکتی ہے لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس کی طبیعت میں بچپنا ہے، بچے کسی کھلونے کو پسند نہیں کرتے، اسے اٹھا کر پھینک دیتے ہیں لیکن جب دوسرا کوئی بچہ اس کھلونے کو اٹھا لے تو وہ رونے لگتے ہیں۔ اس بچے سے کھلونا چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہی حال اس وقت آپ کے کزن کا ہے۔

آپ اپنا جائزہ لیں اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آپ کو اپنا کزن اب بھی پسند ہے اور آپ اس سے شادی کرنا چاہتی ہیں تو اپنے کزن سے کہیں کہ وہ رشتہ بھجوائے اگر وہ سنجیدہ ہوا تو سیدھا راستہ اختیار کرے گا۔ فون کرنا، میسج کرنا، بہانے بنا کر گھر کے چکر لگانا صرف آپ کی راہ کھوٹی کرنے کی باتیں ہیں تاکہ آپ کسی اور سے شادی کر کے خوش نہ رہ سکیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی باتوں میں نہ آئیں جب آپ کا رشتہ طے ہوا، وہ تب بھی چپ رہا اب اچانک اس کو الہام ہوا ہے کہ وہ آپ کو چاہتا ہے۔

اگر وہ رشتہ نہ بھجوا سکا تو خود بخود یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔

عروبہ افغان..... کراچی

میری شادی کو بارہ سال ہو چکے ہیں، تین بچے ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی، سب سے چھوٹا بیٹا پیدائشی آٹسٹزم کا شکار ہے اب پانچ سال کا ہو چکا ہے۔ میں اس پر بہت توجہ دیتی ہوں۔ اس لیے کہ وہ صحیح طرح سے بول نہیں سکتا۔ مجھے ہر وقت بس اس کی فکر لگی رہتی ہے۔

میرے شوہر بھی ایان سے بہت پیار کرتے ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں میری بڑی نند ثنا جوان بچوں کی ماں ہیں، بیوہ ہیں ان کے سارے بچے شادی شدہ ہیں لیکن وہ سب پنجاب میں رہتے ہیں، پچھلے سال انہیں کووڈ بھی ہو گیا تھا، اس کے بعد چکن گونیا اور اب پھر سینے کے انفیکشن میں مبتلا ہیں پنجاب میں ان کا صحیح علاج نہیں ہوا تو میرے شوہر ضد کر کے کراچی لے آئے اور ان کا علاج کروایا۔ اب خیر سے وہ صحت مند ہیں لیکن اب وہ جانے کا نام نہیں لے رہیں بلکہ ہمارے گھریلو معاملات میں ٹانگ اڑا رہی ہیں۔ ان کے خیال میں ایان پر اتنی محنت اور توجہ صرف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ صرف یہ ہی نہیں وہ اپنے بھائی کے کان بھی مستقل بھرتی رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ بھی مجھ سے جھگڑا کر چکے ہیں کہ میں اس کی وجہ سے گھر کو توجہ نہیں دے رہی ہوں..... میں سخت ٹینشن میں رہتی ہوں کہ آخر اپنے بچے کا کیا کروں..... سارا دن بچہ گھر پر ہی رہتا ہے، اسے اس کے کھانے پینے اور باتھ روم کے مسائل سب میں خود دیکھتی ہوں لیکن پھر بھی ٹینشن دوسروں کو ہے۔

ج:۔ آپ کا مسئلہ واقعی پریشان کن ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس کا کوئی حل نہ ہو۔ آٹسٹزم کا علاج کسی حد تک ممکن ہے۔ آپ کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ تو بہت حد تک بہتری آئے گی۔

اپنے شوہر سے کہیں کہ وہ آپ کی نند کو مناسب لفظوں میں سمجھا دیں کہ وہ بچے کے سامنے اس قسم کی باتیں نہ کریں۔

امت الصبور

بیوٹی بکس

ریحانہ اسلم.....گھوٹکی

س: میں اپنے چہرے کے کھلے مسامات سے پریشان ہوں۔ میری جلد بھی حساس ہے۔ عمر چوبیس سال ہے۔ شہر سے دور رہتی ہوں کوئی گھریلو ٹوٹکا بتادیں۔

ج: خواتین میں یہ مسئلہ عام ہے۔ مسامات کو بند کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ دن میں ہلکے صابن سے چہرہ دھوکر مسامات پر برف کی ٹکور کریں۔ دہی کا ماسک مسامات بند کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شہد اور جو کا اسکرب بھی اچھی ترکیب ہے۔ ایلوویرا مساموں کو ٹائٹ کرنے کے لیے بہترین ہے۔ تھوڑا سا ایلوویرا جیل چہرے پر لگائیں۔ دو تین منٹ مساج کریں اور ریلیکس کریں۔ دس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

صباحت ندیم.....لاہور

س: میری عمر پچیس سال ہے۔ میری جلد چکنی ہے، میک اپ کے بعد تو اور بھی چکنی دکھائی دیتی ہے۔ میں سخت پریشان ہوں۔

ج: آپ زیادہ پریشان نہ ہوں چکنی جلد کے فائدے بھی بہت ہیں، چکنی جلد پر جھریاں بہت کم نمودار ہوتی ہیں، چکنی جلد دیر سے بوڑھی ہوتی ہے۔ آپ چہرے کو صابن کے بجائے بیسن سے دھوئیں۔ ملتانی مٹی اور عرق گلاب کا ماسک آپ کے چہرے کے لیے بہترین ہے۔

تقریبات میں شرکت سے کچھ گھنٹے قبل آپ بیسن اور دودھ کا ماسک لگائیں۔ یہ بہترین طریقے سے جلد کا آئل کنٹرول کرتا ہے۔ میک اپ سے پہلے برف سے ٹکور کریں۔ میک اپ دیر تک برقرار رہے گا۔

اریبہ ظفر.....کراچی

س: میرے ہونٹ بہت زیادہ خشک ہوجاتے ہیں اور سیاہی مائل بھی ہوتے جارہے ہیں؟

ج: سیاہ ہونٹوں کو گلابی کرنے کے لیے دو چمچے ناریل کے تیل میں ایک چمچہ لیموں کا رس ملا کر دن میں کئی بار ہونٹوں پر لگائیں۔ کئی بار ہاضمہ درست نہ ہونے کی وجہ سے بھی ہونٹ سیاہ ہونے لگتے ہیں۔

ہونٹ اگر خشک ہورہے ہیں تو نیم گرم دودھ دن میں کئی بار ہونٹوں پر لگائیں۔

ہونٹوں کی رنگت کے لیے ایک چمچہ دودھ میں ایک چٹکی ہلدی اور آدھا چمچہ لیموں کا رس ملا کر لگائیں۔

امینہ بتول.....سرجانی ٹاؤن

س: میرے بال بہت زیادہ گر رہے ہیں خشکی اور روکھے پن کی بھی شکایت ہے براہ کرام کوئی گھریلو نسخہ بتادیں؟

ج: بالوں کو چمک دار اور گھنا رکھنے کے لیے انہیں دھونے کے بعد کچے ناریل کا پانی لگائیں، تو بالوں میں ناقابل یقین چمک پیدا ہوجائے گی۔

روکھے اور مرجھائے ہوئے بالوں میں رونق لانے کے لیے چار کھانے کے چمچے دہی، دو کھانے کے چمچے مہندی اور ایک چائے کا چمچہ ناریل کا تیل اچھی طرح ملا کر بالوں میں لگائیں اور بیس منٹ بعد دھولیں یہ عمل ہفتے میں دو سے تین مرتبہ ضرور دہرائیں اس سے نہ صرف بال گھنے ہوں گے بلکہ ٹوٹنا اور گرنا بھی بند ہوجائیں گے۔

خشکی والے مسئلے کے لیے آپ کھٹی لسی سے سر دھوئیں۔ دو چمچے ناریل کے تیل میں آدھا چائے کا چمچہ لیموں کا رس ملا کر مالش کریں خشکی ختم ہوجائے گی۔

URDU NOVELS MAG